ولی عہد
قمر اجنالوی

London Borough of Newham	
90800000171476	
NHTG	Star Books
F	02/11/2021
£ 21	210575

تحیّر زا تاریخی ناول

ولی عہد

وہ ایک خانہ بدوش کا بیٹا تھا مگر تاج و تخت کا وارث بن گیا

قمر اجنالوی

○

ولی عہد

قمر اجنالوی

مکتبہ القریش
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37652546 042-37668958

حرفِ آغاز

کلائیو کے فرزندوں اور وارن ہیسٹنگز کے جانشینوں نے برِصغیر پر جس طرح قبضہ جمایا اور اس سرزمین کے حکمرانوں اور باشندوں کے ساتھ جو ظالمانہ برتاؤ کیا وہ تاریخ کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

یورپ اور برِصغیر کے درمیان تجارتی تعلقات کا آغاز دراصل بحری مہمات کا افسانہ سُناتا ہے۔ جب یورپی ملّاح "نئی دُنیا" کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ پرتگیزی ملّاح واسکوڈے گاما پندرھویں صدی میں کالی کٹ کی بندرگاہ پر اترا۔ راجہ زمورن نے پرتگیزی سفارت کو عزّت بخشی۔ فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دی۔ تین سال کے بعد یہی فیکٹری ایک قلعہ میں تبدیل ہو گئی اور کچھ عرصہ کے بعد گوا کی فصیل پر پرتگیزی پرچم لہرا رہا تھا۔ مہمانوں نے میزبان راجہ کے شاہی محلات تک نذرِ آتش کر دیئے۔ شاہِ گجرات نے پرتگیزیوں سے بحری جنگ لڑی مگر شکست کھائی۔ پرتگال کے ملّاح سمندروں کے حکمران تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے مغربی گھاٹ پر قیامت بپا کر دی۔ اکبر کے عہدِ فتوحات میں پرتگیزی سفیر انطونیو نے صلح کی بات چیت کی جس کے نتیجہ میں سورت نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جہانگیر

Rs. 700/-

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اشاعت	....	2021ء
نام کتاب	....	ولی عہد
مصنف	....	قمراجنالوی
ناشر	....	محمد علی قریشی
بااہتمام	....	فہد حسن قریشی

Alquraish Publications
Ph: 37668958
Cell: 0300-4183997
www.alquraish.com
email: info@alquraish.com
Join us: f alqurais hpublications
Printed By Nayyar Asad Press

وفد مغل شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور شورش و بدامنی کے جرم کا اقبال کر کے رحم کی درخواست کی۔ وہ گڑگڑائے، روئے اور عفو و کرم کے طالب ہوئے ——— اورنگ زیب نے ذیل کا فرمان جاری کیا:۔

"درخواست اس مضمون کی ماہدولت کے ملاحظہ میں آئی کہ جس قدر فساد برپا ہوا، اس کے ذمہ دار تم ہو اور یہ کہ اس میں سراسر تم قصوروار ہو تمہاری طرف سے ماہدولت کے حضور ہمارے صوبہ داروں کے خلاف شکایات موصول ہوئی تھیں۔ تمہیں یہ شکایت تھی۔ ماہدولت کے صوبہ داروں نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی، لازم تھا کہ شورش برپا کرنے سے پہلے تم ماہدولت کو تمام واقعات کی اطلاع دیتے، اب چونکہ تم اپنے جرم کو تسلیم کرتے ہو اس لیے گزشتہ واقعات کو معاف کر کے تمہاری درخواست ہی منظور نہیں کی جاتی بلکہ تمہاری التجا کے مطابق تمہیں ایک فرمان بھی دیا جاتا ہے۔ ماہدولت نے اسد خاں کو بھیج دیا ہے کہ وہ فرمان مذکور سورت کے صوبہ دار کے پاس بھیج دے جب یہ فرمان تمہیں موصول ہو تو اس کا احترام کرو۔ نیز آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرو۔ ہمیشہ ماہدولت کی خوشنودی کے امیدوار رہو"۔

کیا اورنگ زیب کے جانشین اس دبدبہ و جلال کے وارث بن سکے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے کیونکہ اگر ان میں حکمرانی کی صلاحیت ہوتی۔ تو نہ برصغیر کی مرکزیت فنا ہوتی نہ ملک چھوٹی چھوٹی خود مختار ٹکڑیوں میں منقسم ہوتا اور نہ انگریزوں کو سیاسی سازشوں کے جال بچھانے کا موقع ملتا۔

اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں کے عہد میں مغل سلطنت بڑی تیزی سے انحطاط و زوال کی منزلیں طے کرنے لگی اور برصغیر میں متعدد حکومتیں قائم ہو گئیں۔

شمال مغربی علاقہ میں سکھ خالصہ راج کی تشکیل میں مصروف ہو گئے۔ جنوبی ہند میں مرہٹوں نے مثالی قوت وجمعیت فراہم کر لی۔ راجستھان کے راجواڑوں کو داخلی جھگڑوں ہی سے فرصت نہ تھی۔ اودھ کے حکمران جو شہنشاہ کی نیابت و وزارت کے سبب "نواب وزیر" کہلاتے تھے، مرکز کو چھوڑ کر سلطنتِ اودھ کے تحفظ کی فکر میں منہمک ہو گئے

نے ۱۶۱۲ء میں پرتگیزیوں سے معاہدہ کیا مگر انہوں نے عہد شکنی کی۔ سورت کی بندرگاہ کے قریب چند جہاز لوٹ لیے اور قلعہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر مغلوں سے شکست کھا کر گوا میں دبک گئے۔

سولہویں صدی تک اکیلا پرتگال برصغیر کی تجارت کا اجارہ دار تھا مگر سترہویں صدی کے آغاز میں ہالینڈ کے تاجروں نے بھی ہندوستان کا رُخ کیا اور ولندیزی جہاز سامانِ تجارت ڈھونے میں مصروف ہوگئے۔ اب ولندیزیوں اور پرتگیزیوں میں تجارتی رقابت کے ساتھ بحری جھڑپیں بھی ہونے لگیں۔ آہستہ آہستہ ولندیزی بھی ہندوستان کے ساحلوں پر قدم جمانے لگے۔

ہندوستان تو "سونے کی چڑیا" کے نام سے مشہور تھا۔ بھلا فرانسیسی اور انگریز کیوں پیچھے رہتے۔ ملکہ الزبتھ کے عہد میں انگریز تاجروں نے "ایسٹ انڈیا کمپنی" بنائی اور حکومت انگلستان کی اجازت سے تجارتی میدان میں کود پڑے۔ شاہ انگلستان جیمز اوّل کے عہد میں اس کا سفیر سر طامس راؤ جہانگیر کے حضور آگرہ پہنچا اور تین سال تک مغل شہنشاہ کے دربار میں رہا۔ سر طامس راؤ نے حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا۔ فریقین میں تجارتی روابط بڑھ گئے انگریزوں کو سورت میں ایک فیکٹری اور اس کے اردگرد فصیل بنانے کی اجازت مل گئی شہنشاہ نے انہیں تجارت کی سند بھی عطا فرمائی۔ آگرہ، اجمیر، احمد آباد، گجرات اور بھڑوچ میں انگریزوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم ہونے لگیں۔

پرتگیزی مغربی گھاٹ پر جو اہمیت و حیثیت اختیار کر چکے تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی مقبوضات کو اپنی "موروثی جائداد" تصوّر کرنے لگے چنانچہ جب شاہِ انگلستان چارلس دوم نے ایک پرتگیزی شہزادی سے شادی کی تو وہ اپنے جہیز میں برصغیر کا ایک جزیرہ بھی لے کر آئی جس نے بعد میں بمبئی کی شکل اختیار کر لی۔ پرتگیزیوں کی طرح انگریزوں نے بھی مغربی گھاٹ پر اودھم مچایا اور ہندوستانی باشندوں پر مظالم توڑنے لگے۔ برہمن اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں فریاد لے کر آئے۔ ادھر صوبہ دار نے بھی شکایت کی کیونکہ انگریزوں نے باقاعدہ شورش و بغاوت پر کمر باندھ لی تھی اور بحری طاقت کے بل بوتے اپنے آپ کو ساحلی مقبوضات کا حکمران سمجھنے لگے تھے۔

اورنگ زیب نے فوراً اپنے سپہ سالار کو روانہ کیا جس نے انگریزوں کو سورت میں شکست فاش دی اور متعدد فسادیوں کو گرفتار کر لیا۔ ہوش ٹھکانے لگے تو کمپنی کا ایک

فرانس کے درمیان مشہورؔ "جنگ ہفت سالہ" کا آغاز ہوا تو برصغیر میں بھی دونوں حریف پوری وحشت و بربریت کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے ۔ اس جنگ کا نتیجہ فرانسیسی گورنر دوپلے کی شکست و ناکامی اور انگریز شاطر کلائیو کی فتح و کامرانی کی شکل میں نمودار ہوا۔ فرانسیسی کمپنی جو حکومتِ فرانس پر بوجھ بنی ہوئی تھی توڑ دی گئی اور انگریزوں کا سب سے بڑا حریف اپنی صف لپیٹنے پر مجبور ہوا ۔ اب ولندیزیوں نے انگریز کی تجارتی اجارہ داری کو اپنے لیے ایک خطرہ سمجھا بالخصوص اس وقت جب کلائیو اور انگریز امیر البحر واٹسن نے نواب سراج الدولہ والیے بنگال کے خلاف میر جعفر سے سازش کر کے غیر معمولی کامیابی حاصل کی ۔ کلکتہ اور دریائے ہگلی کی املاک کو لوٹا اور بنگال میں ہیئتِ حاکمہ حاصل کر لی تو ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیاسی اقتدار سے خوفزدہ ہو گئے چنانچہ انہوں نے انگریزوں کی تجارتی اور سیاسی اجارہ داری توڑنے کے لیے ۱۷۵۹ء کو ایک جنگی بیڑہ دریائے ہگلی میں داخل کر دیا ۔ کلائیو نے غدارِ اعظم میر جعفر کی فوجوں کے اشتراک سے ولندیزیوں کو شکست دی ۔ اب بنگال میں انگریزوں کا کوئی حریف باقی نہ تھا ۔ آہستہ آہستہ انہوں نے مشرقی ہند پر تسلّط جمایا اور برصغیر پہ انگریزی حکومت قائم کرنے کے لیے وسطی اور جنوبی ہند کی طرف بڑھنے لگے انگریز گورنر اب حکمرانی اور جہانبانی کے ولولے لے کر ہندوستان کے ساحلوں پہ اُترنے لگے تھے ۔

مرکزی حکومت کی کمزوری اور والیانِ ریاست کی علیحدگی پسندی نے طوائف الملوکی پھیلا دی تھی ۔ ان ایام میں انگریز کو سازشوں، سیاسی ریشہ دوانیوں ، فوجی شورشوں اور ابلہ فریبیوں کا پورا موقع ملا ۔ انہوں نے طاقتور حکمرانوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے ۔ کمزوروں کے خلاف سازشوں کے دام پھیلائے اور مختلف وعدہ خلافیوں ، بدعہدیوں اور دسیسہ کاریوں سے ان کی ریاستوں اور املاک پر قابض ہوتے چلے گئے تا آنکہ برصغیر میں کمپنی سرکار "شہنشاہ کی زبان" میں گفتگو کرنے لگی ۔

اگرچہ کئی لوگ انگریزی خطرہ کو محسوس کر رہے تھے مگر بدنصیبی تو یہ تھی ہندوستانی حکمران داخلی جھگڑوں میں کمپنی سرکار کی حمایت حاصل کرتے اور اسے سیاسی مراعات دیتے رہے ۔ اس طرح مرہٹہ ریاستیں ، سلطان میسور اور سکھ اہم طاقتیں تھیں جنہیں زیر کر کے انگریز پورے برصغیر کا حاکمِ اعلیٰ بن سکتا تھا مگر ملک میں صرف دو ذہن انگریز کے ناپاک ارادوں سے باخبر تھے ۔ مرہٹہ وزیر نانا فرنولیس جسے موت نے مہلت نہ دی ۔ دوسرے سلطان ٹیپو جس

نظام الملک آصف جاہ مغلوں کے آخری دور کی ایک نمایاں شخصیت ہے۔اس نے مغل سلطنت کے ادبار و تنزّل کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ناکام و افسردہ ہو کر جنوبی ہند کی طرف چل دیا اور دکن کی مملکت قائم کر کے بیٹھ گیا جو مغلیہ روایات کا نمونہ تھی لیکن مرہٹوں کو نظام کی مملکت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی ۔ وہ جنوبی ہند میں اپنے سوا کسی اور کو صاحبِ اختیار نہ دیکھنا چاہتے تھے اس لیے مرہٹوں اور نظام کے درمیان ہمیشہ سیاسی رقابت کی آگ سلگتی رہی جسے بعد میں انگریز نے "رموزِ مملکت" کے تحت خوب بھڑکایا۔

پھر جنوبی ہند کے نقشہ پہ ایک نئی طاقت "سلطنتِ خداداد میسور" ابھری جسے حیدر علی اور اس کے جانباز فرزند سلطان ٹیپو نے آزادی و حریت کا نشان بنا دیا۔ مرہٹے اس نئی طاقت کے بھی جانی دشمن بن گئے تھے۔ جنوبی ہند کے حکمرانوں کی باہمی آویزشوں میں انگریز اور فرانسیسی جرنیلوں کو سیاسی مقاصد اور اقتدارِ حکومت کے حصول کی راہیں نظر آنے لگیں ۔ انہوں نے والیانِ ہند کو ایک دوسرے سے لڑانے ہی میں بہتری سمجھی ۔ بنگال میں سراج الدولہ اگرچہ ایک اہم حکمران تھا لیکن انگریزی سازشوں نے میر جعفر ایسے ننگِ آدم کو مارِ آستین بنا دیا تھا۔

والیانِ ہند کے علاوہ غیر ملکی طاقتیں بھی جو برصغیر میں تجارت کرنے آئیں اور پاؤں پسار کے بیٹھ گئیں ۔ اپنے آپ کو آزاد و خود مختار سمجھ رہی تھیں ۔ پرتگیزی مغربی گھاٹ کے اہم شہروں پہ قابض و حکمران تھے اور گوا ، دمن ، دیو کے علاوہ ساحلی بستیوں پہ ان کا علم لہراتا تھا۔

فرانسیسی مدراس میں پانڈی کی نوآبادی قائم کر کے بیٹھ گئے تھے ۔ اٹھارہویں صدی میں انہوں نے چندر نگر ، ماہی اور کاریکل پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

ولندیزی بھی بعض اہم بستیوں پہ قابض و متصرف تھے۔

انگریزوں نے ایک طرف مغربی گھاٹ پر سورت ۔ بھراچ اور بمبئی میں تجارتی کوٹھیاں قائم کیں تو دوسری طرف مشرقی گھاٹ پر کلکتہ میں ایک قلعہ تعمیر کر لیا تھا۔ وسطی ہند میں بھی ان کا اثر و رسوخ جاری تھا۔

انگلستان اور فرانس کی سیاسی کشمکش اور باہمی جنگ برصغیر کی انگریزی اور فرانسیسی کمپنیوں پہ بھی اثر انداز ہوئی ۔ چنانچہ جب یورپ کے ساحلوں پر انگلستان و

کر دیئے اور ان کے اِردگرد ایک ایسی داستان کا خاکہ تعمیر کیا جو ہندوستان کی اکثر ریاستوں کی سیاست کا محور بنی رہی ۔

انگریز چاہتا یہ تھا۔ جس مملکت اور جس ریاست میں اس کے قدم جا پہنچے ہیں۔ اس کا والی کمپنی کا بندۂ بے دام بن کر رہے اور جب وہ مر جائے تو ہر جائز یا ناجائز ذریعہ سے حقوقِ وراثت انگریز کو منتقل ہو جائیں ۔

" چاند نگر " جسے میں نے اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کا " سمبل " بنایا ہے اگرچہ ایک مفروضہ مملکت ہے لیکن " چاند نگر " ہیں ہندوستان کی بیشتر ریاستوں کا نقشہ ملے گا یا پھر ہر ریاست " چاند نگر " نظر آئے گی ۔ پورا ہندوستان ایک ہی دردِ مشترک میں مبتلا دکھائی دے گا ۔ یہ ناول ایک " تاریخی دستاویز " ہے جس میں آپ کو اس دَور کے ہندوستان کی جھلک اور انگریز کے کردار کی صحیح تصویر نظر آئے گی ۔

ذرا تاریخ کے صفحات پلٹ کر دیکھیے ۔ انگریز نے مختلف مملکتوں کے وارثوں پر کیسے کیسے الزام لگائے اور اُن کے حق غصب کرنے کی خاطر کیا کیا شرمناک ہتھکنڈے اختیار کیے ۔

برِصغیر میں انگریز کے اقتدار کی تاریخ بہت طویل ، جگر خراش اور لرزہ خیز ہے ۔ " ولی عہد " اسی تاریخ کا ایک عکس ہے جسے میں نے افسانوی قالب میں ڈھال دیا ہے ۔ لیجیے ! میں آپ کی فرمائش سے عہدہ برآ ہوں ۔

قمر اجنالوی

نے ملک کو انگریزی تسلط سے آزاد کرانے کی خاطر تحریکِ حریت کا آغاز کیا اور مرہٹہ مہاراجہ سندھیاجی کو لکھا کہ ہمیں آپس کے جھگڑے ترک کر کے سب سے پہلے انگریز کے خلاف متحد ہو جانا چاہئیے۔ شروع شروع میں سندھیا نے اس تجویز کی حمایت کی لیکن جب سلطان ٹیپو اور انگریزوں کے درمیان معرکہ آرائی کا آغاز ہوا، مرہٹہ فوج اور نظام دکن کی سپاہ اس بطلِ حریت کے خلاف صف بستہ تھی۔ جس نے ہندوستان کی آزادی کا پرچم بلند کیا تھا۔ سلطان ٹیپو نے انگریزوں سے کامیاب جنگیں لڑیں۔ کئی مرتبہ کمپنی کی فوجوں کو شکست دی مگر انگریز کے سازشی ذہن نے صرف نظام اور مرہٹوں ہی کو سلطان کے خلاف کھڑا نہیں کیا بلکہ میسور میں بھی ایک غدار وزیر میر صادق کے ساتھ ساز باز کی۔ سلطان کو اس سازش کا علم اُس وقت ہُوا جب انگریزی فوجیں سرنگا پٹم کا محاصرہ ڈال چکی تھیں مگر کسی ضعف و شکست کا اظہار کرنے کی بجائے اس نے تلوار ہاتھ میں لی اور مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا شہید ہو گیا۔

سلطان ٹیپو کی شہادت ہندوستان کی تحریکِ آزادی کا ایک جاں گسل سانحہ تھا۔ جس نے حریت پسندوں کی قوت توڑ دی۔ اس کی شہادت کے بعد انگریز کا مقابلہ کرنے والا تھا کون؟ اب وہ برِصغیر کے حکمرانِ اعلیٰ تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سرکار انگلشیہ میں تبدیل ہوئی اور انگریز ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔

میرے قارئین مجھ سے اسی دَور کی خوں آشام داستان سُننا چاہتے تھے۔

مَیں سوچتا رہا کس واقعہ پر قلم اُٹھاؤں۔ کس معرکہ کی تفصیل سناؤں۔ کس جنگ کی کہانی لکھوں۔ کس ریاست کے غصب و نہب کی داستان رقم کروں؟ ہر واقعہ کمپنی کے سیاسی کردار پر حرف زنی کرتا اور ہر ریاست کا انہدام اس کی رُوباہی خصلت کی ایک نئی کہانی سناتا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیاسی کردار کی ان صفات کو بیان کرنے کے لیے ضروری تھا۔ مَیں اٹھارہویں صدی کی پُوری تاریخ لکھتا اور انگریز کے حصولِ اقتدار کی لرزہ خیز داستان شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا مگر یہ کہانی کئی دفتر سیاہ کرنے کے بعد بھی ادھوری رہتی۔ آخر غور و فکر کے بعد میرے ذہن پر ایک مثالی ریاست کا تصوّر اُبھرا جسے ہم اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کا "سمبل" قرار دے سکتے ہیں۔ مَیں نے اس ریاست کا نام "چاند نگر" تجویز کیا۔ اس میں برِصغیر کی مختلف ریاستوں کے کردار جمع

(۱)

پہاڑی درہ ٹاپوں سے گونج رہا تھا۔ گھوڑے کی رفتار بہت تیز تھی جیسے کوئی تیر کمان سے نکل کر فضا کا سینہ چیر رہا ہو۔ سرپٹ دوڑتے ہوئے اس نے عقاب کی سی ہوشیاری اور چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ موڑ کاٹا اور درہ سے نکل کر اس راستہ پر ہو لیا جو پہاڑی ٹیلوں کے ساتھ ساتھ چلا گیا تھا۔

معلوم ہوتا تھا گھوڑا اس راستہ سے آشنا ہے۔ اُسے اپنی منزل کا علم ہے یا پھر سوار ہی کچھ ایسا ماہر تھا کہ اُسے خطرناک ٹیڑھے میڑھے اُونچے نیچے راستے پر اپنی مرضی کے مطابق سرپٹ لیے جا رہا تھا۔ ورنہ معمولی سوار کو ہستانی نشیب و فراز میں جہاں قدم قدم پر لڑھک جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ گھوڑے کو ایسی غیر معمولی رفتار سے نہیں دوڑاتے۔

صاف ظاہر تھا کہ سوار کو کوئی مہم درپیش ہے اور وہ جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچ جانا چاہتا ہے۔

اُونچی سُرخ چٹانوں کے درمیان ٹاپوں کی صدائے بازگشت پہاڑوں کا روایتی سناٹا

☆

اپنے عزیز دوست

فلمسٹار حبیب کے نام

جنہوں نے فلم "ولی عہد" میں

ولی عہد کا رول ادا کیا

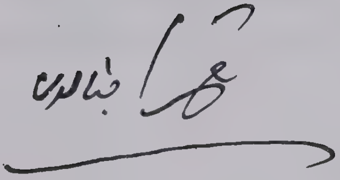

چند ہی قدم کے فاصلہ پر ایک سیاہ بکری کی لاش پڑی تھی جسے دو گِدھ نوچ رہے تھے۔ سوار کو رُکتے دیکھ کر پہاڑی گِدھوں نے اُڑان بھری اور اپنے لمبے لمبے منحوس پَروں کو پھڑپھڑاتے ایک ٹنڈ منڈ درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھے۔

شاید منزل کے قریب ایک لاش دیکھ کر سوار نے بُرا شگون لیا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور کھنڈر کے قریب پہنچ گیا۔ اُچھل کر گھوڑے سے اُترا لگام ایک ستون کے گرد لپیٹی اور بے در و بام راہداری میں لپکتا چلا گیا۔ اس کے چرمی جوتے کے نیچے گچ کے ریزے اور چھوٹے چھوٹے کنکر چرچرائے اور قدموں کی چاپ کھنڈر کی مرگ آسا خاموشی کے سینے پر آواز کی خراشیں پیدا کرنے لگی۔ اچانک ایک چھت والے کمرے سے کوئی کمر خمیدہ بوڑھی اپنے چہرے پہ جھریوں کا جال لیے برآمد ہوئی۔ اس شکستہ و ویران عمارت سے بڑھیا بالکل افسانوی کردار کی طرح نمودار ہوئی جیسے الف لیلہ کی طلسم آفرین داستانوں کے ویران اور اُجاڑ محلوں سے اچانک کوئی نہ کوئی عیّار کٹنی یا جادوگرنی نکل آتی ہے۔

سوار کو دیکھتے ہی اس کے بوڑھے خشک ہونٹ تھرتھرائے۔

"سردار جگو! ——— زینو———"

پھر شاید اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی اور وہ فقرہ بھی پورا نہ کر سکی۔ بڑھیا کا الم انگیز رُندھا ہوا لہجہ کسی خطرے کا اعلان کر رہا تھا۔ سوار کے چہرے پر فکر و اندیشہ کی پرچھائیاں کانپنے لگیں۔ اس نے مضطرب آواز میں پوچھا۔

"کیا ہوا زینو کو؟"

"تم نے آنے میں بہت دیر کر دی۔ زینو تمہیں دیکھنے کی تمنا لیے رخصت ہو گئی سردار!" بڑھیا کی پلکوں سے دو آنسو ٹوٹ کر گرے اور چہرے کی جھریوں میں اٹک گئے۔

موت کی جگر خراش اور رُوح فرسا خبر سُن کر سردار کے ہونٹوں سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ "زینو———!" اور وہ بگولے کی طرح کمرے کی دہلیز عبور کر گیا۔ بڑھیا بھی ہوا سے اُڑتے ہوئے پتّے کی طرح اس کے پیچھے ہی لڑکھڑاتی چلی گئی۔

مجروح کر رہی تھی اور شام کے اُترتے سُرخی مائل ملگجے اندھیرے میں یہ آواز فضا کی وسعتوں میں دور دور پھیل رہی تھی۔

سُورج کا سُرخ تھال سوار کے عقب میں پہاڑی چٹانوں کے درمیان غروب ہو رہا تھا اور اس کی آخری کرنیں اُونچی گھاٹیوں اور درختوں کی چوٹیوں پر سسک رہی تھیں۔ مغربی اُفق پر جہاں غروب ہوتے آفتاب کی سُرخیاں خونِ کبوتر کی طرح پھیل گئی تھیں، سیاہی کی بے ترتیب لکیریں بھی اُبھرنے لگی تھیں۔ جن کے حاشیے سنہری سرخیوں سے چمک رہے تھے۔

جواں سال سوار جس نے سر پر سُرخ پٹکا لپیٹ رکھا تھا اور کھُلی آستینوں والے فرغل نما کُرتے پر قرمزی رنگ کی صدری پہنی تھی، چند پہاڑی موڑ کاٹ کر اچانک اس وادی میں نمودار ہُوا جو پہاڑ کے دامن میں پیچ و خم کھاتی ندی تک پھیلی تھی۔ اس وادی میں اُونچے نیچے ٹیلوں، ببول کی جھاڑیوں اور ٹنڈ منڈ درختوں کے درمیان ایک شکستہ عمارت کے کھنڈر بھی نظر آ رہے تھے جن کی ٹوٹی پھوٹی چھتوں سے محروم دیواریں مُرورِ ایّام اور بے مہریٔ زمانہ کی عبرت ناک کہانیاں سُنا رہی تھیں۔ شکستہ مدوّر ستون جن میں بعض نصف تک گر چکے تھے اور بعض کا صرف نشان باقی تھا بزبانِ خاموشی اپنے بنانے والوں کی عظمت و حشمت کا پتہ بتا رہے تھے۔ چند ایک نیم ریختہ محرابیں ابھی تک سلامت تھیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا' یہ تباہ حال کھنڈر ماضی میں یقیناً کسی مغل سردار کی حویلی یا پہاڑی آرام گاہ رہی ہو گی کیوں کہ ٹوٹی پھُوٹی عمارت اس حال میں بھی مغلیہ طرزِ تعمیر کی غمازی کر رہی تھی۔

ڈوبتے دِن کے فرار ہوتے اُجالے شاید اس کھنڈر سے جلد بھاگ جانا چاہتے تھے کیوں کہ شام کی تاریکی نے اس کے شکستہ در و دیوار پر اپنے پَر پھیلا دیئے تھے۔ پہاڑی گھاٹیوں کے تاریک سایوں نے پُوری وادی کو ڈھانپ لیا تھا اور شکستہ عمارت بھی ان سرمئی اندھیروں میں ایک سایہ بن کر رہ گئی تھی۔

سوار کا رُخ اسی کھنڈر کی جانب تھا۔

کوئی نصف فرلانگ اِدھر اس نے پوری قوت سے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ پسلینہ میں شرابور مرکب اپنے مالک کا اشارہ پا کر فوراً رُک گیا پھر سوار کی حیرت پاش نظریں تیزی سے شمالی نشیب میں دوڑ گئیں ——— اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

کہا تھا۔ یہ بچّہ میری امانت ہے۔ اگر اسے کوئی دُکھ پہنچا۔ اگر سردار اس کی حفاظت نہ کر سکا اگر اسے باپ کی شفقت نہ مل سکی تو میری رُوح دُوسری دُنیا میں بھی تڑپتی اور فریاد کرتی رہے گی"۔

سردار آہستہ آہستہ کپڑے کے پالنے کی طرف بڑھا جو ایک گوشہ میں جھول رہا تھا اس نے بچّے کو اُٹھایا اور شفقتِ پدری کے جوش میں سینے سے لگا لیا۔

"میرا بچّہ ——— میرا شہزادہ ——— میں اسے چھاتی سے لگا کے رکھوں گا۔ گرم لُو کا جھونکا بھی اسے چھو نہ سکے گا"۔

بچّہ ٹک ٹک باپ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک بڑھیا کا ذہن بہک گیا۔ وہ معصوم بچّے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بعض بچّے ماں باپ پر بھاری ہوتے ہیں سردار!"

"ایسا نہ کہو رابی! ایسا نہ کہو ——— یہ میری زینو کی آخری امانت ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ میں اسے باپ کی شفقت بھی دوں گا، ماں کا پیار بھی"۔

"مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی"۔ بڑھیا سردار سے مخاطب ہوئی۔

"ایسی نازک حالت میں تم نے زینو کو اس ویرانے میں کیوں بھیج دیا تھا۔ خانہ بدوشوں کے بچّے ہمیشہ اپنے ڈیرے پر جنم لیتے ہیں پھر زینو ......"

سردار نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نہیں سمجھ سکو گی میں نے کسی کو قول دیا تھا میرا بچّہ چاند نگر کے اسی ویرانے میں جنم لے گا"۔

بچّے کو چھاتی سے لگائے سردار کسی فکر میں ڈوب گیا۔ بڑھیا حیرت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "کس کو قول دیا تھا؟"

"اپنی تقدیر کو ...... لیکن سردار جگو بازی ہار گیا"۔

یک لخت وہ تیزی سے بڑھیا کی طرف گھوما۔

"لیکن تم کسی سے اس کا ذکر نہیں کرو گی۔ کل دوپہر تک ڈیرے کے سب لوگ یہاں پہنچ جائیں گے۔ ہم چند روز چاند نگر کے اسی ویرانے میں قیام کریں گے پھر اپنا ڈیرہ اُٹھالیں گے"۔

کمرے کے اندر طاقچہ میں مٹی کا دِیا ٹمٹما رہا تھا جس کی ہلکی ہلکی زرد روشنی مدھم سا اُجالا کر رہی تھی ۔ اس اُجالے میں مشرقی دیوار کے ساتھ ایک کھاٹ بچھی تھی ۔ جس پہ کوئی چادر اوڑھے لیٹا تھا ۔ سردار نے آتے ہی اس کے مُنہ سے چادر کا پلو سرکا دیا اور دیوانہ وار اُس سے لپٹ گیا ۔

یہ ایک خوب صورت اور جوان خانہ بدوش عورت کی لاش تھی ۔ جس کے زرد چہرے پہ ابدی سکون طاری تھا ۔ گھنی بند پلکوں اور اُبھرے ہوئے خمدار پپوٹوں سے یہ قیاس لگانا مشکل نہ تھا کہ مرنے والی کی آنکھیں غیر معمولی حسین ہوں گی ۔ ہونٹ سیپی کی طرح بند تھے مگر نچلا ہونٹ سنگترے کی قاش کی مانند قوس نما اور کسی قدر موٹا بھی تھا جس سے ہونٹوں کی خوب صورتی میں اضافہ ہو رہا تھا ۔ اسی ہونٹ کے بائیں گوشے کے نیچے ایک سیاہ تِل تھا ۔

سردار چیخ رہا تھا ۔ " زینو ! تم نے میرا انتظار کیا ہوتا ــــــ مجھ سے ملے بغیر چلی گئیں ۔ کیوں چلی گئیں تم ــــــ کیوں انتظار نہ کیا تم نے "۔

بڑھیا نے آگے بڑھ کر زینو کے مُنہ پر پھر کپڑا ڈال دیا اور گلوگیر آواز میں بولی ۔

" زینو نے بہت انتظار کیا سردار ! وہ بہت تڑپی ، بہت چلّائی ۔ کہتی تھی کاش میں صرف ایک بار سردار جگو کو دیکھ سکوں مگر تمہارے آنے سے پہلے اس کے جانے کا وقت آ گیا "۔

" میں تو آندھی کی طرح اُڑتا آیا ہوں رابی ! ڈرتا تھا کہیں گھوڑے کا دم نہ ٹوٹ جائے "۔

" دم تو جس کا ٹوٹنا تھا ٹوٹ گیا "۔

بڑھیا نے نمناک آنکھوں سے سردار کی طرف دیکھا پھر کراہتے ہوئے کہنے لگی ۔

" مرنے سے پہلے زینو نے ایک وصیت کی تھی "۔

سردار جگو تیزی سے بڑھیا کی طرف گھوم گیا ۔

" کیا وصیّت کی تھی میری زینو نے ؟ "

" کہتی تھی ، سردار میرے بچّے کی حفاظت کریں ــــــ "

" بچّہ ــــــ " سردار کے ہونٹ لرزے ۔

بڑھیا نے ایک کونے میں لٹکتے ہوئے پالنے کی طرف انگلی اُٹھا دی جس میں ایک نوزائیدہ بچّہ لیٹا بڑے انہماک سے انگوٹھا چوس رہا تھا ۔ پھر بولی " سردار ! زینو نے

دیئے بغیر چپ چاپ یوں گزر گئی جیسے وہ بھی کوئی ہوا کا جھونکا ہی تھی۔ اس رویّہ پر ادھیڑ عمر محافظ نے جس کے چہرے پر گلہری کی دُم کی طرح گچھے دار مونچھیں تھیں۔ دونوں شانے کچھ اس طرح سکیڑ لیے جیسے کہہ رہا ہو۔

"واہ ری تیرا نخرہ ——— بات بھی ناہیں کرے ہے"۔

ابھی وہ پھاٹک کے ہوڑے میں زنجیر چڑھا کر مڑا ہی تھا کہ اس کے ساتھی نے جو قد و قامت میں اس سے مضبوط اور عمر میں دس بارہ سال ہلکا نظر آرہا تھا معنی خیز انداز میں پوچھ لیا۔

"کیوں سکور کاکا! یو مرجینا اس سمے کِدھر کو جات رئی؟"

"کا کھبر حیدری بھائی! ہمار سے تو بات بھی نہ کرے"۔

شکور کاکا نے ایک مرتبہ پھر اپنے شانے سکیڑ لیے اور مونچھوں کے نیچے مسکراتے ہوئے بولا۔" ملکہ بیگم کی کھاس کنیج ہووے ہے بھیّا! بڑا اونچا مجاکھ رکھے۔ ہمار تمہار بھلے کس سمار میں ہوویں"۔

"یو تو ہیسی سکور کاکا!" حیدری نے تشویش انگیز لہجے میں کہا۔" پر اس سمے اکیلی کِدھر کو جاوے۔ دیکھیو ناہیں کس گجب کا اندھیرا ہے گبھرو جوان کا کالجا بھی دہل جات ہے"۔

"تیرو کالجا کاہے کو گھبرائے بھیّا! وہ بھی تو چاند نگر کی سیرنی ہووے"۔

"تو سکار کرنے جاوے ہے"۔

"کا کھبر سکار کرنے جاوے کہ سکار ہونے جاوے"۔

"جرور کوئی بات ہے سکور کاکا!"

دونوں پہرے دار مشعل کی لرزتی ہوئی روشنی میں "جروری بات" کا کھوج لگانے کے لیے گہری سوچ میں کھو گئے۔ مرجینا ملکہ بیگم کے محل کی خاص کنیز تھی۔ کنیز کیا تھی "بیگم محل" پر اسی کا حکم چلتا تھا۔ کسی نوکر، غلام، چوکیدار، کنیز، خادمہ کو اس کے سامنے دم مارنے جرأت نہ تھی۔ ایک تو ملکہ بیگم کی رازدار کنیز، دوسرے حسین اور جوان۔ صورت میں کشش۔ بات میں رس، لہجے میں جوانی کا کس بَل۔ نواب صاحب بھی بات کرتے تو چبا چبا کر۔ پھر اور کس کی مجال تھی کہ آنکھ اٹھا سکے۔ مرجینا کی جوانی اور محل سرا کے اختیارات نے تو وزیر سلطنت جعفر کے سینے میں بھی ہلچل مچا رکھی تھی لیکن اتنی ہمّت اس میں بھی کہاں تھی کہ اس کانٹے کی چبھن نکال پھینکے۔

بڑھیا کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت امڈ آئی ۔ دیئے کی تھرتھراتی مدھم زرد روشنی میں اس کے چہرے کی جھریاں کچھ اور گہری ہو گئی تھیں ۔ سردار کی نگاہیں اپنے بچے کے عارضوں پر مرتکز تھیں جن پہ مدھم سی روشنی کے سائے تھرتھرا رہے تھے ۔ پیشانی غیر معمولی طور پہ چمک رہی تھی ۔

دسمبر کی اس سرد اور اُداس شام کی سیاہیوں میں وہ لوگ اس شکستہ اور قدیم الایّام عمارت میں الف لیلہ کے افسانوی کردار ہی معلوم ہو رہے تھے ۔

چاند نگر کی محل سرا رات کے سرد اندھیروں میں ملفوف سیاہ عمودی چٹانوں کی طرح خاموش کھڑی تھی ۔ سرِ شام ہی مغرب کی طرف سے بادلوں کے جو ٹکڑے اُبھرے تھے وہ آہستہ آہستہ بڑھتے، پھیلتے باقاعدہ کالی گھٹا کا روپ اختیار کر گئے تھے ۔ ہوا کے خنک اور سرد جھونکوں کی رفتار بھی تیز ہو چکی تھی ۔ جن سے اونچے اونچے درختوں کی شاخیں دوہری ہوتی جاتیں اور پتّے ارواحِ خبیثہ کی طرح تالیاں بجا رہے تھے ۔ جن کی بھیانک ڈراؤنی آوازیں اس تاریک رات کی وحشت اور دہشت میں اضافہ کر رہی تھیں ۔

آسمان پر بادل کی گرج اور کوندوں کی لپک دلوں پر ہول ساطاری کر رہی تھی مغربی ہوائیں جب جھاڑیوں سے سرسراتی ہوئی گذرتیں تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ویرانوں کے کالے ناگ پھنکار رہے ہوں ۔

دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں نے سارا آسمان ڈھانپ لیا اور چاند نگر پر گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا گئے ۔ ان وحشت انگیز اندھیروں میں محل سرا کا عظیم چوبی پھاٹک جس کے بھاری تختوں پر فولاد کی دو دو انچ چوڑی پتریاں اور موٹی ٹوپی والی پیتل کی میخیں جڑی تھیں ، ـــــــ "چرّرر .... چوں .... اوں ...." کی بھاری آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ کھُلا ، محل سرا کی ایک جواں سال کنیز . سیاہ اونی لبادے میں لپٹی لپٹائی بائیں ہاتھ میں لالٹین لٹکائے دروازہ سے باہر نکلی اور تیز تیز قدم اُٹھاتی سڑک پر ہو لی جو گھنے باغ کی طرف چلی گئی تھی ۔

پھاٹک کے دونوں بھیل پہرے داروں نے اسے بڑے تعجب سے دیکھا اور یہ پوچھنے کی کوشش کی تھی کہ اس تاریک اور بھیانک رات کو وہ کہاں جا رہی ہے لیکن کنیز کوئی جواب

پچاس برس کے ہوگیو پر ابھی تلک کوئی لڑکا بالا نہ ہویو۔"

"یہ تو کھُدا کی دین ہوئے حیدری بھائی!"

"ہاں دین تو کھُدا کی ہووے پر اس بار اگر ملکہ بیگم کے لڑکا نہ ہووے تو جانو کِسی روج اپنے چاند نگر پر بھی انگریج کبجہ کر لیئو گا۔"

دونوں چوکیدار باتیں کرتے اس چوبی تخت پر بیٹھ گئے جو دروازے کی ڈیوڑھی میں دیوار کے ساتھ بچھا تھا۔ ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھا، وہ اُمید و بیم کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ باہر ہواؤں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ بجلی بار بار چمکتی تھی ——— کیا اس طوفانی رات میں چاند نگر کے نواب کی قسمت کا ستارہ چمکنے والا تھا؟

اندھیروں کا طوفان بَلا خیز تھا۔ بادلوں کی گرج، کوندے کی لپک اور پُھنکارتی، چنگھاڑتی وحشی ہواؤں کے شور سے زمین کی چھاتی دہل رہی تھی۔

درخت دوہرے ہوئے جا رہے تھے شاخیں تیز جھونکوں سے تپ لرزہ کے مریض کی طرح کانپ رہی تھیں۔ ہوائیں کبھی آہیں بھرتی، کبھی سمندر کی بپھری موجوں کی مانند شُوکتی، کبھی سیٹیاں بجاتی پھرتی تھیں۔ اس قیامت آفریں سیل برق و باد میں کائنات کی ہر چیز اندھیرے میں ڈوب چکی تھی۔ جھومتے، لہراتے اور طرارے بھرتے درخت تاریکی میں یوں نظر آتے تھے جیسے غول بیابانی وحشیانہ رقص کر رہا ہو لیکن ان چیختے چلّاتے، پھنکارتے چنگھاڑتے اور سیٹیاں بجاتے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشنی کا ایک ننھا سا ہالہ کانپتا اور جھلملاتا ہوا شہر سے نکل کر اُس ویرانے کی طرف رینگ رہا تھا جو نیلم ندی کے شمالی کنارے سے شروع ہو کر کوہستانی دروں اور اونچی نیچی پہاڑیوں تک پھیلا تھا۔

تاریک فضا کے سینے پر چمکتی گیند کی طرح تیرتا یہ شعلۂ فروزاں کیسا تھا؟

گھٹا ٹوپ اندھیروں کے دامن میں روشنی کا یہ کپکپاتا اور تھرتھراتا ہالہ کیا تھا؟

ویرانوں کی طرف لپکتی اور ستارے کی مانند چمکتی یہ روشن لکیر کیسی تھی؟

یہ ایک لالٹین تھی جو تھوڑی دیر پہلے چاند نگر کی محل سرا سے باہر آئی تھی

یہ شعلۂ فروزاں خود "بیگم محل" کی کنیز خاص مرجینا تھی لیکن اندھیروں کے سیلاب اور برق و باد کے اس طوفان میں محل سرا سے نکل کر اس نے ویرانوں کا رُخ کیوں

ایسی کنیز کا طوفانی رات میں یکّہ و تنہا محل سرا سے نکلنا اور کچھ بتائے بغیر باہر جانا خالی از علت نہ ہو سکتا تھا۔ اچانک شکور کاکا نے چٹکی بجائی اور معنی خیز نظروں سے حیدری کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"حیدری بھیّا! ایک بات سمجھ میں آرئی ——— ملکہ بیگم کی طبیعت کل سے کھراب ہووے ——— ناہیں سمجھت؟"

"ناہیں کاکا! کچھ کہیو تو سمجھ لیت۔"

شکور کاکا نے آنکھ دبائی اور زیر لب مسکراتا ہوا بولا۔ "ارے سمجھو بچے داری کا معاملہ ہووے۔"

"ہوں ——— تو یُو کھبر ہے"۔ حیدری نے "ہوں" کو کھینچ تان کر حلق سے نکالا۔

"اور کا ——— لوگ کہت ہیں۔ اب کی ملکہ بیگم کے ہاں لڑکا ای ہووے ہے، پر کسے کھبر بھیتر ہیں کا ہے ——— مَیں تو کہوں کھُدا چاند نگر کو ولی عہد دیوے۔"

شکور کاکا ہولے ہولے دروازے کی محراب میں چلتا اس دیوار کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ جہاں طاقچے میں ایک بڑی مشعل فروزاں تھی۔ اس کی لرزتی شعاعوں میں پہرے دار جھک گیا۔ جس کے چہرے پر کسی نادیدنی غم نے اپنے سائے بکھیر دیئے تھے۔ وہ غم زدہ لہجے میں کہنے لگا۔

"حیدری بھیّا ——— اگر ولی عہد نہ ہووے تو کا انگریجی سرکار ریاست پہ کبجہ (قبضہ) کر لیوے ہے؟"

"اور کا ——— انگریجوں نے کئی ریاستیں اسی طرح کبجہ میں کی ہیں انگریجی سرکار کہت ہے۔ اگر حکومت کا وارث جنم ناہیں لیوے تو اوس کھانوادے کی حکومت کھتم اور انگریج کا راج سُروع۔"

"پہ یو تو جبر دستی کا راج ہوئے"۔ شکور کاکا کے چہرے کی لکیریں کچھ اور گہری ہو گئیں۔

"سکور کاکا ——— ! جبردست کا چھ بیس کا سو ہووے۔ جور دار مارے بھی اور پانی بھی نہ پوچھے ——— بس چاند نگر کا بھی یو معاملہ ہووے۔ تم جانو ہمار نواب

چاند نگر کی آزادی کا چراغ گُل ہو جائے ؟ ریاست پر انگریزی فوجیں قبضہ کرلیں۔ ہمیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے ؟"

"نہیں ــــــ میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا مگر مجھے بھی تو اپنے گھر کی روشنی چاہیئے۔"

مرجینا کی آنکھیں ہیرے کی کنیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ تیز آواز میں بولی "تم نے کہا تھا، میں اپنے گھر کی روشنی لٹا کر بھی آزادی کی شمع روشن رکھوں گا۔

سردار جگو! مت بھولو۔ تم ان پانچ آدمیوں میں سے ایک ہو جنہوں نے ریاست کی آزادی کے لیے مقدس حلف اٹھائے اور ملکہ بیگم کو یقین دلایا تھا کہ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی چاند نگر کی آزادی کیلئے بہادو گے کیا تم نے وہ تمام وعدے فراموش کر دیئے ؟"

"نہیں ــــــ مجھے وعدے بھی یاد ہیں اور ریاست کی آزادی بھی عزیز ہے"۔

"تو پھر انکار کیسا ؟"

مرجینا نے سیاہ لبادے سے ایک ننھی سی گٹھڑی نکالی اور سردار جگو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔" اس بچّی کو اپنی بیٹی بنالو اور اپنا بیٹا ملکہ بیگم کو سونپ دو۔ چاند نگر کو ولی عہد مل جائے گا اور ہم سب کو آزادی"۔

سردار کسی گہری فکر میں ڈوب گیا۔ شاید اس کے ذہن میں حکومت کی مصلحت اور باپ کی شفقت کے درمیان کش مکش جاری تھی اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا، کہ آزادی پر شفقتِ پدری کو قربان کر دے یا باپ کی شفقت پر حکومت کی مصلحت کو بھینٹ چڑھا دے۔

چاند نگر کا مسئلہ کچھ ایسا ہی پیچیدہ تھا۔ نواب فرخ جس کے آباو اجداد نے ہمیشہ تلواروں سے اپنی آزادی کی حفاظت کی اور کسی حملہ آور کو چاند نگر کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا تھا۔ آج اپنی وہ طاقت کھو چکا تھا جس پر کسی قوم، کسی ریاست، کسی حکمران کو فخر ہو سکتا ہے۔

نواب فرّخ ہی کیا اٹھارہویں صدی عیسوی کا آغاز ہی ہندوستان کے حق میں

کر لیا تھا۔

اس بلا خیز رات میں وہ شہر سے اتنی دُور کیا لینے آئی تھی؟

سیاہ چادر میں ملفوف وہ خود بھی ایک سیاہ دھبہ بن کر رہ گئی تھی جس کے حاشیے پر لالٹین کی روشنی کا عکس سنہری گوٹ کی طرح تھرتھرا رہا تھا۔ بے خوف و خطر چلتی وہ نیلم ندی کے اُونچے پُل پہ پہنچی۔ طوفان بدستور جاری تھا۔ وہ پُل سے اُتری اور لالٹین کی زرد روشنی میں تیز تیز قدم اُٹھاتی ویرانے کی طرف بڑھنے لگی۔

سردار جگو نے مشعل دیوار کے طاقچے میں رکھی اور بڑی آہستگی سے مُڑا۔ چاند نگر کی مرجینا اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ لالٹین جو تھوڑی دیر پہلے اندھیری فضا میں روشنی کی لکیر کی طرح جھلملاتی رہی تھی اس وقت ایک کونے میں رکھی تھی۔ یہ شکستہ عمارت کا وہی کمرہ تھا جہاں سردار جگو نے اپنی بیوی کی لاش دیکھی تھی، اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا تھا۔ بڑھیا اس وقت موجود نہ تھی ——— روشنی کی شعاعیں دونوں کے چہروں پر مختلف عبارتیں پڑھ رہی تھیں۔

جگو مڑا، دو قدم چلا، پھر رُک گیا۔ اس کے چہرے پہ افسردگی کی جھلک اور لہجے میں مایوسی کی چمک تھی "تو ملکہ بیگم کے ہاں بچی پیدا ہوئی؟"

"ہاں سردار! مرجینا اُمید افزا نگاہوں سے خانہ بدوش کو دیکھنے لگی "اور انہوں نے کہا ہے۔ اب سردار کو اپنا قول پورا کرنا چاہیئے ...."

"مرجینا! تقدیر نے میرا گھر لوٹ لیا۔ حالات بدل گئے۔ ملکہ بیگم کے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے لیکن انہوں نے جو چیز طلب کی ہے وہ جان سے زیادہ قیمتی ہے"۔

"سردار! مَیں نے سنا تھا، خانہ بدوش جان کی بازی ہارتے ہیں اپنا قول نہیں ہارتے۔"

"مرجینا ———!"

جگو بلند آواز سے چیخا جیسے مرجینا نے اس کی دُکھتی رگ چھیڑ دی ہو مگر وہ اس کی بات سُنی اَن سُنی کر کے کہتی رہی ———

"اگر چاند نگر کو ولی عہد نہ مل سکا تو ریاست کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی سردار! تم نے اپنے خون سے آزادی کی جوت قائم رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا تم چاہتے ہو

جاتے۔ کسی پڑوسی حملہ آور کے خطرے کی دہشت پھیلا کر ریاست میں انگریزی فوج اہم مقامات پر تعینات کر دی جاتی پھر اس کا قیام مستقل ہونے لگتا۔ حکمران خرچ کی ادائیگی سے معذوری ظاہر کرتا تو اُسے ترغیب دی جاتی کہ وہ دیسی فوج کو نکال کر جو "بیکار" اور قواعدِ جنگ سے "عاری" ہے انگریزی سپاہ کو اپنی حفاظت کے لیے ملازم رکھے وہ انکار کرتا تو ریاست میں داخلی بغاوت کے اسباب پیدا کیئے جاتے، حکمران پر بدنظمی، نااہلی اور انگریز دشمنی کا الزام لگا کر انگریزی فوجیں حکومت پر قبضہ کر لیتی تھیں۔

ہندوستان کی اکثر ریاستوں کی آزادی اسی طرح چھینی گئی ——

چاند نگر کوئی بہت بڑی ریاست تو نہ تھی لیکن صدیوں سے آزاد و خودمختار چلی آتی تھی اور نواب فرخ کے آبا و اجداد تلوار سے نہیں بلکہ اپنے خون سے اس کی حفاظت کرتے آئے تھے۔ اردگرد کے علاقوں اور ہمسایہ ریاستوں میں وہ آزادی اور قوت کا ایک نشان سمجھی جاتی تھی لیکن اٹھارہویں صدی ہندوستان میں انگریزوں کی صدی تھی۔ ادھر قسمت بھی نواب فرخ کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ تھی۔ وہ اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ ملکہ بیگم سے صرف دو لڑکیاں ہوئی اور وہ بھی پنگوڑے ہی میں داغِ مفارقت دے گئی تھیں نواب فرخ کو لڑکے کی تمنا تھی مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ بچارا خود کے سال اور زندہ رہ سکتا تھا؛ ظاہر ہے اس کی وفات کے ساتھ ہی چاند نگر کی سرزمین سے اس کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور سرکارِ انگلشیہ حسبِ دستور ریاست پر قبضہ کر لے گی۔

نواب فرخ کی رگوں میں ان سورماؤں کا لہو دوڑ رہا تھا جنھوں نے کسی کے آگے جھکنا تو درکنار، لچکنا بھی نہ سیکھا تھا۔ اب وہ انگریز کے سامنے کس طرح ہتھیار ڈال دے۔ حقیقت یہ تھی وہ انگریز سے نفرت بھی کرتا تھا اور مقابلے کی ہمت بھی نہیں رکھتا تھا۔ انگریز اب رہی سہی ریاستوں پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا —— چاند نگر کا نام اس فہرست میں سب سے اوپر تھا۔ اگرچہ گورنر جنرل نے اس "جن" کو بوتل میں بند کر دینے کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ بہتیری چالیں چلیں لیکن تجربہ کار نواب نے ہر کوشش کو ناکام بنا دیا اور ہر چال کا توڑ سوچا پھر بھی ریاست میں انگریز ریذیڈنٹ کا تقرر عمل میں آ چکا تھا اور نواب کو وزیر بھی کمپنی سرکار کی مرضی کا رکھنا پڑا تھا —— جعفر —— ایک ایسا ہی آدمی تھا جسے چاند نگر کے مستقبل سے اپنا مستقبل زیادہ عزیز تھا۔

بڑا منحوس اور تباہ کن ثابت ہوا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کا چولا اتار چکی تھی اور کلکتہ سے نکل کر اس نے جنوبی اور وسطی ہند کی بے شمار ریاستوں کو نہ صرف اپنا باجگزار بنا لیا بلکہ دولتِ انگلشیہ کی باقاعدہ داغ بیل ڈالی دی تھی۔ ہندوستان کے حریت پسند جنہوں نے انگریز کو اپنے وطن کی سرزمین سے نکالنے کی کوشش کی جنگِ آزادی میں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔

ہندوستان میں انگریز نے ہیئت حاکمہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اکثر والیانِ ریاست فوجی اور سیاسی معاہدوں کی وجہ سے انگریز کے دامِ حکومت کا شکار تھے۔ ان کی ریاستوں کی نگرانی بھی انگریز ریذیڈنٹ کرتے تھے جو تھوڑے عرصہ میں اپنی ریشہ دوانیوں سے سیاہ و سفید کے مالک بن جاتے۔ والیٔ حکومت کو یا تو عیش و عشرت میں ڈال دیا جاتا یا اس کے عزیزوں کی اس رنگ میں سرپرستی کی جاتی کہ وہ خم ٹھونک کر سامنے آ جاتے اور اپنے حقوق و اختیارات حاصل کرنے کے لیے طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کرتے۔ جب جھگڑا بڑھ جاتا سرکار انگلشیہ ثالث بن کر نمودار ہوتی اور فریقین کو وظیفے دے کر ریاست کا نظم و نسق خود سنبھال لیتی تھی۔

جہاں یہ حربہ کارگر نہ ہوتا وہاں حکمران کو خفیہ طور سے ہلاک کر دیا جاتا۔ کچھ عرصہ کے لیے کسی کٹ پتلی حکمران سے کام چلایا جاتا پھر اسے بھی معزول، برطرف یا پراسرار طریق سے ہلاک کرنے کے بعد حکومت کا اختیار انگریزی سرکار کو سونپ دیا جاتا۔

کئی ریاستیں ایسی تھیں جنہیں محض اس وجہ سے اپنی آزادی و خود مختاری سے محروم ہونا پڑا کہ مہاراجہ یا نواب اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ ان کی ولی عہدی اور جانشینی کا ”بوجھ“ سرکار انگلشیہ کو اٹھانا پڑتا تھا۔ اگر بیچاروں کے ہاں کوئی وارثِ تخت جنم بھی لیتا تو اسے ”حرامی یا“ لونڈی بچہ“ ثابت کر کے تخت و تاج سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ کئی شہزادے اور راجکمار ایسے تھے جنہیں شروع ہی سے ولایتی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی تا کہ وہ انگریز کے بندۂ بے دام بن کر رہیں لیکن جن کم بختوں کے ذہن اس کوشش کے باوجود شمع آزادی سے روشن ہو جاتے انہیں اختیاراتِ حکومت سے محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی۔ سازش کے جال پھیلائے جاتے۔

بعض ریاستوں کے غصب و نہب کے لیے فوجی کارروائی کے خاکے تیار کیے

"نہیں۔ اُنہیں چاند نگر میں ٹھہرنا ہوگا۔ اُس وقت تک جب تک چاند طلوع نہیں ہوتا۔"

مرجینا نے پھر سرگوشی کی۔

"پانچوں مرد آج رات نیلم ندی کے اُس پار کھنڈر میں آئیں گے۔ مَیں نے ملکہ بیگم کا فرمان اُنہیں سُنا دیا تھا۔"

پھر اُسی رات نیلم ندی کے پار ویران کھنڈر کے ایک نیم شکستہ کمرے میں پانچ مرد اور دو عورتیں چاند نگر کی آزادی کو سلامت رکھنے کے لیے مقدّس حلف اُٹھا رہے تھے۔ انہوں نے خنجر کی نوک سے اپنے جسم چھیدے۔ خُون نکالا اور اس خون کی قسم کھا کر اقرار کیا کہ اگر ملکہ بیگم کے ہاں لڑکا نہ ہُوا تو ان پانچوں میں سے کوئی ایک جس کے ہاں بیٹا جنم لے گا ریاست کی آزادی اور تخت و تاج کی حفاظت کے لیے اپنا لڑکا ملکہ بیگم کی گود میں دے دے گا اور اس کے عوض لڑکی لے کر اسے اپنی بیٹی ظاہر کرے گا۔ یہ حلف بھی اُٹھایا گیا تھا وہ مرتے دم تک اس راز کی حفاظت کریں گے انہیں اپنے وطن کی آزادی بہر طور عزیز تھی۔

پھر دن گزرنے لگے۔ ان پانچوں عورتوں کی حفاظت و نگرانی ہونے لگی۔ خانہ بدوشوں کا کارواں زیادہ عرصہ شہر میں پڑاؤ نہ ڈال سکتا تھا۔ سردار جگو نے ایک رات ملکہ بیگم سے "بیگم محل" میں خفیہ ملاقات کی اور یہ وعدہ کر کے لوٹ آیا کہ وہ اپنے کارواں کو لے کر جا رہا ہے لیکن وضعِ حمل کے قریب زینو کو چاند نگر کے اس ویرانے میں بھیج دے گا پھر خانہ بدوشوں نے اپنے ڈھور ڈنگر سنبھالے، گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چاند نگر سے چل دیئے۔

وقت گذرنے لگا ——— وقت گذرتا رہا۔

تقدیر شاید آزادی کے شیدائیوں کا تمسخر اڑا رہی تھی۔ پانچ عورتوں میں سے ایک چند ہی ماہ کے بعد بیمار ہو کر چل بسی۔ وہ ریاست کے دیوان دُنی چند کی بیوی تھی اور ریاست کی آزادی کے لیے دُنی چند بھی ملکہ بیگم ہی کی طرح پریشان تھا لیکن بیوی کے سورگباش ہونے کے بعد فکر و یاس میں ڈوب گیا۔ قدرت کے کاموں میں کون دخل دے سکتا تھا۔ ابھی چار عورتیں ——— چار اُمیدیں باقی تھیں لیکن ایک عورت کے ہاں سات ہی ماہ کے اندر لڑکے نے جنم لے لیا ملکہ بیگم کی اُمید دم توڑنے لگی۔ مگر تین

نواب فرخ تو خیر بیٹے کے لیے تڑپ رہا تھا لیکن ملکہ بیگم یہ سوچ کر پریشان ہو جاتی کیا واقعی چاند نگر کی تاریخ میں وہ ایک "منحوس عورت" کے نام سے یاد کی جائے گی جس کی کوکھ وارثِ تخت کو جنم نہ دے سکی ؛ آنے والی نسلیں اُسے "کالی ڈائن" کے لقب سے یاد کریں گی جس نے بچہ نہ دیا اور ان کی آزادی کو نگل گئی ؛

نہیں، وہ "منحوس عورت" نہیں کہلائے گی "کالی ڈائن" نہیں کہلائے گی۔ وہ جان دے کر بھی چاند نگر کے تخت و تاج کو بچائے گی۔ آزادی کی حفاظت کرے گی۔ نواب فرخ کا خاندان اس کے نام پر ختم نہیں ہو گا —— لیکن کیسے —— اگر خدا کو لڑکا منظور نہ ہوا تو وہ کیا کرے گی۔

چاند نگر کو چاند سے ولی عہد کی ضرورت تھی۔

ہو سکتا ہے اس مرتبہ پھر لڑکی ہو وہ چاند نگر کے لیے چاند کہاں سے لائے ؛

ساری مملکت کی نگاہیں ملکہ بیگم پر لگی تھیں۔ مسجدوں۔ مندروں اور شوالوں میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ پوجا کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ سنکھ پھونکے جا رہے تھے۔ مولوی پنڈت۔ پروہت صرف ایک ہی چیز کے طالب تھے —— "مالک! چاند نگر کے اُفق پر چاند طلوع ہو"۔

چند ماہ پہلے ایک ایسی ہی تاریک اور بھیانک رات نے کائنات کو گھیر لیا تھا۔ محل سرا میں کنیزیں بھی اپنے حجروں میں جا چکی تھیں لیکن ملکہ بیگم اپنے قصر میں بڑی بیتابی اور بے قراری کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔ اس نے اپنی وفادار کنیز مرجینا کو بلایا اور پوچھا "مرجینا! تو کیا خبر لائی ؛"

کنیز نے اس قدر مدھم لہجے میں کہ دیوار بھی نہ سُن پائے سرگوشی کی "ملکہ حضور! چاند نگر میں صرف چار عورتیں ایسی ہیں جنہیں اسی چاند کی پہلی تاریخوں میں اُمیدواری ہونی ہے"۔

"چار عورتیں .... ؛"

"ایک اور بھی ہے —— پانچویں —— وہ ایک خانہ بدوش عورت ہے، سردار جگو کی بیوی مگر خانہ بدوشوں کا کیا بھروسہ، آج یہاں، کل وہاں۔ اُن کے پڑاؤ بدلتے رہتے ہیں"۔

بیٹا جو شہزادہ کہلائے گا، ولی عہد بنے گا۔ چاند نگر کے تخت و تاج کا وارث ہو گا جس کا مبارک وجود ہمیں غلامی کے منحوس اندھیروں سے نکال کر لے جائے گا۔ وہ چاند جو تمہارے گھر میں طلوع ہوا ہے ملکہ بیگم کو سونپ دو۔ چاند نگر کے در و دیوار اس کی روشنی سے منوّر ہو جائیں گے۔ لاکھوں گھروں میں اُجالا پھیل جائے گا.......“

”مگر یہ ایک انہونی سی بات ہے کہ خانہ بدوش کا بیٹا تخت و تاج کا وارث بن جائے۔“

”مَیں نے گڈریوں کے بیٹوں کو ملکوں کی تقدیر بدلتے ہوئے سُنا ہے۔ تاریخ میں سینکڑوں شہنشاہ ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کے باپ لوہار، بڑھئی، لکڑ ہارے یا گڈریئے تھے۔“

”لیکن ——— یہ بھی سوچو اگر کبھی ملکہ بیگم کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا تو اصل وارث تخت کے سامنے میرے بیٹے کی کیا حیثیت ہو گی؟“

”مَیں تمہیں قول دیتی ہوں، تمہارے بیٹے کے حقوق و اختیارات قائم رہیں گے۔ ولی عہد وہی ہو گا۔ تخت و تاج اسی کو ملیں گے۔“

پھر مرجینا نے اُنگلی اُٹھائی اور پُرجوش آواز میں کہنے لگی۔

”سردار! مت بھولو، یہ راز ہمارے ساتھ قبروں میں دفن ہو گا کہ ولی عہد کی اصل حقیقت کیا ہے ——— وہ نواب فرخ کا فرزندِ اوّل ہونے کی وجہ سے ولی عہد کہلائے گا اور تخت و تاج کا وارث ہو گا۔ بس یہی کافی ہے۔ نواب فرخ کے خاندان سے کہیں زیادہ اس وقت چاند نگر کی آزادی اور خود مختاری کا سوال ہمارے سامنے ہے۔ ملکہ بیگم کو اپنی اولاد سے ہماری آزادی زیادہ عزیز ہے۔“

سردار جگو نے بڑے فیصلہ کن انداز میں جھولتے ہوئے پالنے کی طرف اشارہ کیا۔

”مرجینا ——— ! ملکہ بیگم کی امانت وہ رکھی ہے۔ یہ بچّی میری گود میں ڈال دو اور چاند نگر کی امانت اُٹھا لو۔“

فرطِ مُسرت سے مرجینا کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اس نے ننھی شہزادی کو جو ابھی تک مشعل کی لڑکھڑاتی لَو پہ نظریں جمائے ہمک رہی تھی۔ بڑی حسرت و یاس کے ساتھ سردار جگو کے بازوؤں میں ڈال دیا اور کپڑے کے پالنے کی طرف مڑی....... خانہ بدوش کا بیٹا چُپ

عدد تین باقی تھیں۔ شومئی قسمت، دو کے ہاں ایک روز قبل لڑکیاں پیدا ہوئیں اور آزادی کی تمنائیں یاس کے اندھیروں میں دم توڑنے لگیں۔ ملکہ بیگم کی حالت غیر ہو رہی تھی اور کسی غلام، نوکر، کنیز اور خادمہ کو "بیگم محل" کی طرف جانے کی اجازت نہ تھی اچانک مرجینا خبر لائی، سردار جگو کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے مگر زینو زندہ نہیں بچی۔

اسی رات ملکہ بیگم کے ہاں بچی نے جنم لیا تھا۔

پھر مرجینا نے محل سرا سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی۔ ہولناک اندھیرے اور برق و باد کا وحشی طوفان بھی اس کا رستہ نہ روک سکا۔ رات کی بھیانک تاریکیوں کو چیرتی وہ نیلم ندی عبور کر کے کھنڈر میں پہنچی۔ اس کی جھولی میں ایک گٹھڑی تھی۔

اور وہ گٹھڑی سردار جگو کے سامنے کھلی پڑی تھی۔

دو ننھے ننھے ہاتھ سردار کی طرف ہمک رہے تھے معصوم آنکھیں حیرت اور شوق سے مشعل کی زرد لو پہ جمی تھیں اور تھرتھراتی روشنی ننھی بدقسمت شہزادی کے سرخ و سفید چہرے پہ مستقبل کی تاریک پرچھائیاں ڈال رہی تھی۔

سردار جگو شش و پنج میں مبتلا تھا۔ اس نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ ایک طرف زینو کی وصیت تھی، دوسری طرف ریاست کا تخت و تاج تھا۔ چاند نگر کی آزادی تھی۔ ملکہ بیگم کی مظلومیت تھی، وہ مقدس عہد تھا جو اسی کھنڈر اور اسی کمرے میں کیا گیا تھا۔ بیٹا تو کیا وطن کی آزادی کے لیے اس نے اپنی جان تک قربان کر دینے کا اقرار کیا تھا۔

چند لمحے اسی پُراسرار، بھیانک اور روح فرسا خاموشی میں گذر گئے۔ دونوں خاموش کھڑے تھے۔ مرجینا اور سردار جگو۔ ان کے دل دھڑک رہے تھے۔ وہ مستقبل کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اچانک مرجینا کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"سردار جگو ——— ! تمہارے ہونٹوں کی صرف ایک جنبش ہماری تقدیر کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ آزادی کی جوت جلانے کے لیے عورتیں اپنے بیٹوں اور باپ اپنے جگر گوشوں کو جنگ کی آگ میں جھونک دیتے ہیں۔ بہادر اپنے چہروں پہ اولاد کا خون مل کر وطن کی حفاظت کرتے ہیں لیکن تمہیں تو صرف اپنے بیٹے سے جدا ہونا پڑے گا۔ وہ

"مگر تمہیں اب بھول جانا چاہیے کہ تم اس بچے کے باپ ہو ـــــ آج سے یہ نواب فرخ کا بیٹا ہے ـــــ چاند نگر کا ولی عہد ـــــ آزادی کا راج دلارا !"

یہ کہہ کر کنیز نے "شہزادے" کو گٹھڑی میں لپیٹا، چھاتی سے لگایا اوپر سیاہ لبادہ اوڑھ لیا اور لالٹین اُٹھا کر تیزی کے ساتھ کھنڈر سے نکل گئی - باہر تیز ہوائیں پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہی تھیں - اندھیروں کا بھیانک سائبان چاروں کھونٹ کالی چادروں کی طرح تن گیا تھا اور ان اندھیروں میں کبھی کبھار کوندے کی لپک ایک ساعت کے لیے چمک کر غائب ہو جاتی تھی -

سردار جگو ننھی شہزادی کو گود میں اٹھائے دروازے پر کھڑا مرجینا کو اندھیروں میں تحلیل ہوتے دیکھ رہا تھا -

چاند نگر کا بوڑھا نواب فرخ جسے اولادِ نرینہ کے صدمہ نے قبل از وقت ہی بوڑھا کر دیا تھا اپنے آراستہ و پیراستہ، وسیع و عریض دیوان خانہ میں بڑی بے قراری کے ساتھ ٹہل رہا تھا - اس کے سر کے بال سفید ہو چکے تھے - آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ راتوں کو بڑی دیر تک جاگنے کا عادی بن چکا ہے -

دیوان خانہ جس کا فرش سنگ مرمر کی سیاہ و سفید چوکور ٹائلوں سے سجایا گیا تھا - قندیلوں کی روشنی میں شیشے کی مانند چمک رہا تھا - یہ کمرہ جو کم و بیش چالیس فٹ لمبا اور تیس فٹ چوڑا تھا، در اصل دو حصّوں میں منقسم تھا - ایک حصّہ نشست کے لیے مخصوص تھا جس کی مشرقی دیوار کے ساتھ زرّیں مسند بچھی تھی - دائیں بائیں کرسیوں کی قطاریں تھیں درمیان میں ایرانی قالین بچھائے گئے تھے - اٹھارہ انیس قدم کے فاصلے سے مرمریں ٹائلوں کا فرش نظر آتا تھا - کمرے کا دوسرا حصّہ یہیں سے شروع ہوتا تھا جس کی دیواروں پر چاند نگر کے گذشتہ حکمرانوں کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں - دونوں حصّوں کے درمیان مغلئی محرابیں حائل تھیں جن کی چوڑائی تین فٹ سے زیادہ نہ تھی مگر لمبائی چھت کو چھو رہی تھی - مغلئی محرابوں کا سلسلہ بالکل غلام گردش سے ملتا جلتا تھا مگر اسے غلام گردش کہنا مناسب نہ ہو گا کیونکہ یہ خوب صورت محرابیں صرف کمرے کی وسعت میں اضافہ کرنے کے لیے تعمیر کی گئی تھیں -

چاپ پالنے میں لیٹا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ جونہی مرجینا نے اسے بازوؤں میں اٹھایا وہ تعجب وحیرت کے ساتھ اُسے دیکھنے لگا۔ انگوٹھا اس کے منہ سے نکل گیا تھا اور معصوم چہرے پر ناخوشگواری کے اثرات ظاہر ہوئے۔

مرجینا نے بچّے کو پیار کیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور سینے سے لگا کر بولی "میں نے سُنا ہے جو بچّے پالنے میں انگوٹھا چوستے ہیں وہ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں"۔

"اور جو لڑکیاں شاہی محل میں جنم لیتی پھر خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر آ جاتی ہیں اُن کی قسمت کیسی ہوتی ہے؟"

سردار کا یہ فقرہ سُن کر مرجینا یوں تڑپ اُٹھی جیسے اس کے بدن پر کسی نے کوڑا دے مارا ہو۔ کرب واذیت کے احساس کے ساتھ اس نے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

"جگو! مجھے شہزادی کی کم نصیبی کا احساس نہ دِلاؤ میں تو اسے بھی خوش قسمت سمجھتی ہوں جس کے بدلے ہمیں یہ راج دلارا مِل گیا .... اب مجھے اجازت دو پیدائش کی خبر زیادہ دیر تک مخفی نہیں رکھی جا سکتی۔ مجھے یہ چاند لے کر جلد بیگم محل پہنچ جانا چاہیئے"۔

سردار جگو نے آگے بڑھ کر اپنے معصوم و نوزائیدہ بیٹے کی پیشانی چوم لی ننھی مُنی حیران سی آنکھیں اب سردار سے پُوچھ رہی تھیں۔

"بابا! مجھے کہاں بھیج رہے ہو۔ کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو میں اپنے باپ پر بھاری ہوں؟"

سردار نے اضطراری حالت میں جلدی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ آنسوؤں کے دو موٹے قطرے اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر ننھی شہزادی کے عارضوں پہ آ گرے جسے اس نے بازوؤں پہ اُٹھا رکھا تھا۔ پھر بھیگی آواز میں بولا۔

"مرجینا ———! اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ اس بچّے کی ماں مر چکی ہے اور باپ بچھڑ رہا ہے"۔

"اسے ماں کا پیار بھی ملے گا اور باپ کی شفقت بھی"۔

پھر مرجینا یک لخت سردار کی طرف مُڑی اور کہنے لگی۔

کے نصیب میں نہیں۔ شاید اپنے خاندان کا آخری سلسلہ اِسی کے نام پر ختم ہو جائے۔ پھر بھی جب بزرگوں کی دُعائیں۔ پنڈتوں۔ پروہتوں کی پرارتھناؤں اور صدقہ و خیرات کی برکتوں کا خیال آتا تو سوچتا آخر خدا کے گھر سے کیا بعید ہے کہ وہ کسی بزرگ کے صدقے اس کا گھر روشن کر دے۔ بس یہی ایک آس تھی ــــــــــ یہی ایک کرن تھی جو بار بار ذہن کے تاریک گوشوں میں جھلملا اٹھتی تھی ورنہ بوڑھے نواب نے اپنے آپ کو بُری سے بُری خبر سُننے کے لیے بھی آمادہ کر لیا تھا۔

باہر وحشی ہوائیں بدروحوں کی طرح چلّا رہی تھیں اور کائنات پر گھنے گھور اندھیرے چھائے ہوئے تھے لیکن دیوان خانہ میں جو اٹھارہویں صدی عیسوی کی نوابی شان و شوکت کا مظہرِ اتم تھا اس وقت ایک اضطراب انگیز خاموشی مسلط تھی۔ دروازوں اور دریچوں کے پردے تیز ہَوا سے سرسرا رہے تھے۔ دِلوں کے اندر طوفان موجزن تھے۔ قندیلوں اور فانوسوں کے اندر جلنے والی بے دُود شمعوں کی روشنی میں دِلوں میں اُٹھنے والے طوفانوں کی جھلک مُتفکر چہروں پر نظر آ رہی تھی۔

اس وقت نواب فرخ کے علاوہ وزیرِ سلطنت جعفر، دیوان دُنی چند، وزیر اکبر جنگ، میر منشی احمد شجاع اور دس بارہ دوسرے مصاحب دیوان خانہ کے حِصّۂ نشست میں چُپ چاپ کھڑے تھے جن کے درمیان بوڑھا نواب بڑی بے تابی سے قالین پر ٹہل رہا تھا۔

چوب دار نیزے اُٹھائے مغلئی محرابوں کے اس طرف کھڑے تھے۔

اچانک بوڑھے نواب کی حسرت آگیں آواز نے کمرے کا سناٹا توڑ دیا وہ آہستہ آہستہ چلتا ایک محراب کے پاس رُکا اور ستون پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"نجانے تقدیر نے ہمارے لیے کیا فیصلہ کیا ہے۔ ابھی تک" بیگم محل" سے کوئی خبر نہیں آئی"۔

دیوان دُنی چند کھنکھ کر آگے بڑھے "آپ اس قدر مایوس کیوں ہیں اعلیٰحضرت! بھگوان کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں"۔

"ہم نے بیٹے کے لیے رو رو کر دُعائیں مانگی ہیں۔ درگاہوں کی حاضری دی ہے مسجدوں اور مندروں میں نیازیں بانٹی ہیں۔ پیروں، فقیروں، پنڈتوں، پروہتوں

دیوان خانہ کی دیواروں کے ساتھ قندیلیں بڑے سلیقہ سے ٹانک دی گئی تھیں۔ دونوں حصوں کے وسط میں بڑے بڑے فانوس آویزاں تھے جن میں کافوری شمعیں روشن کی جاتی تھیں دیوان خانہ کی چھت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی شیشہ کاری یقیناً بہترین صناعوں کی اعلیٰ کاریگری کا نمونہ تھی۔ ساری چھت شیشے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے مزیّن تھی جن کے درمیان مختلف رنگوں کی پچی کاری کی گئی تھی۔ رات کے وقت، جب قندیلیں اور فانوس روشن ہوتے۔ اُن کے عکس چھوٹے چھوٹے آئینوں میں منعکس ہو کر ایک حسین و رنگین منظر پیدا کرتے تھے۔ چھت کے ہر آئینہ میں شمعیں روشن ہو جاتی تھیں ——

دیوان خانہ اصل میں نواب فرخ کا ایوانِ خاص تھا۔ جہاں وہ امورِ سلطنت سرانجام دیتا تھا۔ خوشی کے مواقع پر کبھی کبھار یہاں رقص و نغمہ کی محفلیں بھی منعقد ہوتی تھیں۔

رات کا ایک پہر گذر چکا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے سب لوگوں نے رات کی پہلی نوبت کی آواز سنی تھی لیکن نواب فرخ بڑا مضطرب نظر آتا تھا اس لیے کسی مصاحب کو یہ کہنے کی جراُت نہ ہو سکی کہ اعلیٰ حضرت کے آرام کا وقت ہو گیا ہے۔

عام طور سے دستور یہی تھا پہلی نوبت کے بعد نواب خلوت سرا میں چلا جاتا اور مصاحبین خاص بھی اپنی اپنی حویلی کا رُخ کرتے مگر آج تو معاملہ ہی دیگر تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اطلاع آئی تھی کہ ملکہ بیگم کے وضعِ حمل کی ساعت آ پہنچی ہے اور اس اطلاع نے نواب کے ساتھ چاند نگر کے ہر بہی خواہ کو بے قرار و مضطرب کر دیا تھا۔

دیکھیے ! اس مرتبہ لاکھوں دلوں کی آرزو پوری ہوتی ہے یا نہیں ؛

چاند نگر کے اُفق پر ہلالِ اُمید جھلک دکھاتا ہے یا غم و یاس کی بدلیاں چھا جاتی ہیں ؛

نواب فرخ کئی جوتشیوں اور نجومیوں سے پوچھ چکا تھا۔ اس کی قسمت کا ستارہ کب چمکے گا ؛ مگر سب نے مایوسی کا اظہار کیا تھا۔

"اعلیٰ حضرت ! آپ کے ستارے پر زحل کا سایہ ہے اور زحل ساتویں آسمان پہ سنیچر کا ستارہ ہے جو نحس خیال کیا جاتا ہے۔ خوشی کی بجائے آپ کو اکثر رنج و الم کی خبریں سننے کے لیے تیار رہنا چاہیے"۔

گذشتہ تجربات اور نجومیوں کی باتوں سے نواب فرخ یہی سمجھا تھا بیٹے کی خوشی اس

خیال آرہے تھے۔ جلد از جلد اس کی صحیح کیفیت سے آگاہی چاہتا تھا اور یہ اطلاع صرف مرجینا ہی دے سکتی تھی۔

ملکہ بیگم کی تشویشناک حالت سب کے لیے باعثِ فکر تھی وہ دِل ہی دِل میں اس کی زندگی کے لیے دعا کر رہے تھے۔ دیوان دُنی چند نے عرض کی۔

"مہاراج! غلام کی رائے میں شاہی حکیم کو فوراً طلب کر لینا چاہیے کیا خبر کب ضرورت پڑ جائے"۔

نواب غم زدہ لہجے میں بولا۔

"جب تک مرجینا نہیں آجاتی۔ ہمیں صحیح حالت کی خبر نہیں ہو سکتی۔ ہم چند لمحے اس کا انتظار کریں گے"۔

سب لوگ متفکر اور پریشان تھے ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کا ذہن ابھی تک ساؤ کی ننگی تلوار کی نوک پر لٹک رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ملکہ بیگم کی حالت خراب ہے لیکن نواب کو خبر دینے والی کنیزوں کو بھی محل کے اندر جانے کی اجازت نہیں ——— ساؤ ننگی تلوار لیے دروازے پہ کھڑا ہے ——— آخر کیوں؟

یہ جعفر تھا ——— وزیرِ سلطنت جس کا تقرر انگریز ریذیڈنٹ کی سفارش سے عمل میں آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مکاری کی چمک پیدا ہوئی اور نواب فرخ کے پاس آکر آہستہ سے کہنے لگا۔

"اعلیٰ حضرت! میری بہن زمانی زچہ کے متعلق بڑی معلومات رکھتی ہے۔ وہ سمجھ دار بھی ہے اور ملکہ بیگم کے مزاج سے بھی اچھی طرح آشنا ہے۔ اگر حکم فرمائیں تو اُسے بلوا لیا جائے؟"

"زمانی بیگم ———" نواب فرخ کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"یہ بہت ضروری ہے اعلیٰ حضرت! ایسے موقع پر سمجھ دار اور مزاج آشنا عورت کا پاس ہونا بہت ضروری ہے"۔

دیوان دُنی چند گھنہ نے بھی جعفر کی تائید کی۔ نواب کے چہرے پر اضطراب کی ایک اور لہر تھرتھرائی۔

"تو پھر فوراً پیغام بھیج دو"۔

کے پرن چھوٹے ہیں لیکن معلوم نہیں خدا کو کیا منظور ہے "۔

اسی لمحے "بیگم محل" کی دو کنیزیں بڑی آہستگی سے کمرے میں داخل ہوئیں ان دونوں کنیزوں کا فرض تھا۔ وہ ہر پندرہ منٹ کے بعد ملکہ محل کی خبر نواب تک پہنچائیں۔ کنیزیں دروازے پر ہی رُک کر کورنش بجا لائیں۔ نواب فرخ بڑی بے تابی سے بولا۔ "گلشن ——! سوسن ——! بیگم محل کی کیا خبر ہے؟"

ایک کنیز نے گردن جھکا دی۔

"کوئی نئی خبر نہیں سرکار! —— کسی کو بھی محل کے قریب جانے کی اجازت نہیں ——"

"لیکن تمہیں تو ہم نے مقرر کیا ہے"۔

"اعلیٰ حضرت! بیگم محل کے دروازے پر ساؤ ننگی تلوار لیے کھڑا ہے۔ ہم نے حضور کا حکم سنایا لیکن ساؤ کہتا ہے۔ وہ ملکہ بیگم کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ کسی کنیز کو اندر جانے کی اجازت نہیں"۔

نواب نے حیرت اور تعجب سے یہ رپورٹ سنی پھر بڑبڑایا۔

"پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا"۔

"اعلیٰ حضرت! ساؤ کی زبانی معلوم ہوا، نصیبِ دشمناں ملکہ بیگم کی حالت بہت خراب ہے"۔

نواب اُچھل گیا پھر مضطرب لہجے میں بولا۔

"تم نے پوچھا ہوتا۔ ان کے پاس کون کون ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو شاہی طبیب کو طلب کر لیا جائے"۔

"ان باتوں کا علم تو خود ساؤ کو بھی نہیں اعلیٰ حضرت! وہ بیرونی دروازے پر متعین ہے۔ جب تک مرجینا باہر نہیں آتی کوئی صحیح خبر نہیں مل سکتی"۔ سوسن نے جھک کر اطلاع دی۔

"تو جاؤ۔ مرجینا کو ہمارا پیغام پہنچاؤ۔ ہم اسی وقت اس سے ملنا چاہتے ہیں"۔

دونوں کنیزیں اُلٹے قدموں کمرے سے باہر چلی گئیں اور نواب فرخ ایک نئی پریشانی میں ڈوب گیا۔ ملکہ بیگم کے متعلق تشویش انگیز خبر سُن لینے کے بعد اُسے بُرے بُرے

کنیز نے ہار دبوچ لیا اور ایک بار پھر کورنش بجالائی ۔ سب لوگوں کے چہرے خوشی سے کھِل اُٹھے تھے ۔ سب اعلیٰ حضرت کو مبارک باد دینے کے لیے آگے بڑھے لیکن جعفر مرجینا کو دیکھ کر دروازے ہی میں ٹھٹک گیا تھا ـــــــــ ولی عہد کی خوش خبری سُن کر وہ کچھ اس طرح بھونچکا سا رہ گیا جیسے مرجینا نے اس کی معزولی کی خبر سُنائی تھی ۔ اس کے چہرے پر بڑے ناخوشگوار اثرات مرتسم ہوئے سانپ کی طرح کسمسائے لیکن وہ اس وقت نواب فرخ کے دیوان خاص میں کھڑا تھا ۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ۔ چہرے پر مسکراہٹ طاری کی ۔

عمائدین اعلیٰ حضرت کو مبارک باد دیتے، مصافحہ کرتے، ولی عہد کی درازیٔ عمر کی دُعا کرتے پیچھے ہٹ رہے تھے، جب وہ آگے بڑھا تو نواب دیوان دُنی چند سے مخاطب تھا۔

"دیوان جی ! خدا نے چالیس برس کی دعاؤں کے بعد آج ہمیں مراد بخشی ہے۔ اس خوشی میں خزانے کا مُنہ کھول دو۔ بیواؤں اور یتیموں کو دل کھول کر خیرات دی جائے شہر میں چراغاں کیا جائے ۔ گھر گھر خوشیاں منائی جائیں ۔ لوگوں کو کھانا کھلایا جائے سب قیدی رہا کر دیئے جائیں"۔

دیوان نے سرِ اطاعت خم کر دیا پھر نواب نے اپنے عمائدین سے رخصت چاہی اور بیٹے کو دیکھنے کے لیے" بیگم محل" کی طرف چل دیا ۔ دو حاجب آگے آگے اس کی آمد کا اعلان کرتے جا رہے تھے ۔ چاند نگر کے نوابوں کا یہی طریق تھا ۔ محل کے اندر بھی چاؤش آواز لگاتے تھے ۔

ولی عہد کی پیدائش کی خبر عید کے چاند کی طرح گھر گھر سُنی گئی ۔ ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں جو لوگ ریاست کی صورتِ حال سے واقف تھے اُن کے نزدیک شہزادہ واقعی عید کا چاند بن کر طلوع ہُوا تھا ۔ وہ اس کی پیدائش کو چاند نگر کے لیے ایک نیک فال سمجھ رہے تھے ۔

تمام قیدی رہا کر دیئے گئے ۔

بیواؤں ، یتیموں ، غرباء اور مساکین میں سکّے اور کپڑے بانٹے گئے ۔

"میں خود جاؤں گا اعلیٰ حضرت ——! مجھے معاملے کی نزاکت کا احساس ہے"۔ جعفر کے لہجے میں مُسرت کی جھلک تھی۔

"جو کچھ مناسب سمجھتے ہو کرو جعفر! ہم اس وقت سخت پریشان ہیں۔ کم بخت مرجینا ابھی تک نہیں آئی"۔

نواب کا حکم پاکر جعفر دروازے کی طرف لپکا ہی تھا کہ ملکہ بیگم کی خاص کنیز مرجینا بڑی تیزی کے ساتھ داخل ہوئی اور چوکھٹ کے پاس ہی کورنش کیلئے جھک گئی۔

"مرجینا ——!" نواب پکارا۔

مرجینا نے گردن اُٹھائی اور کھنکتی آواز میں بولی۔

"سرکار معظم کو ولی عہد مبارک ہو"۔

یہ الفاظ نہیں تھے زندگی کی نوید تھی، جاں بلب مریض کے لیے آبِ حیات تھا، بہار کا نغمہ تھا، حیات کا مژدہ تھا، چاند نگر کی آزادی تھی۔ نواب فرخ کے دِل کی پہلی اور آخری تمنا تھی۔ سب کو یوں محسوس ہوا مرجینا نہیں بولی، پھولوں کی چھاگل بج اُٹھی ہے۔ نواب فرخ کو جیسے اس کی زبان پر اعتبار نہ آیا، مضطرب اور خود رفتہ سا ہو کر بولا۔

"کیا کہا تم نے مرجینا ——! کیا خبر لائی ہو۔ اپنے الفاظ پھر دہراؤ۔ ایک مرتبہ پھر ہمارے کانوں میں اپنی آواز کا رس گھولو"۔

مرجینا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جیسے زعفران کے کھیت پر چاندنی طلوع ہوتی ہے۔

"خوشی کی خبر لائی ہوں سرکار ——! ملکہ بیگم کے ہاں لڑکا ہوا ہے۔ خدا نے ہماری دُعائیں سُن لی ہیں"۔

نواب فرطِ مُسرت سے جھوم اُٹھا۔ اس نے آسمان کی طرف چہرہ اُٹھایا اور بولا —— "الٰہی! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تُو نے ایک بوڑھے کی التجا قبول فرمائی"۔

پھر اس نے اپنے گلے میں لٹکتا موتیوں کا سہ لڑا ہار ایک جھٹکے سے اتارا اور اسے مرجینا کی طرف اُچھالتے ہوئے گویا ہُوا۔ "مرجینا! تم نے خوشی کی خبر سنائی ہے۔ اس سے بڑی خوش خبری ہم نے آج تک نہیں سُنی۔ ہم تمہارا منہ موتیوں سے بھر دیں گے"۔

——— ہاں جب خدا فضل کرنے پہ آئے تو کیا دیر لگتی ہے۔ سوکھے درخت اس کی رحمت سے ہرے ہو جاتے ہیں اگر ملکہ بیگم کو پھل لگا تو اس میں تعجب کی کیا بات؟

ولی عہد کے جشنِ مولود میں سردار جگو تینوں دن شہر جاتا اور لوگوں کو خوشیاں مناتے دیکھتا رہا۔ وہ محل سرا کے آس پاس پھرتا، دومنزلہ وسہ منزلہ محلوں کی کھڑکیوں، دریچوں اور جھروکوں میں تاکتا رہا۔ شاید کہیں مرجنیا اس کے لختِ جگر کو گود میں اُٹھائے کھڑی ہو اور وہ اس کی ایک جھلک دیکھ سکے مگر اسے اپنے "شہزادہ" کی جھلک نظر نہ آسکی البتہ ایک روز ——— اور وہ جشنِ میلاد کا تیسرا روز تھا۔ اسے مرجنیا ایک جھروکہ میں دکھائی دی لیکن شاید جلدی میں تھی۔ بس کوندے کی طرح لپکی اور غائب ہوگئی ——— تیسری شام جب وہ شہر کے ہنگامے دیکھنے کے بعد نیلم ندی کو عبور کر رہا تھا اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ زندگی کی بازی ہار کر آرہا ہے۔

شہر میں جگہ جگہ دیگیں آتاری گئیں لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔
لڑکوں نے رنگ رنگ کی جھنڈیاں اُٹھا کر جلوس نکالا۔
فوج نے پریڈ کی۔
سرِ شام ہی شہر کی عمارتوں پر ہزاروں دیئے جھلملانے لگے۔
رات کو شیش محل میں چاند نگر کی ہوشربا اور فتنہ ادا رقاصہ ماہ جبین کا رقص ہُوا اور اس پر روپوں کی بارش ہو گئی۔
نواب فرخ نے زچہ و بچّہ کی خیریت پر تھال بھر بھر کے اشرفیاں لٹائیں۔
پُورے تین روز چاند نگر میں جشن ہوتے رہے۔
خانہ بدوشوں کا سردار جگو بھی رونق دیکھنے کے لیے شہر میں آیا۔ لوگوں کو خوشیاں مناتے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہ نکلے ——— اس کا بیٹا ——— ایک خانہ بدوش کا لڑکا اتنا بڑا اعزاز حاصل کرے گا؛ یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی لیکن اب وہ سردار جگو کا نہیں، نواب فرخ کا بیٹا تھا چاند نگر کا ولی عہد تھا اور لوگ اس کی پیدائش پر خوشیاں منا رہے تھے۔ انہیں کیا معلوم نواب فرخ کی قسمت تو اس مرتبہ بھی فریب دے گئی تھی لیکن ریاست کی آزادی کے لیے سردار جگو نے اپنے خون سے دِیا جلایا ہے۔ اپنا جگر گوشہ ملکہ بیگم کو سونپ کر اس کی بدقسمت بیٹی کو گلے لگا لیا ہے۔
یہ تقدیر کا ہیر پھیر تھا ——— قسمت کی بازی تھی۔ خانہ بدوش کا بیٹا شاہی محل میں پہنچا اور محلوں میں جنم لینے والی شہزادی چند ہی ساعتوں میں عیش و نعمت سے محروم کر دی گئی۔
سردار جگو دیر تک تقدیر کے اس حیرت انگیز کھیل پر حیران ہوتا رہا۔
یہ سب کچھ ملکہ بیگم کی تڑپ، مرجینا کی وفاداری اور سردار جگو کی قربانی کا نتیجہ تھا۔ ان تینوں کے علاوہ کوئی نہ جانتا تھا چاند نگر کے اُفق پر طلوع ہونے والے چاند نے کس ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ ممکن ہے ان پانچ آدمیوں سے کوئی اور بھی اس راز سے آگاہ ہوتا جنھوں نے مقدّس حلف اُٹھایا تھا لیکن مرجینا نے یہ سارا ڈراما اس ہوشیاری سے کھیلا کہ سردار جگو کے علاوہ باقی چار بھی شک و شبہ میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔

"ملکہ حضور ——— ! ہم اپنے چاند کو دیکھنے کی تمنّا لے کر آئی ہیں ۔ ہمیں اس کے دیدار سے محروم نہ کیا جائے ۔شہزادے کی صرف ایک جھلک ہمارے دِلوں کو منوّر کر دے گی ۔"

سوسن نے بیگمات کی یہ درخواست ملکہ بیگم تک پہنچائی اور وہ پریشان سی نظر آنے لگی ۔ اس نے فوراً حکم دیا ۔" مرجینا کو بلاؤ ۔"

جب مرجینا آئی اس نے عرض کی ۔

" ملکہ حضور ——— ! خدا ننھے کو نظرِ بد سے بچائے ۔بیگمات واقعی بڑی تمنّائیں اور آرزوئیں لے کر آئی ہیں ۔ ان میں وزیرِ سلطنت جعفر کی بہن زمانی بیگم بھی ہے اور میں اس کی نحوست سے ڈرتی ہوں ۔ نجانے کیوں میرا دل اس کی طرف سے مطمئن نہیں ......"

ملکہ بیگم نے حیرت پاش نظروں سے مرجینا کی طرف دیکھا ۔ وہ کہہ رہی تھی ۔

" یہ حسین ناگن مرجینا کو فریب نہیں دے سکتی ۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گی ولادت کے دوسرے ہی دِن یہ کُٹنی حضور کی دایہ فیروزہ کے گھر پہنچی اور موتیوں کا ایک قیمتی ہار اس کی نذر کیا تھا پھر باتوں باتوں میں ٹوہ لینے لگی ۔ وہ تو میرے ہاتھ کی صفائی تھی کہ میں نے فیروزہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہونے دی کہ لڑکی پیدا ہوئی یا لڑکا ——— اور بچے کو خود سنبھال کر اُسے آپ کی نازک حالت کی طرف متوجّہ کر دیا ۔ ورنہ یہ دایہ بھی پیٹ کی بہت ہلکی ہے فوراً راز فاش کر دیتی ۔ جس وقت وہ آپ کو سنبھالنے میں مصروف تھی میں فوراً بچّی کو دوسرے کمرے میں لے گئی ۔ ایک عقلمندی اور سرزد ہو گئی ، میں نے واپس آکر فیروزہ کو بھی یہی خبر سنائی تھی کہ چاند طلوع ہُوا ہے ۔ خدا کا شکر ہے وہ آپ کو سنبھالنے میں ایسی اُلجھی رہی کہ مجھے باہر جانے کا موقع مل گیا اور سردار جگو نے میری بات رکھ لی ورنہ یہ فیروزہ ہی سب سے پہلے راز فاش کرتی ......"

ملکہ بیگم نے ایک طویل سانس بھرا ۔" مرجینا ! میں تیری وفاداریوں کا صلہ نہیں دے سکتی لیکن یہ زمانی بیگم کو کیا سُوجھی ۔ کیا اُسے کوئی شبہ تھا ؟"

مرجینا نے نفرت آلود لہجے میں جواب دیا ۔

" وہ آپ کی دشمن ہے ملکہ حضور ——— ! اس کے بھائی جعفر نے کیا کیا کوششیں نہیں کیں کہ کسی طرح اپنی لاڈلی بہن کو حرم شاہی میں داخل کر دے ۔ بہت عرصہ اعلیٰ

(۲)

چاند نگر پہ "آزادی کا چاند" طلوع ہوئے پانچواں روز تھا اسی دن ملکہ بیگم نے "پانچواں" نہایا تھا اور محل سرا کی کنیزوں، خادماؤں اور ان بیگمات کو جو اس موقع پہ مبارکباد کے لیے حاضر تھیں ایک مرتبہ پھر انعام و اکرام دیا گیا۔ "بیگم محل" ایک مرتبہ پھر دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا اور شاہی کنیزیں خوشرنگ ملبوسات میں بجلیاں سی برساتی ادھر اُدھر لپک رہی تھیں۔

ملکہ بیگم نے خاص جوڑا زیب تن کیا تھا۔ اگرچہ رسوم و روایات کے مطابق سوا مہینے سے پہلے کسی غیر عورت اور مرد کو بچّہ دیکھنے کی اجازت نہ تھی مگر نواب فرخ کے ہاں جنم لینے والا شہزادہ کوئی معمولی بچّہ نہ تھا۔ وہ تو ریاست کی اُمیدوں کا چاند بن کر طلوع ہوا تھا۔ امراء کی بیگمات ہی نہیں محل سرا کی کنیزیں بھی اس چاند کی جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھیں۔ جس نے آتے ہی خوشبوؤں کے خزانے لٹائے تھے ——

کتنا خوش نصیب، کس قدر فیروز بخت، کیسا بھاگوان تھا ننھا شہزادہ۔ انہوں نے درخواست کی۔

"اگر زمانی بیگم نہ ہوتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ میں اس حسین گٹنی کا سایہ بھی شہزادہ پر نہ پڑنے دوں گی۔"

"تو پھر جاؤ، بیگمات سے معذرت کرو، اُنہیں کہو غسل کے بعد میری طبیعت خراب ہو گئی ہے، میں اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتی لیکن مرجینا! ——— سوسن نے بتایا ہے دیوان دُنی چند کی بہن پاروتی بھی حاضری کی طلبگار ہے۔ وہ شاید گورکھپور سے آئی ہے۔ کسی بہانے اسے روک لو باقی سب کو رخصت کر دو ———"

مرجینا کی آنکھوں میں اُلجھن کے آثار دیکھ کر ملکہ بیگم نے وضاحت کی۔

"پاروتی اپنی شادی کے بعد پہلی مرتبہ محل سرا میں آئی ہے کیا میں اسے کچھ دیئے بغیر رخصت کر دوں گی؟"

مرجینا کے سُرخ سُرخ لبوں پر مسکراہٹ پھول کی پتیوں کی طرح بکھر گئی پھر کمرے سے نکل کر اس گول زینہ کی طرف ہولی جو نیچے اُترتا تھا اور لپکتی چلی گئی۔

زچگی کے ایام میں ملکہ بیگم نے راز داری کے پیش نظر "بیگم محل" کی دوسری منزل میں اقامت رکھی اور اپنے راجپوت محافظ ساؤ کو جو راجستھان کی ریاست جے پور سے آیا تھا۔ زینہ کے نچلے دروازہ پر پہریدار مقرر کر کے ہدایت کی تھی وہ کسی کو اُوپر نہ آنے دے۔ اس نے اپنا فرض کمال خُوبی سے ادا کیا تھا اور سوسن ایسی کنیز بھی دروازہ ہی سے لوٹا دی جاتی تھی پانچ روز کے بعد بھی اُسے پہرہ سے نہیں ہٹایا گیا تھا اور اس وقت بھی وہ زینہ کے نچلے دروازہ پر کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ابھی تک مرجینا اور فیروزہ کے سوا کسی کو دوسری منزل پر جانے کی اجازت نہ تھی۔

مرجینا اس کے قریب سے یوں گذری جیسے خوشبو کا کوئی جھونکا گذر جائے۔ وہ رنگ و نکہت کا ایک جھونکا ہی تو تھی۔

کنیز خاص کو نیچے بھیجنے کے بعد ملکہ بیگم کسی گہری سوچ میں کھو گئی۔ شاید زمانی بیگم ابھی تک اس کے ذہن کے حاشیوں پر آنچل اُڑائے پھرتی تھی۔

زمانی بیگم حسین تھی ——— جوان تھی، سب سے بڑھ کر یہ کہ وزیر سلطنت جعفر کی لاڈلی بہن تھی۔ جب سے اس کے بھائی نے انگریز ریذیڈنٹ کی معرفت وزارت

حضرت کے پیچھے "کُتے" کی طرح دُم ہلاتا رہا۔ اس کے کئی آدمی گاہے گاہے نواب صاحب کے سامنے زمانی بیگم کے حسن و جمال کی تعریفیں کرتے تھے۔ یہ تو خدا کا فضل تھا، نواب حضور کو آپ سے والہانہ محبت ہے، انہوں نے آپ کے بعد نئے حرم کا تصور ہی نہیں کیا ورنہ یہ زمانی بیگم تو آتے ہی شاید آپ کو محل سرا سے بھی نکلوا دیتی۔ اب اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہیں اور ولی عہد کی خبر سنکر تو رہی سہی امیدیں بھی خاک میں مل گئی ہوں گی۔"

"میں حیران ہوں وہ سیدھی فیروزہ کے پاس کیوں بھاگی گئی؟"

ملکہ بیگم کے چہرے پر ابھی تک اضطراب کے سائے کانپ رہے تھے۔ مرجینا کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم رقص کرنے لگا۔ وہ تشفی آمیز لہجے میں کہنے لگی۔

"آپ کو یاد ہوگا غالباً اڑھائی ماہ پہلے کی بات ہے آپ کی حالت دیکھ کر فیروزہ نے مایوسی کا اظہار کیا اور کہا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ بھی لڑکی پیدا ہوگی۔ یہ خبر اس کٹنی نے بھی سُن لی اور بہت خوش ہوئی تھی۔ آپ کو اس خبیث نے "جنگلی بیری" سے تشبیہ دی تھی۔ ممکن ہے یہی بات اسے دایہ کے پاس لے گئی ہو اور اس نے فیروزہ سے اسی بہانے پوچھا ہو کہ تو کہتی تھی لڑکی ہوگی پھر یہ لڑکا کہاں سے ٹپک پڑا؟ —— لیکن فیروزہ اُسے کیا بتاتی وہ بچاری تو خود نہیں جانتی۔ بس خدا کی قدرت کا ذکر کر کے رہ گئی ہوگی۔ آپ بالکل مطمئن رہیں، اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھیں۔ وہی جانتا ہے، ہم نے یہ سب کچھ محض اپنی آزادی کے لیے کیا ہے"۔

ملکہ بیگم کسی قدر مطمئن نظر آنے لگی پھر بھی ایک اُلجھن ابھی باقی تھی۔ بڑے بڑے امیروں کی خواتین شہزادہ کو دیکھنے اور نذر دینے کی خاطر نیچے آ بیٹھی تھیں۔ بعض اوقات "پانچواں" نہانے کے بعد عورتیں اپنے نوزائیدہ بچوں کے منہ دکھا دیا کرتی ہیں۔ بعض دس روز تک کسی کو اس کی جھلک نہیں دکھاتیں، شکی مزاج اور توہم پرست بیویاں تو سوا مہینے کے بعد بھی اپنے بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے چھپائے رکھتی ہیں لیکن ملکہ بیگم ایک روشن خیال عورت اور اس قسم کے ڈھکوسلوں کی قائل نہ تھی۔ ذاتی طور پر اسے شہزادہ کی رونمائی پر کوئی اعتراض نہ تھا لیکن اس معاملے میں اپنی محرم راز مرجینا کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم اُٹھانا پسند نہ کرتی تھی۔

"تو پھر شہزادہ کی رونمائی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

جو ابھی شاخِ حیات پر پھُوٹی تھی، نوچ کھسوٹ کر وقت کے صحرا میں پھینک دیا ـــــ ؟

ملکہ بیگم کو یوں محسوس ہوا جیسے " بیگم محل " کی ہر دیوار، ہر محراب، ہر چوکھٹ، ہر اینٹ اس کی طرف انگلی اُٹھا کر کہہ رہی ہے۔

" وہ بے رحم اور سنگدل ماں تُو ہے جس نے اپنی ممتا کے گلے پر چھُری چلائی اور اپنی گود سے پھُول سی بچّی کو اُتار پھینکا ـــــ وہ بے انصاف ہستی تیرے سوا کوئی نہیں جس نے ایک معصوم لڑکی کو اپنی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھا دیا۔ خود غرض اور بد گہر تیری ہی ذات ہے جو ایک گوہرِ شب چراغ کو محل سے اُٹھا کر جنگل میں پھینک آئی۔ جس نے ماں کے لفظ کی لاج نہ رکھی جسے اپنی بیٹی کی حالت پر ترس نہ آیا۔ جو اپنی محل سراؤں کو آباد رکھنے کی خاطر ایک ننھی سی جان کی بربادی کا باعث ہوئی "۔

اور بے اختیار ملکہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس کے دِل میں درد کسی کر ونڈ ییے سانپ کی طرح بَل کھانے لگا۔ رُوح پر کرب و اذیت کے کوڑے برسنے لگے۔ جسم پر ایک ایسی کپکپی اور تھرتھری طاری ہوئی جیسے مضراب کی جنبش سے ساز کے تار مرتعش ہو کر کانپنے لگتے ہیں۔ وہ دیوانگی کی حالت میں اُٹھی اور اس جھروکے کے ساتھ آ لگی جو نیلم ندی کی طرف کھُلتا تھا۔ بیگم محل کی دوسری منزل سے اس نے ویرانے کی طرف نظریں دوڑائیں۔ دُور دریا کے اُس پار کھنڈر کے شکستہ کمرے میں اس کی راج دُلاری کپڑے کے پالنے میں لیٹی اپنی " ظالم و سنگدل " ماں کے اس عجیب و غریب سلوک سے بے خبر، بے پروا اپنی طفلی کی نیند سو رہی ہو گی۔

کھنڈر کے آس پاس خانہ بدوشوں کے خیمے اور چھپر بھی دِکھائی دیئے۔ طویل جنگل کے پہلو میں بنجر میدان جو پانچ روز پہلے ویران اور سنسان پڑا تھا، خانہ بدوشوں کی بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں کی وجہ سے ایک چھوٹی سی بستی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ بعض چھپروں کے سامنے جو سرکنڈوں کی تیلیوں اور خشک کائی سے تیار کیے گئے تھے، دھوآں اُٹھ رہا تھا۔

ملکہ بیگم کو محسوس ہُوا یہ دھوآں اُس کے اپنے سینے سے اُٹھ رہا ہے۔ احساس کی اس جگر دوز اور دِل خراش لپک نے اُسے نڈھال سا کر دیا۔

آہ ـــــ تخت و تاج کی مصلحتوں نے کس بے رحمی کے ساتھ ایک بیٹی کو ماں سے جُدا کر دیا تھا لیکن کیا ملکہ بیگم واقعی خود غرض، سنگدل اور ظالم تھی ؟

کیا اس نے جو کچھ بھی کیا اپنی شاہانہ آسائشوں کی حفاظت اور اپنی عظمت و حشمت

کا عہدہ سنبھالا اور ریاست کے نظم ونسق میں ہاتھ ڈالا تھا وہ بھی شہزادیوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی۔ اس کے حسن وجمال کی تعریف اعلیٰ حضرت کے کانوں تک پہنچتی رہتی تھی اس لیے جب کبھی محل سرا میں آتی اس طرح بنی ٹھنی آتی جیسے ابھی نواب فرخ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت سرا میں لے جائے گا۔ وہ جانتی تھی بوڑھا نواب اگر دو چار سال نہیں تو زیادہ سے زیادہ سات آٹھ سال اور زندہ رہ لے گا۔ ایسے انسان سے شادی کا تصوّر زمانی بیگم ایسی حسین وجوان دوشیزہ کے لیے کسی خوشنودی کا باعث نہ تھا لیکن یہ تو اس کے بھائی کی ضِد تھی۔ وہ اسے چاند نگر کی رانی بنانے اور اس کے توسط سے خود ریاست پر قبضہ کرنے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ انگریز ریذیڈنٹ کرنل میگاڈلی کی حمایت اُسے حاصل تھی مگر تین سال کے عرصہ میں ابھی تک جعفر کی کوئی تمنّا بھی رنگ نہ لائی تھی۔ نواب فرخ نے نئی شادی کی حامی بھری تھی نہ زمانی بیگم کا کسی دوسری جگہ عقد کیا گیا تھا۔ جعفر سوچتا تھا نجانے کب حالات کا دھارا اس کی تدبیر کے رُخ بہنے لگے اور کب ولی عہد کی ضرورت نواب فرخ کو نئی شادی پر آمادہ کر دے لیکن شہزادہ قاسم کی ولادت نے تو جیسے بہن بھائی کے رنگ محل ڈھا دیئے تھے۔

ہو سکتا ہے ناکامی اور شکست کا یہ احساس زمانی بیگم کو کسی شرارت پر مائل کر دے اور انتقام کے جوش میں وہ ولی عہد کا راز دریافت کرنے کی کوشش کرے۔

اندھے خیالات کا یہ دھارا ایسا ہی تھا جو ملکہ بیگم کو نہ جانے کہاں سے کہاں بہا لایا اور وہ بے اختیار مسہری سے اُٹھ کر اس پالنے کے قریب آ بیٹھی جس کے اندر نرم ونازک ریشمی گدیلے میں سردار جگو کا فرزند جس کا نام قاسم رکھا گیا تھا، خوابِ طفلی کے مزے لے رہا تھا۔ نجانے کیوں اسے دیکھتے ہی ملکہ بیگم کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا اور وہ اپنی پیاری اور بدنصیب بچّی کے تصوّر میں کھو گئی، جس کی نبضوں میں نواب کا لہو تھا۔ جسے چاند نگر کی ملکہ نے اپنی کوکھ سے جنم دیا۔ جسے بے رحم تقدیر محل سرا سے نِکال کر خانہ بدوشوں کے گھر چھوڑ آئی تھی۔ شہزادی کو ایک لمحے کے لیے بھی شاہی جھولنے میں لیٹنے اور محلوں کی آسائش وراحت کے مزے لوٹنا نصیب نہ ہوئے۔ ایک پَل بھی ماں کی مامتا اور باپ کی مشفقت میسر نہ آسکی لیکن اس معصوم پر یہ ظلم کس نے توڑا؟ ایک بے قصور بچّی سے راحتیں اور آسائشیں چھین کر کس نے اُسے مستقبل کے بھیانک اندھیروں کی نذر کر دیا ——— ؟ کس نے محلوں سے نِکال اُسے جنگلوں اور ویرانوں کی طرف دھکا دیا ——— ؟ کس کی مصلحتوں نے ایک کومل سی کلی کو

سے دوسرے ویرانے میں منتقل کرتے رہتے تھے۔ ان کے لیے مدرسے نہ تھے۔ تعلیم و تربیت کے ذرائع نہ تھے۔ اس زندگی میں تعلیم کا تصور ایسا ہی نامانوس اور اجنبی تھا جیسے کسی مہذب اور متمدن انسان کو شہر سے نکال کر بھیڑوں اور بکریوں کا رکھوالا مقرر کر دیا جائے۔ اب اس کی بیٹی کو بھی اسی ماحول میں پرورش پانا اور پروان چڑھنا تھا۔ خانہ بدوش لڑکیوں کی طرح بھیڑ بکریوں کو چرانا، جنگل سے جلانے کے لیے لکڑیاں چننا اور گٹھے سر پر اٹھا کر اپنے خیموں تک لانا ہوں گے۔ ایک ملکہ کے لیے جس نے کبھی ایسی زندگی کا تصور بھی نہ کیا تھا یہ احساس کوڑے سے کم نہ تھا جو اس کے قلب و ذہن کو ادھیڑتا چلا گیا اور حالات کے شکنجے میں جکڑی بے کس و مجبور عورت کھنڈر کی طرف دیکھ کر آپ سے آپ بھیگی آواز میں بولی۔

"میری معصوم اور مظلوم بچی ——— ! اپنی ماں کو معاف کر دے۔ جس نے پیدا ہوتے ہی تجھے اپنے سینے سے جدا کر دیا تو ایک پل کے لیے بھی اپنے باپ کے محلوں میں آرام نہ کر سکی۔ تیری بدنصیب اور بدقسمت ماں تجھے اپنی چھاتی سے لگا کر تیری پیشانی پر ممتا کا ایک بوسہ بھی نہ دے سکی۔ آہ جب تو جوان ہو گی اور گردشِ تقدیر سے یہ راز تجھ پر آشکار ہو جائے گا کہ تو نواب فرخ کی بیٹی، ملکہ بیگم کے کلیجے کا ٹکڑا اور ریاست چاندنگر کی راج دلاری تھی جسے پیدا ہوتے ہی بن باس دے دیا گیا تو اپنی ماں سے نفرت کرے گی۔ اس وقت شاید میں مر چکی ہوں گی اور تو میری شکل بھی نہ دیکھ سکے گی لیکن تیرا دل ماں کے سنگدلانہ سلوک پر روئے گا، تو مجھے دنیا کی سنگدل عورت سمجھے گی جس نے اپنے عیش و آرام کی خاطر بیٹی کو محل سے نکال دیا لیکن میری بچی ! ——— میں تجھے کیسے بتاؤں اس وقت میرے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ اپنے وطن کو غیروں کی غلامی سے بچانے کی خاطر تیرا قربان کیا جانا ضروری تھا اور میں نے لاکھوں انسانوں کی آزادی کیلئے تجھے قربان کر دیا ہے۔ اگر کسی وقت سردار جگو نے یہ بھید تیرے گوش گزار کر دیا تو شاید تو اپنی بدبخت ماں کی مجبوریوں کا احساس کر کے مجھے بخش دے"۔

ٹھیک اسی لمحے ملکہ بیگم کے شانے پر ایک ہاتھ پڑا اور وہ تڑپ کر پیچھے مڑی جیسے کسی انتہائی زہریلے بچھو نے ڈس لیا ہو۔ مگر فوراً ہی اس کے چہرے پر ایک بوجھل سکون کے آثار پیدا ہوئے۔

سامنے مرجینا کھڑی تھی۔ اس نے اپنی بیگم کی وہ باتیں بھی سنیں جو حالت

کی بقا کے لیے کیا تھا؟

اس کا جواب یقیناً نفی میں تھا۔ کوئی ماں اپنی اولاد سے دُور رہ کر راحت و آرام کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی۔ وہ تو ایک قربانی تھی ——— اپنی ریاست کی آزادی کے لیے، چاند نگر کے عوام کو غلامی سے بچانے کے لیے۔ ملکہ بیگم جو اپنے وطن کی زمین، اپنی ریاست، اپنی رعایا، اپنی آزادی سے پیار کرتی تھی ایک اجنبی قوم کو ہندوستان کی تقدیر کا مالک بنتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور یہ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ دیگر ریاستوں اور راجدھانیوں کی طرح چاند نگر بھی غیروں کے قبضہ و تسلّط میں چلا جائے۔

اس نے ان ریاستوں کا حال سُنا تھا جو کمپنی سرکار کی تحویل میں آجانے کے بعد نکبت و پستی کا مرکز بن گئیں۔ جن کے حکمران شاہی محلوں میں قیدیوں کی سی زندگی بسر کرتے اور عوام بھاری ٹیکسوں اور محصولات کے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے۔ انہیں اپنے دیسی آقاؤں کے اخراجات کے علاوہ بدیسی آقاؤں کے مصارف اور بدیسی فوجوں کی تنخواہوں کے بوجھ بھی اٹھانے پڑتے تھے۔ ملکہ بیگم جانتی تھی غلامی بہرحال ایک ایسا داغ ہے جو ننگِ انسانیت سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اپنی چھوٹی سی ریاست کو جہاں ہمیشہ آزادی کے گیت گائے جاتے رہے، غلامی کی اسی ذِلت سے بچانے کی خاطر جدوجہد کی تھی۔ بیٹی کی قربانی دی تھی۔

وہ جانتی تھی، وطن کی آزادی کے لیے مائیں اپنے جوان بیٹے، بیویاں اپنے محبوب شوہر اور بہنیں اپنے پیارے بھائی میدانِ جنگ میں جھونک دیتی ہیں۔ کیا وہ اپنی ممتا کا گلا نہیں گھونٹ سکتی؟ یہی وہ عزم و یقین تھا جس نے اُسے مجبور کیا وہ اپنی نوزائیدہ بچّی کو محلوں کی پُرآسائش زندگی سے محروم کر دے، اپنے سینے پر مصلحتوں کی سِل رکھ لے، اپنی نورالعین کو وطن کی آزادی کی بھینٹ چڑھا دے۔

اس کا دِل جذبات کی شدت سے زیر و زبر ہو رہا تھا۔ پلکوں پر ابھی تک آنسوؤں کے ستارے جھلملا رہے تھے۔ جھروکہ کی محراب سے لگی وہ نیلم ندی کے اس پار شکستہ عمارت کے آس پاس بکھری قبائلی زندگی اور غیر مہذب، غیر متمدن معاشرت کی پرچھائیاں دیکھ رہی تھی۔ یہ آزادانہ رہن سہن جو شہروں اور بستیوں کا پابند تھا نہ مکانوں کا محتاج کتنا عجیب سا لگ رہا تھا۔ سرکنڈوں کی تیلیوں کے جھونپڑے، خیمے، ڈھور ڈنگر اور گھوڑے، بس قبائلی زندگی کی یہی کل کائنات تھی۔ جنہیں خانہ بدوش بہ آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک دِیار سے

بگیم نے ایک طویل سانس بھری جس میں اس کی زندگی کی تمام تلخیاں سمٹ آئی تھیں۔
پھرانتہائی دکھ بھرے انداز میں پوچھنے لگی۔

"مرجینا ــــــ! کیا واقعی میں اپنی بچّی سے کبھی نہ مِل سکوں گی؟"

یک لخت کنیز نے رُخ موڑا اور کسی قدر سخت لہجے میں جواب دیا۔

"آپ پھر بھول گئیں۔ اب وہ آپ کی نہیں سردار جگو کی بیٹی ہے"۔

"مرجینا ــــــ!" بیگم تڑپ سی گئی۔

"آپ کو اپنے دِل سے، اپنے حافظے سے اسے ہمیشہ کے لیے نکال دینا ہو گا اور جنگل کے اس پھول کو اپنے چمن کی زینت بنانا ہو گا جسے سردار جگو نے آپ کی جھولی میں ڈال دیا ہے"۔

مرجینا کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر ملکہ بیگم کا ذہن ایک مرتبہ پھر خلا میں لٹک کر رہ گیا۔ اپنے آس پاس آندھیوں کا شور سُنائی دیا۔ جس میں ایک معصوم اور ننّھی سی بچّی کے رونے کی آواز اسے بے کل کیے دیتی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے کہا۔

"مرجینا ــــــ! میں کوشش کروں گی اُسے بھول جاؤں مگر کیا یہ ممکن بھی ہو گا۔ میری بیٹی کوئی خواب نہیں، کوئی سُراب نہیں جسے اتنی آسانی سے بھول جاؤں"۔

"حقیقت خوابوں سے تلخ ہوتی ہے بیگم حضور! اپنے جذبات کو قابو میں رکھیے اور یہ نہ بھولیے! دیواریں بھی کان رکھتی ہیں۔ آپ کی زبان سے نکلا ہوا صرف ایک لفظ قیامت کا رُوپ دھار لے گا۔ اگر کسی کے کانوں میں اس راز کی بھنک بھی پڑ گئی تو ہم دونوں پھانسی پر لٹک جائیں گی اور اس معصوم کی جان مفت میں ضائع جائے گی جسے ہم نے اپنی اُمیدوں کا مرکز بنا لیا ہے ــــــ"

کنیز نے شاہی پالنے کی طرف اشارہ کیا جس میں خانہ بدوش لڑکا محوِ خواب تھا۔ ملکہ کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا وہ جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے۔ مرجینا نے اُسے جس خطرے کی طرف توجہ دِلائی تھی وہ کسی وقت بھی عملی شکل اختیار کر سکتا تھا پھر لڑکی کے بدلے لڑکے کا سودا اس نے کیا تھا اور اصولی طور پر اب اُسی کو اپنا لختِ جگر سمجھنا چاہیے تھا جسے وہ ولی عہد مشہور کر چکی تھی۔ جسے نواب فرخ نے بچشمِ خود دیکھا تھا لیکن وہ اپنی بدنصیب بچّی کی محبت کو کس گڑھے میں دفن کرتی جو طوفان کی لہر بن کر دِل میں اُمڈی آئی تھی۔ ایک لمحہ خاموش خاموش رہ کر اس نے کنیز کو ایک عجیب سی اُلجھن میں مبتلا کر دیا۔

بے اختیاری میں زبان پر آگئی تھیں ۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھار بھی دیکھی تھی جو یقیناً ایک عورت کی مظلومی کا پتہ دے رہی تھی ۔ ملکہ تو شاید کسی قدر سنبھل گئی لیکن کنیز کا دِل کسی نمعلوم خوف سے کانپ اُٹھا اور اس کی آنکھوں میں ایک ایسی حیرت کروٹیں لے رہی تھی جس نے ملکہ بیگم کو اُلجھن اور پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا ۔

"کیوں ـــــــ تم مجھے دیکھ کر خوف زدہ کیوں ہوگئیں مرجینا" !

پھر یک لخت فرطِ جذبات میں ملکہ بیگم کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو گرنے لگے وہ رُندھے ہوئے لہجے میں کہنے لگی ۔

" ٹھیک ہے ، تمہیں مجھ سے ڈرنا ہی چاہیئے ۔ مَیں ایک ایسی عورت ہوں جس نے ناگن کی طرح اپنی بچّی کو پیدا ہوتے ہی نگل لیا ـــــــ ضرور میری صورت سے خوف آتا ہو گا ...."

فوراً ہی مرجینا کا کپکپاتا ہاتھ اپنی مالکن کے ہونٹوں پر رینگ گیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولی ۔

" ہوش کیجئے ملکہ حضور ـــــــ ! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ؟"

"تم ان باتوں کو شاید ابھی نہ سمجھ سکو مگر اتنا تو جانتی ہو مائیں اپنے بچّوں کو کلیجے سے لگا کر رکھتی ہیں اور مَیں ـــــــ کیسی بدنصیب ماں ہوں ۔ اپنی بچّی کو سینے سے بھی نہ لگا سکی ...."

ملکہ بیگم کے لہجے میں درد کا زہر گھُلا ہُوا تھا ۔ وہ کہتی رہی ۔

" ذرا سوچو تو سہی ۔ تم نے کبھی ایسی برگشتہ قسمت بچی دیکھی ہے ۔ اس نے ایک ملکہ کی کوکھ سے جنم لیا لیکن ہماری ضرورت اُسے خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر پھینک آئی "

مرجینا چُپ چاپ ، گم صم سُنتی رہی پھر بولی ۔

" آپ بھول رہی ہیں ۔ ہم نے تقدیر سے ایک سودا کیا ہے ۔ ہیرا دے کر پتھر خریدا ہے ۔ پھُول کے بدلے زخم لیا ہے ـــــــ پھر بھی یہ سودا مہنگا نہیں "۔

" یہ کیوں نہیں کہتی ، ہم نے ایک ننھّی سی کلی کو حالات کی آگ میں جھونک دیا ہے"۔

" پھولوں کی تمنّا میں کبھی کبھی شعلوں سے کھیلنا پڑتا ہے بیگم حضور" !

کمرہ میں باریابی کی منتظر ہے ۔ اگر حکم ہو تو اُسے اُوپر بُلا لیا جائے "۔
" تم نے خوب یاد دلایا ۔ میں تو پارو کو بھول ہی گئی تھی "۔ پھر وہ کنیز کو ہدایات دینے لگی ۔
" ساؤ سے کہہ دو اُسے آنے دے ۔ مَیں ساتھ والے کمرہ میں ملوں گی لیکن اس سے پہلے تمہیں میرے قصر سے کچھ قیمتی پارچات، زیور اور سکّے لانا ہوں گے ۔ مَیں اسے خالی ہاتھ رخصت نہ کروں گی ——— دُنی چند وفادار اور محبِّ وطن ہے اور اس کی بہن پہلی مرتبہ اپنی سسرال سے لوٹی ہے ۔ جاؤ یہ سب کام تمہیں کرنا ہوں گے "۔
پھر مرجینا تو زینہ اُتر گئی اور ملکہ بیگم نرم قدموں سے چلتی ملحقہ کمرے میں آئی جو کافی وسیع و عریض اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے ہندوستانی نوابوں کے ذوق آرائش کا ایک عمدہ نمونہ تھا ——— ملکہ بیگم ہولے سے ایک ریشمی گدیلے پر بیٹھ کر پاروتی کا انتظار کرنے لگی ۔

سردار جگو کب اور کس طرح قصرِ سفید کے گول کمرے میں پہنچا ؛
ملکہ بیگم اس کے متعلق کچھ بھی نہ جانتی تھی ۔ بہرحال مرجینا کے اشارے پر جب وہ گول کمرے میں آئی ۔ سردار بچّی کو گود میں اُٹھائے ایک کونے میں چُپ چاپ کھڑا تھا ۔ بیگم ہَوا کے جھونکے کی طرح داخل ہوئی اور دوسرے لمحے سردار نے بچّی اس کے بازوؤں پر ڈال دی ۔ جگو کو بھی ایک ماں کی مامتا اور تڑپ کا حال اسی وقت معلوم ہُوا جب اس نے ملکہ بیگم کو والہانہ انداز میں اپنی بیٹی کو سینے سے لگاتے، پیار کرتے اور ننھے ننھے گورے پاؤں کے تلوؤں سے پیشانی تک اس کا انگ انگ چُومتے دیکھا ۔
جب اس نے بچّی کو چھاتی سے لگا کر بھینچ لیا تو یوں محسوس ہونے لگا ۔ جیسے وہ اس کے ننھے مُنّے وجود کو اپنے سراپا میں جذب کر لینا چاہتی ہے ۔ اس کی آنکھوں میں مامتا کی ایک ایسی چمک تھی ۔ جو سردار نے آج تک کسی عورت کی آنکھوں میں نہ دیکھی ہو گی ۔ اس کے پیار میں ایسا بھاؤ تھا کہ بچّی بھی اس سے چمٹی ٹک ٹک چہرے کو دیکھتی رہی جیسے پُوچھ رہی ہو ۔
" ماں ———! تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔ اتنی مضطرب اور بے چین کیوں ہو ۔

"تم جو کچھ کہتی ہو میں وہی کروں گی لیکن ایک بار بیٹی سے مِلا دو مرجینا! صرف ایک بار ——— اسے اپنے سینے سے لگا کر پیار کرنا چاہتی ہوں۔ پھر اسے ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں گی۔ میں یہ حسرت لے کر مرنا نہیں چاہتی کہ اپنی بیٹی کی پیشانی پر بوسہ بھی نہ دے سکی"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو ذرا سا شبہ ہو گیا تو سب کچھ بگڑ جائے گا"۔

"کوئی صورت نکالو! میری اچھی مرجینا! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھول سکوں گی"۔

ملکہ کے لہجے میں التجا تھی، درخواست تھی، تڑپ تھی۔ مرجینا بے چین ہو گئی۔ اپنی بیگم کی طبیعت اور مزاج سے خوب آشنا تھی۔ اس نے آج تک نواب فرخ سے بھی کوئی التجا نہ کی ہو گی لیکن اب وہ اپنی کنیز کے سامنے ایک کنیز کی طرح درخواست کر رہی تھی ——— مرجینا کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر اس کے دِل میں اُمید کی ہلکی سی شعاع اُبھری

"میں کوشش کروں گی بیگم حضور ———!"

"کوشش نہیں، یقین دلاؤ، میں اپنی بچّی کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہی ہوں"۔

ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد مرجینا نے جواب دیا۔

"بہت اچھا، میں کل سردار جگو کو کسی بہانے محل میں لے آؤں گی۔ بچّی اس کی گود میں ہو گی، ملاقات کا بندوبست بھی ہو جائے گا مگر آپ کو اعلیٰ حضرت سے ایک فرمائش کرنا ہو گی"۔

"کیسی فرمائش؟"

"ولی عہد کا صدقہ اتارنے کے لیے آپ ان تمام بچّوں کو محل میں بلوائیں گی جو اسی چاند میں پیدا ہوئے ہیں صرف یہی ایک تدبیر ہے جس سے سردار جگو سے ملاقات ممکن ہے"۔

"اس موقع پر اگر اعلیٰ حضرت ساتھ رہے تو کیا ہو گا؟"

"فکر نہ کیجیے، انھوں نے صدقہ اتارنے کی رسم میں دِل چسپی لی تو بھی میں انہیں ہٹا لوں گی قصرِ سفید میں سردار جگو چند لمحوں کے لیے حاضری دے سکے گا"۔

مرجینا کی تجویز سے ملکہ بیگم کو اپنی بچّی سے مِلنے کی توقع بندھ گئی، وہ تصوّر ہی تصوّر میں اسے چھاتی سے لگا کر پیار کرنے لگی کہ یک لخت کنیز نے اُسے توجہ دلائی۔

"بیگم حضور ———! میں نے پاروتی کو روک لیا تھا، وہ اس وقت آپ کے

زیب بکس پڑا تھا۔ ملکہ بیگم نے آگے بڑھ کر وہ بکس اٹھایا اور اس کا ڈھکنا کھول دیا۔ ہیروں کی چمک سے جگو کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں ۔ یہ ایک بیش قیمت طلائی ہار تھا جس میں بڑی مناسبت سے سات ہیرے جڑے گئے تھے۔ بیگم نے وہ بکس سردار جگو کی طرف بڑھا دیا۔

"سردار ——— ! جب میری بیٹی جوان ہو اور اس کی عمر بیس سال کو پہنچ جائے تو میری طرف سے یہ ہار اُسے پہنا دینا۔ کہنا یہ تمہاری بدنصیب ماں کی آخری نشانی ہے وہ تمہیں اور کچھ نہ دے سکی"۔

جگو نے وہ بکس اپنی صدری کی اندرونی جیب میں رکھ لیا پھر بیگم نے طلائی مہروں کا ایک توڑا پیش کیا۔ اس میں اشرفیوں کے علاوہ بیش قیمت ہیرے جواہرات تھے۔

"یہ اس معصوم کی پرورش کے لیے ایک حقیر سی پونجی ہے"۔

"نہیں ——— نہیں ———" جگو نے طلائی مہروں کا توڑا پرے ہٹا دیا اور پُرعزم، پُراعتماد آواز میں بولا۔ "خانہ بدوش لڑکیاں ہیرے جواہرات اور اشرفیاں کھا کر جوان نہیں ہوتیں ملکہ بیگم ——— ! انہیں صرف جنگل کی کھلی اور آزاد ہوا چاہیئے پھر میری ہڈیوں میں ابھی اتنی سکت باقی ہے کہ میں اپنی بیٹی کے لیے کما سکوں۔ ڈرتا ہوں یہ طلائی مہریں' یہ ہیرے' یہ لعل و گوہر مجھے کاہل اور ناکارہ نہ بنا دیں۔ کہیں لوگ میری دیانت پر شک وشبہ نہ کرنے لگیں، کہیں میرے کانوں کو یہ آواز نہ سننی پڑے کہ سردار جگو نے یہ دولت کہاں سے چرائی ہے؟ معاف کیجئے! مجھے اپنی عزت دولت سے زیادہ عزیز ہے"۔

خانہ بدوش سردار کا یہ جواب سنکر ملکہ حیران وششدر رہ گئی۔ اُسے ایسے جواب کی توقع تو کہاں ہوتی وہم وگمان بھی نہ تھا۔ ایک کنگلا قبائلی لعل و گہر ٹھکرا رہا تھا۔ کیا یہ انہونی بات نہ تھی۔

"تمہیں یہ حقیر سا تحفہ قبول کرنا ہی پڑے گا سردار جگو! اب مجھے اطمینان ہے۔ میری بچّی غلط ہاتھوں میں نہیں پہنچی بلکہ وہ ایک غیرت مند باپ کے سایہ میں پرورش پائے گی۔ تم جیسا تجربہ کار انسان یقیناً ان قیمتی موتیوں اور طلائی مہروں کو زمانے کی نگاہوں سے چھپا کر مصرف میں لانا جانتا ہے۔ وقت نازک ہے سردار! بحث نہ کرو اور یہ توڑا کہیں چھپالو ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا"۔

مجبوراً خانہ بدوش نے جواہرات اور اشرفیوں کا توڑا اپنی صدری کے نیچے کمر بند میں اُڑس لیا۔ اسی لمحے مرجینا گھبرائی ہوئی آئی اور بولی "بیگم حضور! سردار کو جلد رخصت

مَیں جانتی ہوں، تم نے مجھے اپنے دیس کی آزادی پر قربان کر دیا ہے مگر اپنا دِل چھوٹا نہ کرو۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔ مَیں نے تمہاری کوکھ سے جنم لیا ہے۔ مَیں ملکہ بیگم کی بیٹی ہوں، آزادی کی قدر و قیمت جانتی ہوں۔ مجھے تو بس ہنستے مسکراتے قربان کرو اور اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ دو ــــــــ"

بچّی کو سینے سے لگاتے ہی ماں کی پلکوں سے ستارے ٹوٹنے لگے تھے۔ ان آنسوؤں کو دیکھ کر سردار جگو ایسے بہادر قبائلی کا دِل بھی تڑپ اُٹھا۔ وہ سوچنے لگا۔ یہ ماں بیٹی کا رشتہ بھی کتنا مقدس اور عظیم ہوتا ہے۔ اس کے سامنے تو شاید پہاڑ بھی پگھل جائیں۔

وقت کی نزاکت کا احساس دونوں کو تھا، بیگم جانتی تھی وہ زیادہ دیر تک سردار کو اپنے کمرے میں نہیں ٹھہرا سکتی مگر پھول کی طرح نازک، حسین اور سُرخ و سفید سی گڑیا کو دیکھ کر غالباً وہ بھول گئی تھی کہ ایک خطرناک کھیل کھیل رہی ہے۔ اس نے بیٹی کی پیشانی پر کپکپاتے ہونٹوں سے نہ جانے اپنے پیار کی کتنی مہریں ثبت کر دی تھیں پھر سردار کی طرف دیکھ کر گلوگیر سی آواز میں کہنے لگی۔

"مَیں سُنا کرتی تھی، ماں باپ اپنے بچّوں پر قربان ہو جاتے ہیں۔ لیکن تقدیر کی گردش نے تمہارے بیٹے اور میری بیٹی کو ہم پر قربان کر دیا ہے"۔

"ہم نے یہ سب کچھ اپنے وطن کی آزادی کے لیے کیا ہے ملکہ بیگم! بیٹے کی بجائے اگر آپ مجھ سے میری جان بھی طلب کرتیں تو مجھے کوئی عذر نہ ہوتا"۔

جگو کی بات سُن کر بیگم نے عجیب سی نظروں سے جن میں آنسوؤں کی چمک بھی شامل تھی اس کی طرف دیکھا۔" ماں باپ اپنی جان کو اولاد سے زیادہ عزیز نہیں سمجھتے۔ کاش! میری یا تمہاری جان لے کر یہ معاملہ ٹل سکتا اور ہمارے بچّوں کو شاخوں سے جدا نہ ہونا پڑتا۔ تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے جگو ــــــــ! لیکن ایک بات کا خیال رکھنا، شاہی محل کا یہ ننھّا سا پھول جنگل کی آب و ہوا میں مرجھا نہ جائے"۔

"فکر نہ کریں ملکہ حضور!" سردار مشفقی آمیز لہجے میں بولا۔" مَیں اس بچّی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ مَیں نے اس پھول کے بدلے اپنی زندگی کی آخری پونجی آپ کی نذر کر دی ہے پھر اس کا خیال کیوں نہ رکھوں گا اَب یہی تو میرا قیمتی سرمایہ ہے"۔

گول کمرے کے وسط میں آبنوس کی گول میز پر ہاتھی دانت کا ایک چھوٹا سا دیدہ

دخیرات کا مہتمم تھا، اسے جواب دیا تھا۔ خود آنے کی بجائے اسے اپنی بچی قبیلہ کی کسی دوسری عورت کے ہمراہ بھیجنی چاہیئے تھی۔ اب وہ واپس چلا جائے۔ اُس کا حصّہ جو پہلے سے نصف رہ گیا ہے ڈیرے ہی پر بھیج دیا جائے گا۔ شاید حاجب اس کے صدقہ کا نصف خود ہضم کرنا چاہتا تھا لیکن مرجینا نے جو سردار جگو ہی کا انتظار کر رہی تھی، فوراً بول اُٹھی۔

"نہیں خیر الدین! کسی کو واپس نہ کرو، مَیں سردار جگو کے بیٹھنے کا الگ انتظام کر دوں گی۔ ہمارے شہزادۂ عالی کی بارگاہ سے کوئی اُمیدوار خالی ہاتھ واپس نہیں جا سکتا۔"

اور اس طرح مرجینا اسے ساتھ لے کر قصرِ سفید میں آئی تھی۔ واپسی کے وقت بھی وہ اُسے پھاٹک تک چھوڑنے آئی اور یہی بات پہرے داروں کی حیرانگی کا باعث ہوئی تھی۔

"سکور کاکا ———! یہ اپنی مرجینا بھلا اس کنگلے سنگ کالیت آوے تھی؟"

"کا کھبر حیدری بھیا ———! ہمرے بھیجا میں یہ راج (راز) کی باتیں نا ہیں آوت ہیں۔ تم جانوں مرجینا کھوسی میں بھاگی پھرے ہے"۔

اور یہ کہہ گلہری کی دُم کی مانند گپھے دار مونچھوں والے شکور کاکا نے فخر سے گردن اُونچی کرتے ہوئے کمپنی سرکار کے ساتھ اپنے "خطرناک تعلق" کا اعلان کیا اور بولا۔

"ہمار تو کہت ہیں اب سالی کمپنی والی حکومت چاندنگر میں نا ہیں آوت حیدری بھیا! ولی عہد بڑے جور دار نصیبے والا نجر آوے۔ انگریج سالے کی کوئی پھریب کاری نہ چلنے دیوے"۔

"لو سکور کاکا ———! یو کیسے کہت ہو۔ تمہیں اپنی مونچھوں کے سوا کوئی باہر کی کھبر تو ہووے ناں"۔

حیدری نے اپنی خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔ جس کے ساتھ ہی شکور کاکا کا دایاں ہاتھ بے اختیار اپنی مونچھوں کی طرف اُٹھ گیا اور وہ ان کی دُم مروڑتے ہوئے بولا۔

"ہمار تو بس بھیتر کی کھبر رکھیں، باہر کی کھبریں جاننے کا جمانہ نا ہیں حیدری بھیا! اور یہ بھی جانت ہو ان مونچھوں کا محل کی عورتوں میں بڑا چرچا ہووے ہے۔ مولا قسم! ایک دو سو کریاں تو آسک ہوئی پھریں ہیں ہمار پر ———"

یہ حیرت انگیز خبر سنکر حیدری کے کان کھڑے ہو گئے بھلا وہ چھوکریاں کون سی ہیں جو شکور کاکا پر "آسک" ہو گئیں۔ اس نے تعجب سے آنکھیں پھیلائیں اور کہنے لگا۔

"آہا ——— کا کہت ہو ——— یہ مُنہ اور مسور کی دال"

کیجئے، اعلیٰ حضرت قصرِ سفید کی طرف آرہے ہیں۔ان کے ہمراہ جعفر بھی ہے۔مَیں نہیں جانتی ان کی اچانک آمد کا مقصد کیا ہے؟"

یہ خبر سنتے ہی بیگم بوکھلا سی گئی پھر اس نے جگو کی طرف دیکھا اور خانہ بدوش نے آگے بڑھ کر فوراً اپنے بازو پھیلا دیئے۔"لائیے! میری امانت مجھے واپس کر دیجئے!"

جب بیگم نے بچی کو سردار کے بازوؤں میں لوٹایا، اس وقت ماں کے دل پر کیا بیت رہی تھی، شاید کوئی شخص اس کی صحیح کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ملکہ بیگم کا دل کٹ رہا تھا رنگ متغیر ہو چلا تھا۔لبوں پر خاموشی کی مہر لگ گئی تھی۔بڑی مشکل سے صرف اتنا پوچھ سکی۔

"چاند نگر سے ڈیرہ کب اُٹھاؤ گے سردار!"

"خانہ بدوش شہروں اور بستیوں میں لمبے پڑاؤ نہیں ڈالتے۔آج ہی رخصت ہو جاؤں گا۔"

"پھر اس طرف کب آنا ہو گا؟"

"یہ کون جانتا ہے۔ہم بنجارے ہواؤں کی مانند اپنے رُخ بدلتے رہتے ہیں۔مَیں آپ سے جس قدر دُور رہوں اتنا ہی اچھا ہے ورنہ آپ جانتی ہیں انسان جذبات کا پُتلا ہے نجانے کب ٹوٹ پھوٹ جائے۔خدا حافظ! میری امانت کا خیال رکھیئے گا——"

یہ کہہ کر سردار جگو مرجینا کے ہمراہ عقبی دروازہ سے باہر نکل گیا اور ملکہ بیگم سحر زدہ حالت میں گم صم کھڑی رہی پھر خود بخود اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"خدا حافظ——!"

جگو چاند نگر کی محل سرا کا بیرونی پھاٹک عبور کر گیا تو دونوں پہرے دار تعجب سے دیکھتے ہی رہ گئے۔انہوں نے معنی خیز نظروں سے خانہ بدوش کی طرف دیکھا اور سوچنے لگے ولی عہد بھی کتنا فیروز بخت ہے۔اس کے پیدا ہوتے ہی کنگلوں کے بھاگ بھی جاگ اُٹھے انہیں کیا خبر تھی وہ جس خانہ بدوش کو کنگلا سمجھ رہے ہیں، وہی تو فیروز مندی کا آسمان تھا جس پر چاند نگر کا "چاند" طلوع ہوا تھا۔

چند عورتوں میں جو اپنے نوزائیدہ بچّے لے کر آئی تھیں، صرف سردار جگو تنہا مرد تھا۔اس نے حاجب کو بتایا اس کی بیوی بچی پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی اور حاجب نے جو صدقہ

"ہمار ناؤں ہووے سرکار!"

"ٹھیک ہے"

پھر جعفر نے معنی خیز نگاہوں سے شکور کاکا کا جائزہ لیا اور پوچھا۔

"ابھی ابھی ایک آدمی محل سے باہر گیا ہے۔ کیا تم جانتے ہو، وہ کون ہے؟"

"ناہیں سرکار! ہمار کو کوئی کھبر نہ ہووے"۔

پھر شکور کاکا نے جعفر کے چہرے پر مسکراہٹ سی دیکھ کر جرأت کی۔

"ہمار کھیال میں تو کوئی بنجارہ ہووے"۔

"بنجارہ؟"

"جی سرکار ——! مرجینا اسے جگو سردار کہت رہی"۔

"تو مرجینا اُسے لائی تھی؟"

"اور کا سرکار! مرجینا ناہیں ہووے تو کون مائی کا لال پھاٹک سے گجر سکے ہے"۔

"سب صدقہ لین والوں کو مرجینا ہی لاوے تھی سرکار!"

اس مرتبہ حیدری نے وضاحت کی۔ جعفر کے ہونٹوں پر ایک لمبی "ہوں" سسک کر رہ گئی پھر اس نے اپنی جیب سے چاندی کا ایک ایک روپیہ نکال کر دونوں بھیل پہریداروں کے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولا۔ "اگر سردار جگو پھر کبھی محل میں آئے تو ہمیں فوراً خبر کرو۔ تمہاری اطلاع وقت پر پہنچ گئی تو ہم تمہیں پانچ پانچ روپے انعام دیں گے"۔

"کوئی خاص بات ہووت سرکار؟"

"ارے تمہاری عقل گھاس چرنے تو نہیں چلی گئی۔ خانہ بدوش چور، لٹیرے ہوتے ہیں —— خبردار رہو۔ اگر اسے محل کے آس پاس بھی دیکھو تو ہمیں خبر کر دو"۔

یہ کہہ کر جعفر نے اُنہیں تولتی نظروں سے دیکھا اور چلا گیا۔ دونوں پہریداروں نے پہلے کی طرح مؤدب ہو کر سلامی دی۔

جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں گھورا اور اپنا اپنا روپیہ جیب میں ڈال لیا پھر شکور کاکا پھاٹک کے چبوترے پر بیٹھ کر اپنے ساتھی کو ان لڑکیوں کی باتیں سنانے بیٹھ گیا جو اس کی زوردار مونچھوں کو دیکھ کر "عاسک" ہو گئی تھیں اور حیدری کے چہرے پر حیرت کی لکیریں بنتی بگڑتی رہیں۔

"مولا قسم! حیدری بھیا! کل جب تم بجار گئے ہان۔ دو کھوب صورت سوکریاں آن رہیں اور کہن لاگیں۔ تمار مونچھیں سیر کی دُم مافک جوردار نائیں بس ہمار کو آگیا تاؤ اور ان سے کہت رہے۔ آجما لو، سیر سے جوردار ہووین ہیں اور ایک سوکری تو ہمار ان مونچھوں کو کھینچ کھونچ کے بیٹھ رہی پر تم جانو سوکری ہیں کا جور ہووے جیت ہمار ہاتھ رہی ——"

حیدری پہ ایک مرتبہ پھر حیرت و استعجاب کا دَورہ پڑا۔

"تم جانو ہو ان سوکریوں کو؟"

"اور کا نہ جانوں؟"

"کون ہووین؟"

"ہمار کھیال ہیں وہ جمانی بیگم کی باندیاں ہووین۔"

یہ سنکر حیدری ایک دم اُچھل سا گیا۔ بھلا زمانی بیگم کی باندیوں کا محل میں کیا کام؟ اس کے من میں کُھد بُد ہونے لگی۔ بھلا وہ شکور کا کا پر ڈورے ڈالنے کیوں آئیں؛ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نے دریافت کیا۔

"پھر کا ہوا سکور کا کا ——! تم چپ کاہے ہو رئے؟"

"اس سمان جرا چپ رہیو۔ وجیر صاحب آوت ہیں یہ چلے جاوت تو ہمار سب کچھ بتار ہیں گے۔"

حیدری نے نظر اُٹھائی تو واقعی وزیر سلطنت جعفر برنجی پھاٹک کی طرف چلا آرہا تھا مگر یہ دیکھ کر بہت حیران ہُوا کہ خلافِ معمول وہ اس وقت اکیلا ہی تھا حالانکہ اس کے آگے پیچھے تین تین چار چار "لونچڑے" لگے رہتے تھے۔ برنجی پھاٹک کے دونوں پہریدار سنبھل کر کھڑے ہو گئے اور حیدری نے تو اپنی لمبی نالی کی بندوق بھی سنبھال لی۔

جعفر بگولے کی طرح تیز تیز چلا آتا تھا جیسے کسی کا تعاقب کرتا آرہا ہو۔ جب قریب پہنچا تو دونوں پہرے داروں نے مؤدب ہو کر سلامی دی۔ جعفر آگے بڑھنے کی بجائے وہیں رُک گیا اور پہرے داروں کے قریب آکر بولا۔ "تم دونوں میں شکور کا کا کون ہے؟"

یہ سنتے ہی شکور کا کا کے چہرے کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا۔ اس نے فوجی سپاہیوں کی طرح ایک قدم آگے بڑھ کر کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔

واقعہ تھا۔جس کے سامنے کسی سوگ اور ماتم کی گنجائش نہ تھی۔

اس نے بچّی کا نام "شہزادی" رکھا اور خانہ بدوشوں کو ہدایت کی وہ زینو کا سوگ بُھول کر چاند نگر کے ولی عہد کا جشنِ ولادت منائیں۔قبیلہ کے کئی افراد نے سردار کے اس حکم پر تعجب کا اظہار کیا تھا۔

خانہ بدوش کسی ریاست، کسی سلطنت، کسی حکومت سے وابستہ نہ تھے پھر اُنہیں چاند نگر کے معاملات ——— سے کیا سروکار، ان کی راج دُلاری تو "شہزادی" تھی جس نے سردار جگو کے گھر جنم لیا تھا وہ ولی عہد کا جشن کیوں منائیں؟

جندو بڑے کرخت اور درشت لہجے میں بولا۔

"سردار! کیا ہم نے چاند نگر کی نوکری کر لی ہے؟"

"خانہ بدوش کسی کے چاکر نہیں ہوتے۔وہ جنگل کی ہواؤں کی طرح آزاد ہیں"۔

"پھر چاند نگر کے شہزادہ کا جشنِ میلاد کیوں؟"

یہ واقعی ایک اہم سوال تھا۔سردار نے انہیں چاند نگر کی آزادی اور کمپنی سرکار کی جوع الارضی کی کہانی سنائی۔ملک کو انگریزی سازشوں اور وسیلہ کاریوں سے بچانے اور آزادی کی اہمیت سے آگاہ کیا۔آخر میں کہا۔"انگریزی فوج نے کئی ریاستوں کی آزادی کو کھا لیا ہے۔ ہمیں چاند نگر کی آزادی سے دل چسپی ہونی چاہیے۔آخر ہم اسی دیس کے رہنے والے ہیں"۔

"ہمارا کوئی دیس نہیں سردار! ہم جنگل کے باسی ہیں جنگل پر نہ مغلوں کی حکومت ہے نہ مرہٹوں کی، نہ انگریزوں کی ——— جب انگریز ہمیں جنگل سے نکلنے آئے گا ہم سوچیں گے ہمیں کیا کرنا چاہیے"۔

پھر سب لوگوں نے سردار کی گرجتی، کڑکتی ہوئی آواز سنی۔

"جندو! ہم آزاد ضرور ہیں مگر ہر اس ملک کے دوست بھی ہیں۔جو ہماری طرح آزاد رہنا چاہتا ہے۔چاند نگر کے نواب فرخ اور ملکہ بیگم نے ہمارا ہمیشہ احترام کیا ہے ہم اُنہیں اپنا دوست سمجھتے ہیں پھر ان کی خوشیوں میں کیوں شریک نہ ہوں؟"

جبھی خانہ بدوش شہر کی ان تقریبات کو دیکھنے گئے تھے جو ولی عہد کے جشن ولادت کے سلسلہ میں تین روز منعقد ہوتی رہیں۔جب شاہی ہرکارے خانہ بدوشوں کے لیے

دونوں پہرے دار بھیلوں کی اس گونڈ گوت سے تعلق رکھتے تھے جو چاند نگر کی شمالی سرحد کے اس طرف طرف اُونچے پہاڑوں کے آس پاس پھیلی محض ڈھور ڈنگر پالتی اور اپنے صدیوں پُرانے پہاڑی اور میدانی مالکوں کی سیوا کرتی تھی۔ چار پانچ سال پہلے جب نواب فرخ شمال کی طرف سیر و شکار کے لیے گیا تو ایک جنگل میں شیر کا ہانکا کرتے ہوئے اِن دونوں بھیلوں نے حیرت انگیز بہادری دکھائی اور نواب کو درندے کے اچانک حملہ سے بچایا تھا۔ بس اسی وفاداری کے صِلہ میں دونوں چاند نگر کی محل سرا کے پہرے دار مقرر کر دیئے گئے تھے۔

چاند نگر میں یہ بھیل بہت جلد اپنی قیمتی روایات کو بھول کر نئے سانچے میں ڈھلتے گئے۔ ایک ہی سال کے اندر ان کے نام اور خیالات بدل گئے۔ اُنھوں نے پہاڑوں کی ترائی سے اپنے خاندان بھی چاند نگر میں منتقل کر لیے تھے۔ اب اُن کی عورتیں اور لڑکے بالے بھی شہری زندگی گزارنے لگے تھے۔ چاند نگر کی سرکار سے اُنہیں آٹھ وپلی ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور یہ اتنی کافی تھی کہ دونوں خاندان نہال ہو رہے تھے۔

کیا وہ لوگ جنھوں نے اتنی مدت تک چاندی کے ایک سکّے کی شکل نہ دیکھی اور بے رحم اجیر داروں اور ٹھاکروں کی بیگار میں زندگی کے دِن کاٹ رہے تھے۔ نواب فرخ اور ملکہ بیگم کے خلاف کسی سازش یا غدّاری کا تصوّر بھی کر سکتے تھے؟

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی برنجی پھاٹک پر پیش آنے والے غیر معمولی واقعات کی خبریں بیگم محل کی کنیزِ خاص مرجینا تک پہنچ چکی تھیں۔

سردار جگو جب محل سرا سے نکل کر نیلم ندی کی طرف روانہ ہوا، سورج شمالی پہاڑیوں پر رنگ بکھیرتا مغرب کی طرف رواں دواں تھا۔

وہی کھنڈر اس کا مسکن تھا جہاں گذشتہ دِنوں اس کی حسین اور جوان بیوی زینو نے زندگی کے آخری سانس لیے تھے۔ جہاں سردار جگو نے اپنا لختِ جگر چاند نگر کی شاہی مصلحتوں کے سپرد کیا اور اس کے عوض ملکہ بیگم کی بیٹی کو گلے لگایا۔ سردار قافلہ کو پیچھے چھوڑ کر بگولے کی طرح اڑتا چاند نگر آیا تھا۔ دوسرے روز اس کا قبیلہ بھی آپہنچا جب خانہ بدوشوں نے زینو کے انتقال کی خبر سنی تو قبیلہ کی رسم کے مطابق باقاعدہ سوگ منانا چاہا لیکن سردار نے اُنہیں روک دیا۔ چاند نگر کے ولی عہد کی پیدائش ایک ایسا مسرّت انگیز

"یہ جگو کی بیٹی ہے اور ہر مصیبت میں ہمارے ساتھ رہے گی۔ تم خیمے اُکھاڑ لو۔ اناج ہم کسی دوسری بستی سے خرید لیں گے"۔

اب کوئی شخص سردار کے حکم کی نافرمانی نہ کر سکتا تھا۔ اُسی وقت خیمے اور چھپر اُکھڑنے لگے۔ ڈھور ڈنگر، بھیڑ بکریاں، مینڈھے (جنہیں وہ شرطیں بد بد کر بڑے شوق سے لڑایا کرتے تھے) اکٹھے کر لیے گئے۔ سامان گھوڑوں، خچروں پر لاد لیا گیا اور جگو بھی شہزادی کو گود میں لے کر اپنی سفید گھوڑی پر آ بیٹھا پھر سورج کی ڈوبتی شعاعوں کے درمیان خانہ بدوشوں کا کارواں جو ڈھائی سو افراد پر مشتمل تھا انہی راستوں پر ہو لیا۔ جو شمال کے جنگلوں کی طرف اُن کے پرانے مسکنوں کو جاتے تھے۔

شمالی علاقے میں جگو کا قبیلہ تمام خانہ بدوش قبائل سے بڑا اور دوسروں کی نسبت کسی قدر متمدن بھی تھا۔ اس کی وجہ جگو کی سرداری تھی جس نے اہلِ قبیلہ کو تعلیم سے تو بہرہ ور نہ کیا لیکن ہنر ضرور سکھائے تھے۔ قبیلہ کے کئی ہزار افراد ایک بستی کی مانند آباد ہوتے اور جنگل کی ہری بھری چراگاہوں کے پاس پڑاؤ کرتے تھے۔ مویشی پالنا اور اُون جمع کرنا ان کا محبوب پیشہ تھا۔ وہ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں فروخت بھی کرتے جن سے اُنہیں خاصے دام مل جاتے تھے۔ عام بنجارے اور خانہ بدوش جو ہندوستان کے مختلف مقامات پر رہتے اکثر چھوٹی چھوٹی دستکاریوں پر گذر بسر کرتے تھے۔ کائی اور گھاس پھوس کی ٹوکریاں بنانا، بچوں کے لیے مٹی کے کھلونے تیار کرنا۔ مختلف پھلوں کے لیے بڑے بڑے بیوپاریوں کو پھلچی کے ٹوکرے مہیا کرنا۔ منشی اشیاء بیچنا۔ بازی گری کے کرتب دکھانا یا پھر نقب لگانا اور اندھیری راتوں میں چوری کرنا ان کے خاص کاروبار تھے۔ کبھی کبھار وہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اغوا کر لیتے اور اُنہیں بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے۔ اسی لیے ان لوگوں کو اکثر شہروں اور بستیوں کے قرب و جوار ہی میں رہنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے ٹھکانے ضرور بدلتے رہتے تھے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بعض اوقات کئی کئی ماہ تک ایک ہی آبادی کے قریب پڑی رہتی تھیں مگر جگو کا قبیلہ سالہا سال سے گھوڑے اور مویشی پالتا اور اُنہیں فروخت کر کے اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرتا تھا۔ اُسے اُن ذلیل پیشوں سے نفرت تھی جو شہروں کے آس پاس گھومنے والے بادیہ نشین قبیلوں کا جزوِ زندگی بن چکے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد جب جگو نے سرداری سنبھالی تو نہ صرف مویشی پالنے کو فروغ دیا بلکہ بھیڑوں کی اُون کو بھی ذریعہ

بھی تحائف لے کر پہنچے اور ہر فرد کو چاندی کی مہریں عطا ہوئیں تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ پھر سردار کے حکم پر خانہ بدوشوں نے جشن منایا۔ ناچ کیے اور مینڈھے لڑائے تھے۔

تیسرے پہر جب سردار جگو محل سرا سے لوٹا۔ اس نے ڈیرے میں آتے ہی وہ پانچ سو مہریں خانہ بدوشوں میں تقسیم کر دیں جو ولی عہد کے صدقے میں ملی تھیں۔ سب لوگوں نے جوشِ مسرّت میں "سردار جگو ——— زندہ رہے" کا نعرہ لگایا تھا۔ سردار اپنی "شہزادی" کو سینے سے لگائے چُپ چاپ کھڑا رہا پھر بولا۔

"جندو ——— بونگی ——— سلمان!"

تین آدمی ایک ایک قدم آگے بڑھ آئے۔ سب کا خیال تھا شاید سردار انہیں کسی مہم پر بھیجنا چاہتا ہے مگر اس کا حکم سُن کر سبھی دنگ رہ گئے۔ اس نے کہا۔

"ڈیرہ اُٹھالو۔ ہم آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"۔

سلمان نے جو کسی قدر بوڑھا تھا جرأت کر کے کہا۔

"سردار! ہمیں چاند نگر آئے بس چھ ہی دن تو ہوئے ہیں ابھی ہم نے سال بھر کے لیے اناج آٹے کا بندوبست بھی نہیں کیا اگر کچھ دن اور ٹھہر جاتے تو اچھا تھا۔ اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟"

منگو نے بھی چند روز مزید ٹھہرنے پر زور دیا۔ معلوم ہوتا تھا اہلِ قبیلہ ابھی شہر سے جانا نہیں چاہتے ممکن ہے ولی عہد کی ولادت پر اُنہیں خلافِ توقع جو انعامات ملے تھے وہی اس مرتبہ شہری دل چسپی کا سبب بن گئے ہوں۔ ابھی تک انہوں نے اشیائے ضرورت بھی نہیں خریدی تھیں۔ خانہ بدوش جنگل سے نکل کر جب کبھی شہروں اور بستیوں میں آتے تو سال بھر کے لیے اناج کے توڑے اور دیگر سامان بھی گھوڑوں اور مویشیوں پر لاد کر لے جاتے تھے لیکن سردار کا فیصلہ اٹل تھا۔

"جس نگری میں زینو کی قبر بن چکی میں وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکوں گا"۔

"سردار! یہ بھی سوچ لیا۔ یہ ننھی سی جان سفر کی صعوبت سہار لے گی"۔

لونگی نے شہزادی کی طرف اشارہ کیا جو سردار جگو کے سینے کے ساتھ لگ کر سو گئی تھی جگو نے بچّی کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بولا۔

اُتر کر ابھی اس درّے میں سفر کر رہے تھے جو پہاڑوں کے درمیان سانپ کی طرح پیچ و خم کھاتا شمالی وادیوں میں نکل جاتا تھا کہ اچانک ریاستی پولیس کے آٹھ دس سوار اسی کھنڈر کے پاس آپہنچے جہاں تھوڑی دیر پہلے خانہ بدوشوں کے خیمے ایستادہ تھے۔ اُنہوں نے اپنے گھوڑوں کو کھنڈر سے اِدھر ہی روک لیا تھا۔ پھر ان کا افسر بڑبڑانے لگا۔

"گھوڑے موڑ لو ——— ہم جس کی تلاش میں آئے تھے وہ جا چکا۔"

پھر چند لمحوں کے بعد ہی افسر وزیرِ سلطنت جعفر کی حویلی میں کھڑا اُسے اطلاع دے رہا تھا۔ "سرکار ——— ! وہ لوگ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی جا چکے تھے۔"

یہ خبر سنکر جعفر حیران و ششدر رہ گیا۔ "کیا بکتے ہو۔ ابھی ایک پہر نہیں گزرا میں نے ان کے سردار کو محل سرا سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"مگر جب ہم پہنچے وہاں خاک اُڑ رہی تھی۔"

"تم نے ان کا تعاقب کیا ہوتا۔ وہ زیادہ دُور نہ گئے ہوں گے"۔ پھر جعفر کسی سوچ میں کھو گیا اور ایک لمحہ کے بعد اس نے حکم دیا۔ "تم جاؤ، تعاقب کی ضرورت نہیں۔"

افسر سلام کر کے رخصت ہوا۔ تھوڑی دیر پہلے جعفر نے سردار جگو کو محل سرا سے نکلتے دیکھا تھا۔ اب اپنے افسر کی زبانی بنجاروں کے اچانک کوچ کی خبر سن کر وہ اور زیادہ شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ حقیقت تو یہ ہے۔ ولی عہد کی ولادت نے جعفر کے تمام منصوبے خاک میں مِلا دیئے تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اقتدار حاصل کرنے اور ذاتی مفاد کی خاطر ملک و قوم کو فروخت کر دینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اسے شُبہ تھا کہ ولی عہد کے سِلسلہ میں اس قدر احتیاط برتنا، خدمت گزار عورتوں کو بھی ملکہ بیگم کے کمرۂ خاص سے دُور رکھنا، مرجینا کا پُراسرار بھاگ دوڑ کرنا ضرور کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن وہ کوشش کے باوجود کسی ایسی بات کا سُراغ نہ لگا سکا تھا۔ جو اس کے شُبہ کو مزید تقویت دے سکتی۔

ولی عہد کا صدقہ اتارنے کے لیے کم و بیش آٹھ دس عورتیں بُلائی گئی تھیں۔ جو نوزائیدہ بچّوں کو ساتھ لے کر آئی تھیں مگر خانہ بدوش سردار بھلا خود کیوں آیا ——— کیا وہ بھی اپنی بچّی قبیلہ کی کسی عورت کے ہمراہ نہ بھیج سکتا تھا اور مرجینا سایہ کی طرح اس کے ساتھ کیوں لگی رہی؟ انہی باتوں کی ٹوہ لینے کے لیے اس نے سردار جگو کو گرفتار کرنا چاہا تھا۔

تجارت بنایا۔

اُس کے قبیلہ کے لوگ گھوڑوں کے عاشق اور ان کی پرورش کرنے میں ماہر تھے۔ اسی لیے ان کی زندگی زیادہ تر جنگل کے آس پاس قدرتی چراگاہوں میں گزرتی تھی۔ اسی باعزت کاروبار سے وہ دوسرے خانہ بدوش قبائل سے ممتاز اور معزز سمجھے جاتے تھے۔

صرف پگی کا قبیلہ ان کا حریف تھا جو تجارت کی آڑ میں چوری اور ڈکیتی میں بھی نامور تھا۔ ایک دفعہ اس کے بعض افراد جگو قبیلہ کے گھوڑے اور مویشی چُرا لے گئے۔ جس پر دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی ٹھن گئی تھی۔ جگو اپنے مویشی تو ہانک لایا لیکن لڑائی کی آگ گاہے گاہے بھڑک اُٹھتی تھی جس کے شعلوں نے سردار کی نبضوں میں دوڑتا ہُوا قبائلی خون کھولا دیا۔ وہ اپنے آدمیوں کو قبائلی جنگ کی تربیت بھی دینے لگا۔

خانہ بدوش برچھا پھینکنے اور کلہاڑی چلانے میں اس قدر طاق ہو گئے کہ اندھیرے میں آواز پر نشانہ لگا سکتے تھے مگر جب سے پگی مرا اس کا قبیلہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا تھا البتہ سردار جگو نے جنگی تربیت بند نہ کی۔ اب تو اس کے قبیلہ کی لڑکیاں بھی تیر چلا سکتی تھیں جنگل کی آزاد فضاؤں میں وہ لوگ مینڈھے اور بیل لڑاتے، گھوڑے دوڑاتے، کلہاڑی چلانے کی مشق کرتے، اپنے تہوار مناتے اور اکثر چاندنی راتوں میں رقص و نغمہ کی محفلیں بھی منعقد کرتے تھے جن میں خانہ بدوش لڑکیاں اپنے لوک ناچ سے اِن کے دل بہلاتی تھیں۔

سردار جگو نے شمالی جنگلوں کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ بعض اوقات وہ ایک ہی جنگل میں دو دو تین تین سال گزار دیتا پھر نئی چراگاہوں کی تلاش میں نکل جاتا تھا۔ گذشتہ سال وہ تجارت ہی کی غرض سے چاند نگر آیا۔ نواب فرخ نے اپنی فوج کے لیے اس سے کچھ گھوڑے خریدے تھے اور ملکہ بیگم نے خفیہ طور پر اس سے ریاست کی آزادی کا مقدس حلف لیا تھا کیونکہ سردار کی بیوی انہی ایام میں حاملہ ہوئی تھی۔ اب وہ مقدس حلف پورا کرنے کے بعد انہی جنگلوں کی طرف واپس جا رہا تھا جہاں اس کے قبیلہ کی دوسری ٹکڑیاں آباد تھیں۔

سردار نے غیر متوقع طور پر اچانک ہی کوچ کا حکم سنایا اور اپنے قبیلہ کو لے کر بگولوں کی طرح شہر کی حدود سے باہر ہو گیا مگر خانہ بدوش پہاڑی گھاٹیوں سے

(۳)

چاند نگر میں خوشیاں رقص کر رہی تھیں اور بیگم محل ان خوشیوں کا گہوارہ تھا۔ جہاں ننّھا خانہ بدوش ریاست کی قسمت کا مالک بن کر شہزادگی کے پنگوڑے میں جھول رہا تھا۔

ملکہ بیگم کے دِل پر اپنی معصوم بچّی سے بچھڑنے کا زخم ابھی تک موجود تھا لیکن وقت کا مرہم آہستہ آہستہ اس زخم کو مندمل کر رہا تھا۔ مرجینا کی تسلّی و تشفّی نے اس گھاؤ کو بھرنے میں بڑی مدد دی تھی۔ حقیقت کچھ اور سہی مگر اب ننھا خانہ بدوش ہی ملکہ کی اُمیدوں کا مرکز تھا جو "شہزادہ قاسم" کے نام سے پرورش پا رہا تھا۔ ہولے ہولے ملکہ بیگم کے دِل میں بھی ممتا کا دھارا ایک نیا رُخ اختیار کرنے لگا۔ چند ہی روز میں وہ "شہزادہ" سے سچ مچ بیٹے کی طرح پیار کرنے لگی۔

وزیرِ سلطنت جعفر کے رویّہ میں بھی حیرت انگیز تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ ملکہ بیگم کے لیے یہ خبر مسرت انگیز ہی تھی کہ نوجوان اور حسین زمانی بیگم جو عرصہ تک محل سرا کے خواب دیکھتی رہی اب وزیرِ جنگ اکبر کے بیٹے حیدر سے منسوب ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں بوڑھے اکبر جنگ نے نواب فرخ سے مشورہ کیا اور اس خیال کے پیشِ نظر اجازت ضروری سمجھی تھی کہ کسی وقت زمانی بیگم انہی کی اُمیدوار تھی۔ نواب تو خود اس حسین بَلا سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً اجازت دے

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ حویلی کا برآمدہ عبور کر کے اپنے کمرہ میں آیا تو اس کے چہرے پر شکست اور جھنجلاہٹ کے آثار تھے۔ جیسے شکار اس کے ہاتھوں میں آتے آتے نکل گیا ہو۔ ناکامی اور مایوسی کا صدمہ دور کرنے کے لیے اس نے شراب کا پیالہ بھرا ہی تھا کہ اس کی حسین اور جوان بہن زمانی بیگم کمرے میں داخل ہوئی۔ جعفر نے جلدی جلدی پیالہ حلق میں انڈیلا پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ زمانی بیگم کے چہرے پر بھی حسرت و مایوسی نے سائے ڈال رکھے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کسی خیال کے تحت کہتے کہتے رک جاتی ہے۔ جعفر نے خود ہی بات شروع کی "زمانی! میں نے تمہاری قسمت کے ستارے کو مہتاب و آفتاب میں بدلنے کی کوشش کی۔ تمہیں چاندنگر کا مالک و مختار بنا دینا چاہا لیکن معلوم ہوتا ہے یہ قدرت کو منظور نہ تھا۔"

"مجھے اس بات کا کوئی افسوس نہیں"۔ زمانی کے عارضوں پر شرم و حیا کی سرخی دوڑ گئی تھی۔ "میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرے ستارے نواب فرخ سے نہیں ملتے نہ مجھے اس بوڑھے سے کوئی دلچسپی ہے"۔

"خیر ——— اب تو رنگ ہی بدل گیا ہے مجھے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا پڑے گا تمہارے لیے میں نے اکبر جنگ کے بیٹے حیدر کو پسند کیا ہے۔ اکبر نواب فرخ کا دیرینہ دوست بھی ہے اور وزیر جنگ بھی۔ نواب اس کے بیٹے کو بھی یقیناً کسی بڑے عہدے پر فائز کرے گا۔ اس طرح ہم ایک ایسے خاندان سے تعلق پیدا کر لیں گے جس سے بہت اہم کام لے سکتے ہیں ——— میرا خیال ہے تمہیں بھی اس تجویز سے کوئی اختلاف نہیں ہوگا؟"

یہ کہہ کر جعفر نے معنی خیز نگاہوں سے زمانی کی طرف دیکھا جو حیدر کا نام سنتے ہی مسرور نظر آنے لگی تھی۔ وہ ایک ایسا ہی نوجوان تھا جس کی اعلیٰ حیثیت اور مردانہ وجاہت نے اکثر لڑکیوں کو اپنا والہ و شیفتہ بنا رکھا تھا۔ خود زمانی بیگم بھی اُسے پسند کرتی تھی۔ بھائی کی زبان سے اکبر جنگ کے بیٹے کا نام سنا تو اس کے رخساروں پر شفق سی پھولتی چلی گئی مسکرائی پھر تیزی سے واپس بھاگ گئی۔

جعفر سمجھ گیا زمانی کو یہ رشتہ منظور ہے۔ اس نے شراب کا دوسرا پیالہ بھرا اور منہ کو لگا لیا مگر ابھی تک اس کے چہرے پر کسی گہری فکر کے سائے کانپ رہے تھے۔

راجستھان کی ریاستیں الور، جے پور، اودھے پور، جودھ پور اور بیکانیر جہاں راجپوت راجے صدیوں سے حکمرانی کرتے آرہے تھے داخلی جھگڑوں میں اُلجھ کر رہ گئی تھیں۔ ان کے حکمران پہلی سی راجپوتی شان کھو بیٹھے تھے اور ان سے یہ توقع قطعی عبث تھی کہ وہ ہندوستان پر منڈلانے والے انگریزی خطرے کا مقابلہ کر سکیں گے۔ انہیں صرف اپنی داخلی آزادی سے غرض تھی ہندوستان کو انگریز چھوڑ کتے اور بھیڑیئے چیر پھاڑ کھاتے۔

شمالی ہند میں پنجاب کے علاقہ میں سکھ سرداروں کا زور تھا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سربراہی میں خالصہ راج قائم تھا جس کی حدود کشمیر اور پشاور تک وسیع تھیں۔ نیپال میں گورکھے حکمران تھے لیکن انگریزی سیاست سے نہ گورکھے اُلجھنے کی ہمّت رکھتے تھے نہ سکھوں کو کمپنی سرکار کی فوجوں سے جنگ کا یارا تھا۔ جس نے اپنی عیاری اور فریب کاری سے ایک ہیئتِ حاکمہ حاصل کر لی تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا دستور العمل ہی بدعہدی اور مکاری تھا اس کی فوجیں جدید سامانِ حرب سے لیس تھیں۔ ہندوستانی حکمران پہلے تو آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے کے خلاف کبھی انگریزوں، کبھی فرانسیسیوں کی مدد حاصل کرتے رہے لیکن جب کلائیو نے فرانسیسی قوت کو شکست دے کر ہندوستان میں اچانک فوجی اہمیت حاصل کر لی اور وارن ہیسٹنگز نے اس طاقت کو سلاطینِ ہند کی باہمی آویزشوں سے وابستہ کر کے انگریزی برتری کے جھنڈے گاڑ دیئے تو کمپنی کی تجارتی پالیسی بڑی تیزی کے ساتھ سیاست و حکومت میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ اس نے چھوٹے چھوٹے قلعوں اور گوٹھیوں پر قبضہ جمایا پھر بنگال کے نواب سراج الدولہ کو میر جعفر ایسے ننگِ وطن غدّار سے سازش کر کے شکست دی اور نہ صرف بنگال پر قبضہ و اختیار پالیا بلکہ اس کے پاؤں مدراس تک پورے مشرقی گھاٹ پر پھیل گئے۔

دہلی کی مرکزی طاقت لال قلعہ میں دبک کر بیٹھ گئی تھی۔ شہنشاہ ہند شاہ عالم جو صرف نام کا شہنشاہ رہ گیا تھا مرہٹوں کا باجگزار تھا بلکہ مرہٹہ مہاراجہ سندھیا جی کا قیدی تھا۔ جس نے اس پر اپنا فرانسیسی جرنیل پیرون مسلّط کر دیا تھا۔ سندھیا خود تو اجین میں رہتا یا گوالیار کے قلعہ میں بیٹھ کر ان مرہٹہ سرداروں کو زیر کرنے کی تدبیریں کرتا جو ابھی تک اس کی مخالفت پر کمربستہ تھے مگر جنرل پیرون اس کی طرف سے دہلی اور آگرہ کا گورنر تھا

دی۔ دوسرے ہی روز نسبت ٹھہر گئی ۔اب شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں لیکن بوڑھے اکبر جنگ نے جعفر سے رشتہ و تعلق پیدا کر کے اپنے بیٹے کے روشن مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

یہ بات کون نہیں جانتا تھا۔ جعفر کو چاند نگر میں جو اعلیٰ اعزاز حاصل تھا وہ محض کمپنی سرکار کی بخشش و عنایت تھی ۔ اس دور میں جب کمپنی کے گورنر ہندوستانی ریاستوں پر دندانِ حرص و آز تیز کر رہے تھے اور انہوں نے مشرقی گھاٹ پر بہت سا علاقہ غصب کر کے وسطی ہند میں سازشوں کے دام پھیلا دیئے تھے ۔کسی ہندوستانی کا انگریزوں کی حمایت کا دم بھرنا صریح طور پہ ملک و قوم سے غداری تھی ۔

چاند نگر صدیوں سے آزاد و خود مختار تھا لیکن اٹھارہویں صدی عیسوی میں اکثر ہندوستانی ریاستوں کی طرح اس کی طاقت بھی کمزور ہو چکی تھی ۔ شاید اصل وجہ یہ تھی کہ دہلی کی مرکزی حکومت کمزور و بے بس تھی اور ہندوستان میں بیک وقت کئی طالع آزما قوتیں پیدا ہو گئی تھیں ۔جن میں مرہٹے سب سے زیادہ طاقت ور تھے ۔انہوں نے کئی مرتبہ دہلی پر نہ صرف کامیاب تاخت کی بلکہ اب مغل بادشاہ انہیں چوتھ بھی دے رہے تھے ۔ یہ ایک قسم کا جزیہ تھا جو طاقت ور کمزور حکمرانوں سے وصول کرتے تھے ۔ اگرچہ کچھ عرصہ پہلے احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کر کے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکستِ فاش دے دی اور ہندوستان پر ان کی حکمرانی کے خواب منتشر کر دیئے تھے لیکن ابدالی کی واپسی کے بعد دہلی کی مرکزی طاقت پہلے سے زیادہ ابتر تھی ۔اب ایک طرف مرہٹے اپنا اقتدار قائم کرنے کی فکر میں تھے ۔ دوسری طرف انگریزوں نے حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر لی تھیں اور ہندوستان کے بہترین علاقوں پر قبضہ و اقتدار جما کر بیٹھ گئے تھے ۔تیسری طرف میسور میں ایک نئی اسلامی طاقت ابھر رہی تھی جو ہر قیمت پہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینا چاہتی تھی لیکن دکن کے نظام کو اگر حیدر علی کا اقتدار اپنے لیے خطرہ نظر آ رہا تھا تو مرہٹے بھی اس نئی قوت کو مٹا کر اپنے عروج کے خواب پورے کرنا چاہتے تھے ۔

وسطی ہند میں اَودھ کی سرسبز و شاداب سرزمین کے آس پاس بھی انگریزی مصلحتوں کے شعلے بھڑک رہے تھے ۔ وہ حکمران جو شہنشاہ دہلی کے محافظ و نگران ہونے کی وجہ سے "نواب وزیر" کہلاتے تھے خود کمزور و پرشکستہ ہو چکے تھے اور نواب آصف الدولہ ابھرتے انگریزی خطرے سے لرزہ براندام تھا ۔

بنا لیا تھا۔ انگریز کا دستور العمل تھا۔

"پھوٹ ڈالو اور حکومت حاصل کرو۔"

اس دستور کے مطابق اس نے ہندوستانی ریاستوں میں سازشوں کے جال بچھائے اور متعدد حکمرانوں کو شکار کر کے اپنی سیاسی گنجی میں ڈال لیا۔ اب اپنی اپنی جگہ ہر حکمران انگریز کے خوف سے لرزہ بر اندام تھا۔

انہی ایام میں حیدر علی کے بہادر فرزند، شیر میسور سلطان ٹیپو نے ہندوستانی حکمرانوں کو انگریز کے خلاف متحد ہو جانے کی تحریک چلائی۔ اس نے اپنے مرہٹہ دشمن سندھیا سے بھی کہا کہ ہمارے آپس کے جھگڑے پھر بھی چکائے جا سکتے ہیں۔ انگریز نے زیادہ قوت اور سلطنت حاصل کر لی تو اسے ہندوستان سے نکالنا مشکل ہی نا ممکن ہو جائے گا اس لیے ہمیں اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف متحد ہو کر جنگ کرنی چاہیے۔

سندھیا نے پہلے تو سلطان کی دعوت پر آمادگی ظاہر کی پھر خاموش ہو گیا۔ نظام مرہٹوں کے ڈر سے پہلے ہی انگریز کی پناہ ڈھونڈ رہا تھا وہ بھلا ٹیپو کا ساتھ کیوں دیتا؛ جب کمپنی سرکار کو خبریں لگیں کہ حیدر علی کا بیٹا انگریزوں کو ہندوستان بدر کرنے کی سعی میں مصروف ہے اور جہاں اس نے والیانِ ہند کو اتحاد و یک جہتی کا پیغام دیا ہے وہاں سلطان ترکی، فرانسیسی حکمران نپولین اور شاہِ کابل شاہ زمان سے بھی نامہ و پیام کا سلسلہ جاری کر کے انگریزوں کے خلاف امداد طلب کی ہے تو کمپنی کا ہر افسر اور ہندوستان میں مقیم ہر انگریز سلطان ٹیپو کی جان کا دشمن بن گیا۔ انگریز گورنروں نے شیرِ میسور کے خلاف نظام اور مرہٹوں سے سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیئے۔

ٹیپو سلطان ہی نہیں ہر وہ محبِ وطن جو ہندوستان کی آزادی کا علم بردار اور انگریز کی غلامی کا دشمن تھا انگریزوں کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ اور قابلِ گردن زنی تھا۔ چنانچہ انگریزی فوجیں آزادی کا نعرہ لگانے والے ٹیپو کو سزا دینے کے لیے دکن کی طرف کوچ کرنے لگیں۔

جب انگریز، بڑے بڑے صاحبِ طاقت اور وسیع ذرائع رکھنے والے سلاطین ہند کو بھی آزادی کے جرم میں سزا دینے پر تیار تھا تو انگریزی طاقت کے سامنے چاند نگر ایسی چھوٹی سی ریاست کی حیثیت ہی کیا تھی۔ اسے تو شاید اس جرم کی پاداش

اس زمانہ میں مرہٹہ طاقت ایک مرتبہ پھر اپنے عروج پر تھی لیکن یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مرہٹے خود چار گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ایک گروہ پیشوا کا تھا جو مرہٹوں کا مذہبی اور قومی مہاراجہ سمجھا جاتا اور پونا کے دارالسلطنت سے احکام نافذ کرتا تھا۔

دوسرا گروہ ریاست برار کی راجدھانی ناگپور سے متعلق تھا۔یہاں سیواجی مرہٹہ کے خاندان کی حکومت بدستور چلی آرہی تھی لیکن ان حکمرانوں کو پیشوا کی سی قوت و عظمت حاصل نہ ہوسکی، وہ درپردہ اسی کوشش میں مصروف رہے کہ تمام مرہٹوں کے سردار اور پیشوا بن جائیں لیکن باجی راؤ کے سامنے ان کی "پیشوائی" کا چراغ نہ جل سکا۔

تیسرا گروہ سندھیا شاہی کہلاتا تھا جس نے حیرت انگیز طاقت حاصل کر لی تھی۔ جس طرح مغل بادشاہ شاہ عالم سندھیا کا باجگزار اور قیدی تھا اسی طرح باجی راؤ پیشوا بھی اس کے زیر دام تھا۔

چوتھا گروہ ہلکر شاہی تھا جس نے سندھیا کا غرور توڑنے کے لیے قوت حاصل کی اور اندور میں حکومت قائم کر لی۔ اہلیا بائی اس گروہ کی ایک بڑی مدبر، عقلمند، خداترس اور نیک دل مہارانی گزری ہے جس نے بے شمار مندر اور عمارتیں بنا کر نام پیدا کیا۔جسونت راؤ ہلکر اس گدی سے اٹھا اور دولت راؤ سندھیا کو آنکھیں دکھانے لگا۔ دراصل وہ پیشوا پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا۔

اس اجمالی خاکہ سے قارئین نے اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی بےچینی اور طوائف الملوکی کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا۔ ہر حکمران آزاد اور خودمختار اور اپنے آپ کو ہندوستان کی تقدیر کا مالک سمجھتا تھا۔ مرہٹے، نظام حیدر علی سلطان ٹیپو دکن میں اُلجھے ہوئے تھے اور نواب محمد حیات خان حاکم بھوپال اور آصف الدولہ والئی اودھ وسطی ہند میں انگریزی ریشہ دوانیوں کا شکار تھے۔ دہلی اور آگرہ پر سندھیا نے فرانسیسی اُونٹ بٹھا رکھا تھا۔ گورکھے، سکھ اور راجستھان کے راجواڑے اپنے اپنے علاقوں میں اُلجھے ہوئے تھے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی شہر پر شہر اور علاقے پر علاقہ غصب کرتی بتدریج دہلی اور دکن کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ ہندوستانی حکمران جانتے تھے انگریز ان کا مشترکہ دشمن ہے مگر ان میں اتنی قوت اور صلاحیت نہ تھی کہ متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرتے اس کے برعکس کمپنی سرکار نے نہ صرف ان کے درمیان باقاعدہ پھوٹ ڈال دی بلکہ بعض کو بعض کے خلاف فوجی امداد دے کر اپنا ممنون احسان بھی

"مثال کے طور پر کسی وقت کمپنی سرکار ہی یہ حرکت کر سکتی ہے"۔

اس صاف بیانی پر ریذیڈنٹ سخت بوکھلا اُٹھا۔ چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے۔ آخر گھبراہٹ کے عالم میں بولا "نہیں، نہیں، کمپنی سرکار ایسا کیوں کرنے لگی"۔

بوڑھے نواب نے فوراً کاغذ اور قلم کرنل میگاڈلی کی طرف بڑھا دیئے۔ "اگر کمپنی سرکار ایسا نہیں چاہتی تو ہمیں تحریر لکھ دیجیے تاکہ ہم اپنی رعایا کو مطمئن کر سکیں"۔

یہ عجیب و غریب مطالبہ سن کر ریذیڈنٹ چکر میں آگیا۔ یہ پیالہ ٹالنے کی خاطر بولا۔ "اب تو آپ نے ولی عہد ذی شان کا جشنِ میلاد بھی منا لیا۔ اب آپ کیوں پریشان ہیں؟"

نواب فرخ بوڑھا ضرور تھا لیکن اس کی نبضوں میں اب بھی اپنے اجداد کا لہو دوڑ رہا تھا۔ بڑے طیش کی حالت میں کھڑا ہوا اور گرج کر کہنے لگا۔

"اگر ولی عہد نہ پیدا ہوتا تو بھی ہم اپنی غلامی پر موت کو ترجیح دیتے، جاؤ اپنے گورنر جنرل سے کہہ دو چاند نگر کے بہادر اپنی آزادی کی حفاظت کرنا جانتے ہیں"۔

ریذیڈنٹ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا معاملہ اس قدر بگڑ جائے گا۔ وہ نواب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"یور ہائی نس! آپ یونہی ناراض ہو گئے۔ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی"۔

"ہم کمپنی سرکار کی ریذیڈنسی کو پسند نہیں کرتے، تین دن کے اندر چاند نگر خالی کر دو۔ یہ ہمارا حکم ہے"۔ جنرل میگاڈلی حیران و ششدر نواب فرخ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یور ہائی نس کو معلوم ہوگا اس حکم کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے؟"

"حکم دینے سے پہلے ہم نے اس کے نتیجے پر غور کر لیا تھا۔ ہم جنگ کے لیے تیار ہیں"۔

یہ کہہ کر نواب فرخ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ ریذیڈنٹ بھاگ کر آگے آیا اور معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ "اگر مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی تو یور ہائی نس سے معافی کا خواستگار ہوں لیکن میں دیرینہ تعلقات کو یک لخت ختم کر دینے کی وجہ دریافت

میں پیوندِ خاک بھی کر دیا جاتا مگر حالات نے یک لخت عجیب و غریب صورت اختیار کر لی ایک تو نواب فرخ نے اپنا ولی عہد پا لیا اور اب یہ اُمید بندھ گئی تھی کہ چاندنگر کی حکومت نواب فرخ کے نام پر ختم نہیں ہو گی۔ دوسرے جنوبی ہند میں کمپنی نے ٹیپو سلطان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ ہندوستان کے مسلمان حکمران متحد ہو کر انگریز کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ کمپنی نے تمام مُسلم ریاستوں کے ساتھ انتہائی دوستانہ بلکہ مربیانہ تعلقات قائم کر لیے۔ انگریز ریذیڈنٹوں نے ہر جگہ والیانِ ہند کو یقین دلایا کہ وہ ان کے دوست، بہی خواہ اور سچے ہمدرد ہیں اور ٹیپو تو دراصل ایک اوّل درجہ کا ظالم، بے رحم اور عیاش سلطان ہے جس کی سرکوبی کر کے ہم بندگانِ خدا کو اس کے ظلم وستم سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔

انگریز کی اصطلاح میں ہر وہ شخص ظالم، بے رحم، سنگ دل، عیاش و بدقماش تھا جو اپنے وطن کو انگریز کی غلامی سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

چاندنگر کے انگریز ریذیڈنٹ کرنل میگاوُلی نے بھی اعلیٰ حضرت نواب فرخ تہوّر پناہ سے حاضری کی اجازت طلب کی اور نواب کے دیوانِ خاص میں بیٹھ کر اس امر کا انکشاف کیا۔ کمپنی سرکار آپ کی آزادی و خود مختاری کی محافظ ہے۔ آپ کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی آرزو مند اور ولی عہد ذی شان کی ولادت پر صدقِ دل سے اعلیٰ حضرت کو مبارک باد پیش کرتی ہے۔ کمپنی سرکار کا کبھی یہ ارادہ نہیں تھا وہ چاندنگر پر قبضہ و اختیار جمالے بلکہ ہم تو صرف آپ کی سہولت اور بندگانِ خدا کی بھلائی کے لیے چند تجارتی اشیاء کا محصول معاف کرانا چاہتے ہیں جو انگلستان سے منگائی جاتی ہیں۔ اگر حضور از راہِ عنایتِ خسروانہ محصول معاف فرمائیں یا نصف کر دیں تو انگریز قوم پر بڑا احسان ہو گا۔

نواب فرخ نے یہ لب و لہجہ سُنا تو حیرت نے اس کے دِل میں کئی کروٹیں بدلیں لیکن ریذیڈنٹ سے وعدہ کیا وہ انگریزی مال پر نصف محصول معاف کرنے پر غور کرے گا۔ اس نے دبے الفاظ میں یہ اشارہ بھی کر دیا۔ دشمن خواہ کتنا طاقت ور ہو اگر اس نے چاندنگر کی آزادی اور خود مختاری پر حملہ کیا تو ہماری شمشیر دل کو بے نیام پائے گا۔

"مگر آپ کی آزادی و خود مختاری پر حملہ کرے گا کون؟"

کے معاہدے تو کاغذ کے چیتھڑے تھے۔ جن کے پُرزے کسی وقت بھی فضا میں اُڑائے جا سکتے ہیں البتہ بوڑھا نواب، اکبر جنگ، دیوان دُنی چند اور ملکہ بیگم سبھی اس معاہدے پر بے حد مسرور و شادماں تھے۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ ریذیڈنٹ نواب فرخ کی صاف بیانی پر بوکھلا سا گیا پھر اسے انگریز کی "صدق دلی اور نیک نیتی" کا ثبوت ایک معاہدے کی صورت میں پیش کرنا پڑا ورنہ کمپنی کو سلطان ٹیپو کی مہم درپیش نہ ہوتی تو نواب فرخ کی "گستاخانہ گفتگو" کے جواب میں معاہدے کی بجائے شاید انگریزی فوجیں چاند نگر کے دروازے پر دستک دے رہی ہوتیں پھر جو تحریر نوکِ قلم سے لکھی گئی نہ صرف اس کا مضمون مختلف ہوتا بلکہ وہ نوکِ شمشیر اور خون سے لکھی جاتی۔ کچھ بھی ہی بوڑھے نواب نے اپنی دانشمندی اور ہمتِ مردانہ سے ایک ایسی تحریر حاصل کر لی تھی جو مستقبل میں کمپنی کے خون آشام ارادوں میں عرصہ تک مزاحم ہوتی رہے گی۔

انگریز اس وقت تک چاند نگر کا رُخ نہ کر سکیں گے جب تک میسور کا شیر آزادی گرجتا اور دھاڑتا رہے گا۔ جب تک جنوبی ہند کے میدانوں میں آزادی و حریت کی تحریریں خون سے لکھی جاتی رہیں گی —— انگریزی فوجیں ہندوستانی غداروں کے جلو میں کئی مرتبہ میسور پر چڑھائی کریں گی۔ کئی مرتبہ سلطان ٹیپو کی شمشیر آب دار ان کے لہو میں ڈوب کر اُبھرے گی۔ انگریز کئی شکستیں اُٹھائیں گے۔ سلطان سے صلح و امن کے معاہدے کریں گے مگر درپردہ جنگ کی تیاریاں کرتے رہیں گے تا آں کہ انگلستان سے ایک خونخوار بھیڑیا لارڈ ولزلی کا رُوپ دھار کر ہندوستان کے ساحل پر اُترے گا اور اپنے انگریز آقاؤں کی خواہش کے عین مطابق ہندوستان کی سرزمین پر "ہلاکت و بربادی کا فرزند" بن جائے گا۔ وہ خونی بھیڑیوں اور درندوں کے غول لے کر میسور پر چڑھ دوڑے گا۔ نظام اور مرہٹے انگریزوں کے اتحادی بن کر شیرِ میسور پر حملہ کریں گے۔ سرنگاپٹم کے میدانوں میں قیامت کی جنگ لڑی جائے گی۔ سلطان کا نمک حرام اور غدار وزیر میر صادق انگریز کے ساتھ مل کر ایک خطرناک سازش کا دام پھیلائے گا —— ان واقعات پر کم و بیش بائیس سال کا طویل زمانہ گزر جائے گا۔ بائیس سال تک انگریز چاند نگر کے خلاف کوئی فوجی کارروائی نہیں کر پائیں گے کیوں کہ ٹیپو سلطان کی فوجیں انہیں مصروف رکھیں گی۔

اس دوران کئی انگریز گورنر جنرل کارزارِ ہند میں اپنا نام خون سے روشن کریں

کرنا چاہتا ہوں۔"

نواب فرخ گرج کر کہنے لگا۔ "کرنل میگاولی! تم نے ہمارا مطالبہ پورا نہ کر کے خود مان لیا کہ کمپنی سرکار ہماری آزادی پر حملہ کرے گی۔ ہم اپنے دشمن کو ایک لمحہ کے لیے چاند نگر میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ اگر تم تعلقات کو برقرار رکھنا چاہتے ہو تو حملہ نہ کرنے کی تحریر لکھ دو۔"

بوڑھے نواب نے ریذیڈنٹ کو نہایت ہوشیاری سے پٹخنی دی۔ وہ تو اس لیے حاضر ہوا تھا کہ سلطان ٹیپو پر حملہ کے سلسلہ میں دوسرے ہندوستانی والیوں کی تالیفِ قلوب ضروری تھی مگر یہاں نقشہ ہی دوسرا بن گیا۔ یہ بھی جانتا تھا اس موقع پر کمپنی ایک والیٔ ریاست سے تو کیا کسی ہندوستانی سپاہی سے بھی بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتی آخر ریذیڈنٹ کو بامرِ مجبوری نواب فرخ کا مطالبہ مانتے ہی بنی اور اس نے اس مضمون کی ایک تحریر لکھ دی۔

"کمپنی سرکار دوست پناہ ودست گاہ ریاست چاند نگر کی آزادی کی دل سے خواہاں اور اعلیٰ حضرت ہزہائی نس نواب فرخ تہوّر پناہ کو یقین دلاتی ہے کہ وہ ریاست کی آزادی و خود مختاری کے دشمنوں کے خلاف بوقتِ ضرورت ہزہائی نس یا ان کے ولی عہد ذی شان کی فرمائش پر ہر ممکن کارروائی عمل میں لائے گی۔ اس کے عوض کمپنی سرکار اعلیٰ حضرت اور ان کے جانشین سے دوستانہ تعاون کی طلب گار ہے۔"

اس تحریر پر ریذیڈنٹ کے علاوہ تین اور انگریزوں کے دستخط بھی ثبت ہوئے۔ جو چاند نگر میں کرنل میگاولی کے معاون و معتمد تھے۔ نواب کی طرف سے مدار المہام جعفر، وزیرِ جنگ اکبر اور دیوان دُنی چند کے دستخطوں کے علاوہ ننھے ولی عہد شہزادہ قاسم کے انگوٹھے کا نشان ثبت کیا گیا۔

یہ عہد نامہ عجیب و غریب ماحول میں اچانک ہی تیار ہوا تھا۔ انگریز ساتھی اور خود وزیرِ سلطنت جعفر بھی کرنل میگاولی کی عقل و دانش پر حیران تھے جس نے ایک بوڑھے والی کے سامنے ہتھیار پھینک دیئے لیکن وہ جانتا تھا اس نازک وقت میں کمپنی کو صرف ہندوستانی ریاستوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ کم از کم اس وقت تک، جب تک میسور کی مہم کامیاب نہیں ہوتی۔ اس کے بعد اس معاہدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جائے گی؟ کمپنی

کی تحریری ضمانت پیش کرنا پڑی - اس واقعہ سے تھوڑی دیر بعد کرنل میگاڈلی کو چاند نگر سے واپس بلالیا گیا اور وہ اُن فوجوں میں شریک ہُوا جو میسور کی آزادی کو غصب کرنے کے لیے جنوبی ہند کی طرف روانہ ہوئی تھیں - سلطان ٹیپو نے تلوار کی نوک سے انگریز کی مزاج پُرسی کی اور کمپنی کی فوجوں کو ذلت آمیز شکست اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا - کرنل میگاڈلی اسی جنگ میں مارا گیا اور انگریز کو منگلور کے مقام پر سلطان سے دب کر صلح کرنا پڑی -

معاہدہ منگلور کے بعد بھی انگریز ٹیپو کے خلاف درپردہ سازشوں میں مصروف رہے انہوں نے میسور کی فتح کے لیے بھیانک تیاریاں جاری رکھیں - اس معاہدہ کے دوران اگرچہ والیانِ ہند سے صلح و آشتی کی پالیسی برقرار رہی مگر کمزور نوابوں، راجوں اور رئیسوں کو باقاعدہ شکار کیا جاتا رہا - ابھی چاند نگر کی آزادی و خود مختاری کی تحریر لکھے آٹھواں سال ہی گذرا تھا کہ انگریز کی آنکھیں بدلنے لگیں اس نے ریاست میں مزید حقوق و اختیار کا مطالبہ کر دیا - جعفر کو ایک مرتبہ پھر آلۂ کار بنایا گیا اور مدارالمہام کی حیثیت سے اس نے انگریزی سامانِ تجارت سے تمام محصول معاف کرنے کا پروانہ لکھ دیا لیکن جب تک اس اجازت نامہ پر والیے ریاست کے دستخط نہ ہوتے اُس کی حیثیت کاغذ کے ایک حقیر پُرزے سے زیادہ نہ تھی - ریذیڈنٹ نے یہ پروانہ نواب فرخ کے حضور پیش کیا جو ان دِنوں بیمار تھا - بوڑھے فرخ کی فراست جانتی تھی اگر انگریزی سامانِ تجارت کو ہر قسم کے محصول سے بری کر دیا گیا تو ریاستی تاجروں کو شدید خسارہ اُٹھانا پڑے گا اور دیسی سامان کی کھپت کم ہو جائے گی اس نے تجارتی معاہدے کو نذرِ آتش کر دیا اور جعفر کو سرزنش کی وہ اس قسم کے معاہدے ہمارے مشورہ کے بغیر تحریر نہ کیا کرے -

انگریز ریذیڈنٹ آگ بگولہ ہو گیا مگر کر کچھ بھی نہ سکتا تھا - اس نے کلکتہ میں اطلاع بھیجی جب تک نواب فرخ کو معزول نہ کیا گیا چاند نگر میں انگریز اپنے قدم نہیں جما سکتے اس درخواست کے جواب میں پُراسرار خاموشی اختیار کر لی گئی -

ایک ہی سال کے بعد بوڑھے نواب کی حالت مخدوش ہو گئی - حکیموں طبیبوں اور ویدوں نے لاکھ کوشش کی مگر بیماری طویل ہوتی چلی گئی - کلکتہ سے ریذیڈنٹ کو خفیہ ہدایت موصول ہوئی وہ نواب فرخ کی موت کا منتظر رہے اور جونہی اس کا انتقال ہو مدارالمہام جعفر کو نگرانِ حکومت مقرر کرنے کی جدوجہد کرے -

گے۔ کارنوالس کے بعد سر جان شور ——— پھر سنہری بھیڑیا لارڈ ولزلی آئے گا اور ہندوستان کی بہاروں میں آگ لگا دے گا۔ ہزاروں شہیدانِ آزادی انگریز کی وحشت و بربریت اور جوع الارضی پر قربان ہو جائیں گے۔

چاند نگر میں بھی انگریز ریذیڈنٹ تبدیل ہوتے رہیں گے اور کرنل میکاڈلی جس نے ریاست کی آزادی و خود مختاری کا پروانہ لکھا تھا۔ موت کے آغوش میں جا سوئے گا۔ آزادی کا معاہدہ کاغذوں اور فائلوں کے انبار میں دب جائے گا کیوں کہ میکاڈلی اس معاہدے کی وجہ سے کلکتہ کے ہیڈ کوارٹر میں ناپسندیدہ اور کمزور افسر قرار دیا جا چکا ہوگا۔ اس کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ ریذیڈنٹ تبدیل ہوں گے پھر ایک خونی درندہ جنرل مٹکاف نئی ہدایات لے کر ریاست میں داخل ہوگا۔ جب وہ چاند نگر کے دیوانِ خاص میں نواب فرخ کے جانشین شہزادہ قاسم کے حضور اپنی تقرری کی سندات پیش کرے گا اور نوجوان والی سے ہاتھ ملائے گا تو محسوس کرے گا وہ جس حریف کو شکار کرنے آیا ہے اس کے دست و بازو ایک غیر معمولی قوت کا اظہار کر رہے ہیں۔

شہزادہ قاسم چاند نگر کی محل سرا میں پرورش پاتا رہا۔ نواب فرخ نے انگریز ریذیڈنٹ سے ایک نیا معاہدہ کر کے صورتِ حال پر قابو پا لیا تھا ورنہ ریاست پر قبضہ جمانے کی خاطر کمپنی کا منصوبہ تو پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔ غدار اور نمک حرام جعفر پر یونہی نظرِ عنایت نہ ہوئی تھی۔ تجویز یہ تھی ریاست میں بدامنی پیدا کر کے حالات کا رُخ موڑ دیا جائے۔ نواب فرخ پر الزام عائد کیا جائے وہ بوڑھا ہو چکا ہے اور امن و امان قائم رکھنے کا اہل نہیں رہا اُسے وظیفہ دے کر گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا جائے اور مدارالمہام جعفر کو عارضی نواب بنا کر کچھ عرصہ تک ریاست کا نظم و نسق چلایا جائے۔ اس دوران شورش و بدامنی کا استیصال کرنے کے بہانے انگریزی فوج پہلے ہی ریاست میں داخل ہو چکی ہو گی۔ جعفر اسی فوج کی مدد سے دو تین سال نوابی کا شوق پورا کرے گا پھر اسے کسی الزام کے تحت تخت سے اتارنا مشکل نہ ہو اس طرح کشت و خون کے بغیر ریاست کمپنی کی عملداری میں شامل کر لی جائے گی۔

چاند نگر کے اُفق پر منڈلانے والے خطرے انگریزی مصلحتوں کے دامن میں دبک سو گئے۔ حالات کی نزاکت کے مدِنظر ریذیڈنٹ کو ریاست کی آزادی و خود مختاری

قاسم آپ کے جانشین ہوں گے اور ہم ان کی اسی طرح اطاعت کریں گے جس طرح حضور کی کرتے رہے ہیں۔"

"پھر بھی ہم بعض باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں"۔

بوڑھے نواب کو ریشمی تکیوں کے سہارے بٹھا دیا گیا اس نے اپنی خاندانی تلوار طلب کی اور شہزادہ قاسم کو اپنے قریب بلایا۔ اس کو سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور تلوار اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

"جانِ پدر ——— ! یہ تلوار ہمارے اجداد کی یادگار ہے جس سے انہوں نے اپنی سرزمین کی حفاظت کی۔ ہم نے بھی اس تلوار کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھا اور اپنی آزادی پر اس کی چھاؤں رکھی۔ آج ہم آزادی کی یہ یادگار تمہیں سونپتے اور وصیت کرتے ہیں۔ جب تک زندہ رہو چاند نگر کی آزادی و خودمختاری کی حفاظت کرنا۔ شاید یہ باتیں اس وقت تمہاری سمجھ میں نہ آسکیں لیکن ہمارے بعد زمانہ تمہیں بہت سے سبق دے گا۔ اس وقت تمہیں ہمارے ان الفاظ کی قدر و قیمت معلوم ہوگی ——— خبردار ! آزادی کا سودا نہ کرنا۔ لوگوں کو انگریز تاجروں کے ہاتھ بیچ نہ دینا۔ اگر تم چاند نگر کی حفاظت نہ کر سکے تو آزادی کے لیے اپنا سر ضرور کٹا دینا تاکہ جب تم دوسری دنیا میں ہم سے ملو تو سرخرو ہو کر ملو اور ہم اپنے بیٹے پر فخر کر سکیں ———"

یہ کہہ کر نواب فرخ دم لینے کے لیے رکا اور پردہ کے اس طرف ملکہ بیگم کی سسکی بلند ہوئی پھر مرجینا کی آواز سنائی دی۔

"اعلیٰ حضرت ——— ! ملکہ حضور نے آپ کو یاد فرمایا ہے"۔

نواب فرخ کپکپاتی آواز میں بولا۔

"مرجینا ——— ! اپنی بیگم سے کہو حوصلہ رکھیں۔ ہم انہیں ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپنے والے ہیں"۔

پھر نواب کے حکم پر ریاست کے میر منشی نے قلم سنبھالا اور نواب کی وصیت رقم کرنے لگا۔

اس نے کہا۔ "ہمارے بعد ہمارا بیٹا شہزادہ قاسم ذی شان چاند نگر کے تخت و تاج کا وارث و مالک ہوگا اور تمام موجودہ وزیر، مشیر اور دیوان بدستور قائم رہیں گے۔ جب تک

نمک حرام جعفر کو بھی اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر قریب آتی دکھائی دی ۔اس نے سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیئے ۔ان ایام میں ریذیڈنٹ اس پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہو گیا تھا ۔ہر کام میں جعفر کی مرضی اور رائے کا دخل ضروری تھا ۔چاند نگر کی مسجدوں اور مندروں میں بوڑھے نواب کی صحت یابی کے لیے دعائیں ہو رہی تھیں لیکن قضا کا تیر چل چکا تھا ۔ ایک طوفانی رات کو جب چاند نگر کے آسمان پر گھٹا ٹوپ بادل چھائے تھے طوفانی ہوائیں چیختی چلّاتی درختوں اور عمارتوں سے ٹکرا کر وحشیانہ شور مچا رہی تھیں ۔محل سرا کے کمرۂ خاص میں نواب فرخ زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا ۔

قندیلوں کی لرزتی اور تھرتھراتی روشنی میں ریاست کی کئی معتمد اور اہم ہستیاں دم توڑتے نواب کے آس پاس موجود تھیں ۔اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں ملکہ بیگم کا سہاگ اس طوفانی رات میں اجڑتا نظر آ رہا تھا ۔ وہ کسی مورتی کی طرح افسردہ و ملول پس پردہ بیٹھی تھی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی تھی اور قریب ہی شہزادہ قاسم سہما بیٹھا تھا جس کی عمر نو سال سے زیادہ نہ تھی ۔ بوڑھے نواب کے حکم پر اُسے خاص طور سے طلب کیا گیا تھا ۔اچانک بیمار فرخ نے آنکھیں کھولیں ۔آس پاس بیٹھے وفادارانِ خاص پر نگاہ ڈالی اور اپنے اطبّائ سے مخاطب ہو کر نحیف آواز میں کہا ۔

"بس دَوا ہو چکی اب ہمارے لیے دُعا کرو ۔"

اس فقرے کو سُنتے ہی لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور زار و قطار رونے لگے نواب فرخ نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ بلند کیا اور خاموش رہنے کی تلقین کی پھر اپنے پرکھے دوست اکبر جنگ کو قریب بُلایا ، اس کے کان میں سرگوشی کی تو بوڑھے اکبر نے اثبات میں سر ہلا دیا دوسرے لمحے نواب نے اپنے دیوان مُنی چند کو بھی پاس بلایا ۔اشاروں میں گفتگو کی اور جب اس نے بھی اثبات میں سر کو جنبش دی تو نواب کے پژمردہ ہونٹوں پہ ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اس نے کسی قدر اطمینان بخش آواز میں کہا ۔

"ہمیں سہارا دے کر بٹھا دو ، ہم اپنے جانشین کے لیے وصیت کرنا چاہتے ہیں ۔"

اس موقع پر مدار المہام جعفر بھی موجود تھا اس نے مگرمچھ کی طرح آنسو بہاتے ہوئے عرض کی ۔

"اعلیٰ حضرت ! اس وقت خدا سے لو لگایئے ۔ بندگانِ عالی جانتے ہیں شہزادہ

و بدامنی پیدا کرنے کی کوشش کرے گا ہم اکبر جنگ اور دُنی چند کو پہلے ہی خطرے سے آگاہ کر چکے ہیں مگر یہ اطمینان ہے ہمارے جان نثار ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں "۔

جعفر شرمندہ ہو کر پرے ہٹ گیا۔ اس نے نواب کو یقین دلایا۔ وہ ریاست اور شہزادہ کا وفادار رہے گا ——— پھر وصیت نامہ پر نواب فرخ نے اپنی مہر خاص ثبت کی، دستخط کیے اور اسے وزیروں کی طرف بڑھا دیا کہ بطور گواہ وہ بھی اس دستاویز پر دستخط کر دیں۔ سب سے پہلے شہزادہ قاسم، پھر ملکہ بیگم اور ان کے بعد جعفر۔ اکبر جنگ۔ دُنی چند اور دیگر معتمد لوگوں نے دستخط کیے۔

نواب کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی جس سے بعض لوگ قیاس کرنے لگے شاید موت کا خطرہ ٹل جائے مگر جعفر ایسا گرگِ باراں دیدہ جانتا تھا یہ صرف موت کا سنبھالا ہے۔ نصف رات تک وہ بھی مجبوراً حاضر رہا پھر یہ بہانہ کر کے کہ اعلیٰ حضرت کی طبیعت سنبھل گئی ہے، محل سرا سے نکل گیا۔

نواب فرخ جانتا تھا وہ سیدھا ریذیڈنٹ کے پاس جائے گا اور کچھ عجب نہیں بغاوت کا فتنہ بپا کر دے اس لیے اکبر جنگ اور دُنی چند کے ذریعے اس نے پہلے ہی تمام انتظامات مکمل کر لیے تھے حتیٰ کہ ریذیڈنسی اور جعفر کے مکان کے اِردگرد بھی خفیہ پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ اگر بوڑھے فرخ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ انگریز بھڑک اُٹھے گا اور شاید غصہ میں ریاست پر حملہ کر بیٹھے تو وہ فوراً جعفر کو معزول کر دیتا پھر بھی اس نے جعفر کے بعد ایک حکم نامہ اور لکھوایا جس میں بغاوت و سرکشی اور حکم عدولی کی صورت میں جعفر کی برطرفی کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم نامہ پر بھی نواب فرخ نے اپنی مہر خاص ثبت کی اور کاغذ دُنی چند کی طرف بڑھا دیا۔

جب جعفر محل سرا سے نکلا ایک سایہ اندھیرے میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

جس بات کا دھڑکا کئی روز سے دلوں میں ہول پیدا کر رہا تھا وہ آخر ہو کے رہی نواب فرخ نے اسی طوفانی رات کو طلوعِ سحر کے قریب اپنی زندگی موت کے سپرد کی اور محل سرا میں کہرام مچ گیا۔

وفادارانِ خاص نے ننھے شہزادہ قاسم کے حضور سر خم کر دیئے جو "باپ" کی

شہزادہ اپنی تعلیم مکمل نہیں کر لیتا اور سنِ بلوغ کو نہیں پہنچتا وہ ایک ولی اور نگران کے ماتحت رہے گا جو اس کے حکم سے ریاست کا نظم و نسق چلائے گا۔ ہم شہزادہ کو نصیحت کرتے ہیں وہ فنِ سپاہ گری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور ہمارے بعد رعایا کے جان و مال کی حفاظت کا خیال رکھے۔ اس کے سنِ بلوغ تک ہم اس کی مادرِ مہربان ملکہ بیگم کو اس کا ولی اور نگران مقرر کرتے ہیں جنہیں تمام اختیارات حاصل ہوں گے۔ ہمیں اُمید ہے ہمارے وفادار اور جاں نثاران احکام کی تعمیل کریں گے ——"

اس وصیت نامہ کو سُن کر تمام لوگ مسرور و مطمئن نظر آنے لگے لیکن مدارالمہام جعفر کے چہرے پر غیظ و غضب اور شکست و ناکامی کے آثار یوں گھلے مِل رہے تھے جیسے سوڈے کی دو بوتلوں کا سر بسر تا پانی باہم ملتا ہے۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور جُھک کر کہنے لگا۔

"اعلیٰ حضرت —— ! حضور کی وصیت سے بندگانِ عالی کو مجالِ انکار نہیں لیکن ریاست کے مفاد کی خاطر یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا شاید ایک عورت حکومت کا نظم و نسق صحیح طور سے نہ چلا سکے۔ حضور جانتے ہیں اس وقت ہندوستان میں انگریزی طاقت عروج و اقبال حاصل کر رہی ہے اور دانا حکمران اس کے مشورہ کے بغیر کوئی غیر معمولی قدم نہیں اُٹھاتے۔ اگر ولی عہد ذی شان کا ولی اور نگران مقرر کرنے کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت انگریز ریذیڈنٹ سے صلاح مشورہ کر لیں تو زیادہ مناسب ہوگا ورنہ اندیشہ ہے اگر کمپنی سرکار نے عالی جاہ کے وصیت نامہ کو منظور نہ کیا تو نہ صرف ریاست کے حالات بگڑ جائیں گے بلکہ ہماری آزادی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

لوگوں نے جعفر کی اس تقریر پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ابھی دیوان دُنی چند کچھ عرض کرنے ہی والا تھا کہ بوڑھے نواب نے ایک مرتبہ پھر اپنا ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور نحیف لہجے میں بولا۔

"جعفر —— ! یہ نہ سمجھو ہم کمپنی سرکار کے ارادوں سے غافل ہیں۔ ریذیڈنٹ جس کے حق میں مشورہ دے گا اسے ہم جانتے ہیں لیکن وصیت نامے کسی کے مشورہ سے تیار نہیں ہوتے۔ ہم انگریز کو چاند نگر ہی نہیں پورے ہندوستان کی آزادی کا دُشمن سمجھتے ہیں۔ ہماری آنکھیں بند ہوتے ہی وہ بعض نمک حرام لوگوں کی وساطت سے ریاست میں شورش

مجھے امید ہے آپ اس اہم عہدے کا تقرر کرتے ہوئے کمپنی سرکار کے دوستانہ تعلقات کو خاص طور سے مدِنظر رکھیں گے اور کسی ایسے ہی شخص کو شہزادہ کا ولی مقرر کریں گے جس پر یور ہائی نس کے علاوہ کمپنی کو بھی اعتماد ہو۔"

اس کے جواب میں نواب فرخ نے گو اپنا حتمی ارادہ تو ظاہر نہیں ہونے دیا البتہ جعفر کے متعلق چند باتیں ایسی کہہ دیں جن سے ریذیڈنٹ کو یقین ہو گیا کہ وہ جعفر ہی کو نگرانِ حکومت بنائے گا جو کمپنی کی خواہش کے عین مطابق تھا۔ ظاہر ہے نواب جنرل مٹکاف کو دھوکا اور غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا کہ وہ اس کی وفات سے قبل ہی کوئی ایسا انتظام نہ کر سکے جو ریاست کے لیے خطرناک ثابت ہو بہر حال ریذیڈنٹ خوشی خوشی لوٹ گیا اور اس نے جعفر کو بھی مژدہ سنا دیا تھا کہ نواب صاحب اسی کو ولی عہد کا نگران بنائیں گے۔ ریذیڈنٹ نے کلکتہ بھی خبر روانہ کر دی تھی کہ کام حسبِ منشا خود بخود ہو جائے گا۔

مگر اب جعفر کی زبانی وصیت نامہ کا ذکر اور ملکہ بیگم کی تقرری کی اطلاع سن کر یک لخت اس پر غم و غصّہ کا دورہ پڑا اور چلّا کر بولا۔

"نہیں، ہمارے دوست اور خیر خواہ جعفر کے علاوہ اور کوئی حکومت کا نگران نہیں ہو سکتا۔"

"پھر جلدی کیجیے حضور ——— ! میرا خیال ہے نواب آج کی رات نہیں گزار سکے گا۔"

جنرل مٹکاف کسی سوچ میں کھو گیا۔ چاند نگر سے اسّی میل کی مسافت پر انگریزی فوج کی ایک پلٹن پڑی تھی اگر اُسے بلایا گیا تو بھی وہ چار پانچ روز سے پہلے چاند نگر نہ پہنچ سکے گی۔ جعفر کہنے لگا۔

"آپ اس فوج کو بلا لیجیے میں اس کی آمد تک سب لوگوں کو نواب کے سوگ میں مصروف رکھوں گا باقاعدہ دربار منعقد کرنے کی نوبت آٹھ دس روز سے پہلے نہ آسکے گی۔ اس اثنا میں ہم اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں ———"

ریذیڈنٹ کا چہرہ مسرت سے چمک اُٹھا۔ اس نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ بڈھا نواب سخت جان ہے۔ شاید دو تین روز اور نکال جائے میں اسی وقت اپنا قاصد گورنر جنرل کی طرف روانہ کرتا اور انگریزی فوج کو بلانے کی اجازت حاصل

وفات پر بلک بلک کر رو رہا تھا۔ ملکہ بیگم کی حالت از حد خراب تھی اُسے دو مرتبہ غش آئے پھر دیوانِ ریاست دُنی چند نے پردہ کے پاس آ کر عرض کی۔

" ملکہ بیگم ——— ! بھگوان کو جو منظور تھا وہ پورا ہوا اب آپ کو حوصلہ سے کام لینا چاہیے۔ ریاست اس وقت خطرے میں ہے اگر آپ نے بھی ہمت ہار دی تو کام بگڑ جائے گا۔ آپ اعلیٰ حضرت جنّت مکانی کے کفن دفن کا انتظام کیجیے۔ میں اکبر جنگ کے ہمراہ ایک اہم فرض ادا کرنے جا رہا ہوں جو مہاراج نے اپنی زندگی میں ہمارے سپرد کیا تھا اگر ہم نے اپنے فرض میں ذرا بھی کوتاہی کی تو حالات کا دھارا کسی دوسرے رُخ بہہ نکلے گا"۔

پھر اکبر جنگ نے بھی بیگم کو ضبط و صبر کی تلقین کی اور دیوان دُنی چند کے ہمراہ بگولے کی طرح محل سرا سے نکلا ——— فصیل کے پھاٹک پر اُس وقت تک ریاست کا پرچم سرنگوں نہیں کیا گیا جب تک نواب فرخ کا دستہ خاص طلب نہیں کر لیا گیا۔ آن کی آن میں فصیل پر جگہ جگہ توپیں نصب کر دی گئیں اور سپاہی توڑے دار بندوقیں لے کر کنگوروں کی اوٹ میں جا بیٹھے۔ ان انتظامات سے معلوم ہوتا تھا جیسے چاند نگر پر کسی دُشمن کے حملہ کا خطرہ ہو۔

مدارالمہام جعفر محل سے نکل کر سیدھا ریذیڈنٹ کی قیام گاہ پر پہنچا تھا۔ اس نے جنرل مٹکاف کو یہ افسوسناک خبر سنائی کہ نواب فرخ نے اپنے بعد ملکہ بیگم کو ولی عہد کا ولی اور نگران مقرر کر دیا ہے اور وصیت نامہ پر اس کے دستخط بھی کرا لیے گئے ہیں۔ یہ سُنتے ہی جنرل مٹکاف پر بجلی سی ٹوٹ پڑی کلکتہ سے ہدایت ملی تھی وہ وزیرِ سلطنت کو اقتدار دلانے کی کوشش کرے اور بیماری کے ایّام میں چند روز قبل جب ریذیڈنٹ نے نواب فرخ سے ملاقات کی اور ولی عہد کے نگران کی بابت اس کا عندیہ معلوم کرنا چاہا تو بوڑھے نواب نے قریباً چُپ سادھ لی تھی اس موقع پر جنرل مٹکاف نے ہر طرح سے ریاست کی امداد و اعانت کا وعدہ کیا اور باتوں ہی باتوں میں جعفر کی عقلمندی اور اصابت رائے کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

" بھلا ولی عہد ذی شان کے لیے جعفر سے بہتر اور وفادار نگران اور کون ہو سکتا ہے۔ وہ یور ہائی نس کا وزیرِ سلطنت، ریاست کا خیر خواہ اور ہمارا دوست بھی ہے۔

عہد شکنی کا یہ دوسرا تحریری ثبوت بھی سنبھال لیا گیا۔

طلوعِ آفتاب سے چند ہی ساعتیں قبل ریاست کا مدار المہام جعفر بھی محل کے ایک کمرے میں نظر بند تھا۔ دروازے پہ چار مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ اکبر جنگ اور دُنی چند نے انگریزی سازش کو اس خوب صورتی اور صفائی کے ساتھ موت کے گھاٹ اُتار دیا کہ چند خاص اور وفادار لوگوں کے علاوہ کسی کے کان میں اس کی بھنک بھی نہ پڑنے دی۔

جب نواب مرحوم کا جنازہ محل سے اٹھا کر پھاٹک سے باہر رکھا گیا لوگوں کا ایک اژدہام سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسی موقع پر جنرل مٹکاف اپنے انگریز مشیروں کے ہمراہ تعزیت کے لیے آیا لیکن جب اس نے قلعہ کی فصیل پہ توپیں چڑھی دیکھیں اور کنگوروں کی اوٹ میں سپاہی توڑے دار بندوقیں تھامے مستعد نظر آئے حیران و ششدر رہ گیا۔ اس نے ملکہ بیگم سے تو ان فوجی تیاریوں کے متعلق استفسار کرنا مناسب نہ سمجھا صرف غم زدہ الفاظ میں نواب کی افسوسناک موت پر اپنے "رنج و غم" کا اظہار کر کے پلٹ آیا البتہ اکبر جنگ سے گفتگو کرتے ہوئے توپوں اور مسلح سپاہیوں پہ اپنی حیرت ضرور ظاہر کی۔

"جنرل ——— ! آپ نہیں جانتے، ہندوستان میں جب کوئی بادشاہ، مہاراجہ یا نواب فوت ہوتا ہے بعض مفسد اقتدار کی بازی کھیلتے اور بغاوت پہ کمر بستہ ہو جاتے ہیں یہ انتظام صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ کسی فتنہ پرداز کو سرکشی کا موقع نہ مل سکے پھر اعلیٰ حضرت کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ ہم اُنہیں پورے شاہی اعزاز کے ساتھ سپردِ خاک کریں گے۔ بڑے آدمیوں اور والیانِ ہند کی وفات پر ان کے دستۂ خاص کو جنازہ کے وقت موجود رہنا پڑتا ہے"۔

ریذیڈنٹ خاموش ہو گیا اس کی بے چین نگاہیں اس ہجوم میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ آخر اس نے اپنی بے تابی کا اظہار کر ہی دیا۔ "وزیرِ سلطنت جعفر نظر نہیں آتے وہ کہاں چلے گئے؟"

اکبر جنگ نے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر پہلے تو یہیں موجود تھے مگر ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے وہ کسی ضروری اور اہم مقصد کی خاطر اچانک ہی ریاست سے باہر چلے گئے ہیں"۔

ریذیڈنٹ کے لیے یہ اطلاع حیرت انگیز اور چونکا دینے والی تھی۔ لیکن اس

کرتا ہوں۔ تم محل میں جاؤ اور مجھے حالات سے مطلع کرتے رہو اگر نواب آج ہی چل بسے تو سب لوگوں کو اس کے سوگ میں اتنے روز مصروف رکھو کہ انگریزی فوج چاند نگر پہنچ جائے "۔

یہ منصوبہ تیار کرنے کے بعد جعفر خوشی خوشی محل کی طرف لوٹا۔ چند ہی لمحوں بعد ریذیڈنسی کی عمارت سے دو سوار کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن ابھی وہ دو میل بھی دُور نہ گئے ہوں گے کہ عقب سے آنے والے چند پُراسرار سواروں نے اُنہیں گھیر لیا اور معمولی سی کشمکش کے بعد دونوں گرفتار کر لیے گئے۔ ان کی تلاشی لینے پر سب سے پہلے اُن کاغذات پر قبضہ کیا گیا۔ جن میں ریذیڈنٹ نے گورنر جنرل کو چاند نگر کے حالات کی خبر دی اور وزیرِ سلطنت جعفر کو اقتدار دلانے کی خاطر انگریزی فوج کی مدد مانگی تھی۔

نہایت خاموشی کے ساتھ دونوں انگریز قیدی دُنی چند کی حویلی میں داخل کیے گئے اور اُنہیں پابہ زنجیر ایک کمرہ میں بند کر کے باہر مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا۔

جعفر اُس وقت محل سرا میں داخل ہُوا جب نواب فرخ انتقال کر چکا تھا قصرِ سفید کی غلام گردش میں اسے دیوان دُنی چند اور وزیرِ جنگ اکبر نے اعلیٰ حضرت کی وفات کی اطلاع دی۔ اس وقت جعفر کے ہمراہ اس کا خاص معتمد رگھوناتھ بھی تھا جو اکثر سازشوں میں شریک رہا تھا۔ شاید وہ اس لیے ہمراہ آیا تھا کہ ریذیڈنٹ کو محل کے حالات کی خبر دیتا رہے۔ جعفر نے اُسی وقت رگھوناتھ کو اشارہ کیا اور وہ واپس چل دیا۔

اکبر جنگ اور دُنی چند نے رگھوناتھ کو پھاٹک پر جا لیا اور بھیل پہرے داروں نے اسی وقت اس کی مشکیں کس لیں۔ یہ کام اتنی ہوشیاری سے ہُوا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ پھر اسے بھی دُنی چند کی حویلی میں منتقل کر دیا گیا۔ رگھوناتھ نے جب اکبر جنگ کی تلوار کو سر پر چمکتے دیکھا سب کچھ اُگل دیا کہ وہ محض ریذیڈنٹ تک اطلاعات پہنچانے کی خاطر وزیرِ سلطنت جعفر کے ہمراہ آیا تھا۔ دیوان دُنی چند نے اُسی وقت اپنا ایک آدمی ریذیڈنسی کی طرف روانہ کر دیا اور جعفر کی طرف سے ایک رقعہ لکھا کہ نواب صاحب انتقال کر گئے ہیں اور میں محل میں مصروف رہوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد جنرل مٹکاف کا جواب آ گیا کہ کلکتہ کی طرف تیز رو قاصد روانہ ہو چکے ہیں تم پانچ روز تک بڑے بڑے لوگوں کو نواب کے ماتم میں اُلجھالو۔ انگریزی فوج بہت جلد پہنچ جائے گی۔ ریذیڈنٹ کی غداری اور

انگریزی فوجوں کا ابھی تک کوسوں پتہ نہ تھا جنرل مٹکاف سخت بدحواس نظر آ رہا تھا۔ بدحواسی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی چاند نگر کے دربارِ عام میں کمپنی سرکار کی نمائندگی کرنے والا مدارالمہام بھی موجود نہ تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں ولی عہد کی تاجپوشی کی یہ تقریب نہ صرف حیرت انگیز بلکہ اس کے ارادوں کی شکست تھی ۔ اس نے ملکہ بیگم کو پیغام بھیجا کہ میں نے نواب مرحوم کے انتقال پُرملال کی خبر گورنر جنرل کو بھیج دی ہے ۔ کلکتہ سے پیغامِ تعزیت اور ولی عہد کی جانشینی کے متعلق مبارک باد کا سندیس آنے تک جشنِ تاج پوشی کی تقریب چند روز ملتوی کر دی جائے پھر ابھی تک مدار المہام جعفر بھی اجمیر شریف سے نہیں لوٹے ۔کم از کم ان کی واپسی کا انتظار کر لیا جائے ۔

اس کے جواب میں ملکہ بیگم نے ریذیڈنٹ کو جو پیغام بھیجا وہ اس کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھا ــــــــــــ

"چاند نگر ایک آزاد و خود مختار ریاست ہے مگر ریذیڈنٹ نے جولب ولہجہ اختیار کیا اس سے معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کمپنی سرکار کے باجگزار ہیں ۔ جنرل مٹکاف کو سرزنش کی جاتی ہے کہ آئندہ محتاط رہے۔ چاند نگر کلکتہ کے مشوروں کا محتاج ہے نہ کمپنی کے گورنر جنرل کا ماتحت کہ اس کا پیغام آنے تک تقریب شاہی ملتوی کر دی جائے ۔ یہ اندازِ گفتگو ریاست کے معاملات میں بے جا دخل اندازی کے مترادف ہے کیا کمپنی سرکار اپنی تقریبات ہمارے مشورے سے منعقد کرتی ہے ، کمپنی کا ریذیڈنٹ چاند نگر میں موجود ہے وہ جشنِ تاج پوشی میں اپنی سرکار کی نمائندگی کر سکتا ہے ۔ اپنے مدار المہام کی فکر ہمیں ہونی چاہیے جنرل مٹکاف کو نہیں ۔ اس کی اطلاع کے لیے یہ بتا دینا ضروری ہے وزیرِ سلطنت جعفر جشنِ تاجپوشی میں شریک ہوگا ۔"

ریذیڈنٹ کو یوں محسوس ہوا جیسے زمین اس کے پاؤں کے نیچے تیزی سے گردش کر رہی ہو ۔ اسے یہ اطمینان ضرور تھا کہ گورنر جنرل کو حالات کی نزاکت سے مطلع کر چکا ہے اور انگریزی فوج آتی ہی ہوگی ۔ اس کی آمد تک جنرل مٹکاف نے خاموشی بہتر سمجھی حتیٰ کہ تاج پوشی کا دِن آ پہنچا ۔ وہ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ جشن میں شریک ہو یا چُپ چاپ ریذیڈنسی میں بیٹھ رہے جہاں صرف دوسو انگریز سپاہی اس کی حفاظت کرتے تھے ۔ اس نے جعفر کی تلاش میں آدمی روانہ کیئے مگر جاسوسوں

موقع پر وزیرِ سلطنت کا ریاست میں رہنا بے حد ضروری تھا۔"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں انہیں ملکہ بیگم نے اجمیر شریف بھیجا ہے۔"

"اجمیر ——— ؟" جنرل مٹکاف کے ہونٹ تھرتھرائے، نتھنے پھڑکنے لگے۔ جیسے کسی خطرے کی بُو سونگھ رہا ہو۔

اکبر جنگ غم زدہ لہجے میں کہنے لگا۔

"جنرل ———! ہندوستان روایات و رسومات کا دیس ہے۔ میں نے سُنا ہے ملکہ بیگم کم از کم دس روز تک اعلےٰ حضرت کا سوگ منائیں گی۔ انہوں نے اجمیر شریف کی درگاہ کے لیے وزیرِ سلطنت کو ہدیہ و خیرات دے کر بھیجا اور نواب مرحوم کی فاتحہ خوانی کے لیے درگاہ کے خلیفہ کو بلایا ہے۔ بڑے بزرگ و واجب الاحترام آدمی ہیں اُنہیں کوئی بڑا آدمی ہی اپنے ہمراہ لا سکتا ہے"۔

یہ سُن کر ریذیڈنٹ کچھ مطمئن نظر آنے لگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ملکہ بیگم نے واقعی ایک آدمی ہدیہ و خیرات کے ساتھ اجمیر کی طرف روانہ کیا اور نواب مرحوم کے چہلم کی رسومات ادا کرنے کے لیے خلیفۂ درگاہ کو بُلایا تھا مگر وہ آدمی جعفر نہ تھا۔ جعفر تو محل کے ایک کمرے میں نظر بند تھا اور ملکہ بیگم نے بہ نفسِ نفیس حکم بھیجا تھا۔ ریاست کے مفاد کے لیے اس کی نظر بندی ضروری سمجھی گئی ہے۔

نواب فرخ کو شاہی اعزاز و اکرام کے ساتھ سپردِ خاک کر دیا گیا۔ مسجدوں اور مندروں میں اس کی مغفرت کے لیے دُعائیں مانگی گئیں۔ ملکہ بیگم نے اپنی چُوڑیاں توڑ ڈالیں اور ماتمی لباس پہن لیا۔

ریذیڈنٹ کو اطلاعات پہنچیں کہ ریاست میں دس روز تک نواب مرحوم کا سوگ منایا جائے گا۔ وہ مطمئن تھا کہ اتنی دیر میں انگریزی فوجیں یقیناً پہنچ جائیں گی مگر اچانک یہ سُن کر دنگ رہ گیا کہ ملکہ بیگم نے دربارِ عام منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے جس میں ولی عہد کی تاجپوشی کی رسم ادا ہو گی۔

نواب فرخ کی وفات کے ٹھیک پانچ روز بعد چاندنگر میں دربارِ عام منعقد ہُوا اس موقع پر دوست ریاستوں کے سفیر اور نمائندے موجود تھے۔

منتظر تھے۔ اچانک قرنا کی آواز کے ساتھ توپیں داغی جانے لگیں اور توپوں کی گڑگڑاہٹوں میں حاجب خاص نے ولی عہد اور ملکہ کی آمد کا اعلان کیا۔ لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے۔

اس ہجوم میں جنرل مٹکاف کی نگاہیں بدستور جعفر کو تلاش کر رہی تھیں لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ شاہی محراب سے دائیں سمت ایک محراب میں اُسے وزیرِ جنگ اکبر اور اس کا بیٹا حیدر جنگ نظر آئے۔ بائیں محراب میں دیوان ریاست دُنی چند اور میر منشی احمد شجاع کرسیوں پر متمکن تھے۔ اچانک منتظم دربار میر ولی اللہ نے شاہی محراب میں آ کر ولی عہد ذی شان اور ملکہ مکرّمہ کی آمد کی اطلاع دی پھر اسی لمحے حریری پردوں کو حرکت ہوئی اور ملکہ بیگم تاجِ شاہی سر پر رکھے شہزادہ قاسم کے ہمراہ نمودار ہوئی اور شاہی محراب میں مسند پر ولی عہد کے پہلو بہ پہلو بیٹھ گئی۔ حاضرینِ دربار نے اُٹھ کر سلامی دی پھر اپنی نشستوں پر متمکن ہو گئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں کے دل کو ایک دھچکا سا لگا کہ ملکہ بیگم نے اگرچہ سر پہ تاجِ شاہی سجا رکھا تھا لیکن بدن پہ بدستور سیاہ ماتمی لباس تھا البتہ شہزادہ قاسم کو زرق برق شاہی پوشاک پہنائی گئی تھی اور اس کے سر پہ ابھی تک شہزادگی کی علامت شاہی کلغی نظر آ رہی تھی۔

میر دربار میر ولی اللہ نے دربارِ عام کا مقصد بیان کیا۔ سب سے پہلے تمام لوگوں نے تین پل تک کھڑے ہو کر بزبانِ خاموشی نواب فرخ مرحوم کی رُوح کو خراجِ عقیدت پیش کیا پھر میر ولی اللہ نے وصیّت نامہ پڑھ کر سُنایا۔ سب لوگوں نے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ اس لمحے ملکہ بیگم کھڑی ہوئی اور دربار میں خاموشی چھا گئی۔ اس نے مختصر الفاظ میں ریاست کی آزادی و خود مختاری کی اہمیّت بیان کی اور سرِ دربار قسم کھائی کہ جو دشمن ہماری آزادی پر حملہ آور ہو گا میں اس کا مقابلہ کروں گی۔ دربار میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ انگریز ریذیڈنٹ کے چہرے پہ ایک عجیب سی بوکھلاہٹ طاری ہوئی کیونکہ جب ملکہ بیگم نے آزادی کی قسم کھائی اس کی نگاہیں ریذیڈنٹ پہ مرتکز تھیں۔ غالباً حاضرینِ دربار نے بھی ملکہ بیگم کا اشارہ سمجھ لیا تھا، وہ بھی انگریزوں کو گھور رہے تھے پھر ملکہ بیگم نے نواب فرخ مرحوم کے وصیّت نامہ پر عمل پیرا ہونے کا یقین دلایا اور میرِ دربار کو حکم دیا وہ تاجپوشی کی رسم ادا کرے۔

جب میر ولی اللہ کے اشارے پر ایک مسلمان عالم دین اور ایک ہندو پروہت

نے اطلاع دی تھی جعفر چاندنگر میں موجود نہیں پھر چند انگریز سوار اجمیر کو جانے والے راستے پر جا بیٹھے کہ جونہی وہ آتا نظر آئے اُسے ریذیڈنسی میں لے آئیں مگر تقریب شاہی کا وقت سر پر آگیا اور جعفر کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ اب ریذیڈنٹ کو اپنی سیاسی بصیرت سے کام لے کر یہ فیصلہ کرنا تھا وہ جشن میں شریک ہو یا نہ۔ مشیروں نے بھی رائے دی کہ دولتِ چاندنگر کے ساتھ کمپنی گورنمنٹ کے تعلقات دوستانہ ہیں اس لیے دیرینہ تعلقات کو فوراً ہی منقطع کر لینا ایک سیاسی غلطی ہوگی۔

جنرل مٹکاف بھی ہندوستان کی انگریز گورنمنٹ کی طرف سے اپنے مشیروں کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہُوا جہاں ایوانِ عام میں تاجپوشی کا دربار منعقد کیا جا رہا تھا۔

ایک بہت بڑے وسیع و عریض ہال میں جو اٹھارہویں صدی عیسوی کے شرقی ساز وسامان سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ دو رویہ کرسیاں بچھی تھیں جن پر عمائدین حکومت درجہ بدرجہ بیٹھے تھے ان کے عقب میں دونوں طرف وہ لوگ حاضر تھے جنہیں جشن تاجپوشی میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی تھی سٹیج کے قریب ریاست کے مذہبی لوگ جن میں بڑے بڑے علمائے دین اور پنڈت پروہت شامل تھے اپنے اپنے مخصوص لباس میں قالینوں پر دو زانو بیٹھے تھے۔ ریاست چاندنگر پر اگرچہ مسلمان نواب حکومت کرتے تھے لیکن انہوں نے ریاست کی ہندو رعایا کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ ریاست کا دیوان جسے موجودہ اصطلاح میں وزیرِ مال کہتے ہیں عموماً ہندو ہوتا تھا۔ پنڈتوں اور پروہتوں کو بھی علمائے اسلام کی طرح دربار میں عزت و تکریم دی جاتی تھی۔ اگر یہ کہا کہ نواب فرخ ایک ایسا حکمران تھا جس نے اپنی مذہبی رواداری کی وجہ سے ریاست کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو یک جان و دو قالب کر دیا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

اسٹیج پر بھی ایرانی قالین آراستہ تھے اور ان پر دوست ریاستوں کے سفیر اور نمائندے زرق برق پوشاکیں پہنے جلوہ افروز تھے کمپنی سرکار کے نمائندوں کے لیے بھی اسٹیج ہی پر کرسیاں بچھائی گئی تھیں جن پر جنرل مٹکاف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آکر بیٹھ گیا۔

اسٹیج کے عقب میں دو گز اونچی ایک چوڑی محراب میں مسندِ شاہی آراستہ کی گئی تھی۔ دربار کھچا کھچ بھرا تھا اور لوگ بے تابی کے ساتھ ولی عہد اور ملکہ بیگم کی آمد کے

ملکہ بیگم نے تیز اور چبھتی آواز میں جواب دیا۔ "ہم کسی مجرم کے جرم کی وضاحت کرنے کے پابند نہیں لیکن جعفر چوں کہ کمپنی سرکار کی سفارش پر وزیرِ سلطنت نامزد ہوا تھا اس لیے جرم کی وضاحت کر دینا ضروری ہے۔ کیا تم اس کا جرم نہیں جانتے ——— ؟"

"ہر ہائی نس! بھلا مجھے کیا خبر ہو سکتی ہے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو جنرل مٹکاف! کیوں کہ تم خود شریکِ جرم ہو۔"

"ریذیڈنٹ تھرتھراتی آواز میں بولا۔ "ہر ہائی نس انگریز گورنمنٹ کے ریذیڈنٹ کی توہین کر رہی ہیں۔"

ملکہ نے قہر آلود نظروں سے جنرل مٹکاف کی طرف دیکھا پھر دیوان مُنی چند کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بلند آواز میں گرجی۔

"مُنی چند ——— ! کمپنی سرکار کے ریذیڈنٹ کو ہمارے وزیرِ سلطنت کا جرم بتاؤ۔"

سب لوگوں کی نگاہیں دیوان مُنی چند کی طرف اُٹھیں، وہ کہنے لگا۔

"اعلیٰ حضرت مہاراج تہوّر پناہ کی وفات سے کچھ دیر پہلے جب نواب مرحوم ملکہ بیگم کو ولی عہد ذی شان کا نگران مقرر فرما چکے تھے وزیرِ سلطنت جعفر جنرل مٹکاف کی قیام گاہ پر پہنچا وہاں دونوں کے درمیان یہ سازش طے پائی کہ انگریزی فوج بُلا کر ریاست پر قبضہ کر لیا جائے اور نواب مرحوم کے بعد غدار جعفر کو ولی عہد کا نگران بنایا جائے۔ اس بہانے کمپنی سرکار کے ریذیڈنٹ نے دولتِ چاند نگر کی آزادی و خود مختاری کو غصب کرنے کا خطرناک منصوبہ تیار کیا لیکن ملکہ بیگم کو چونکہ اس سازش کا بروقت پتہ چل گیا اس لیے انہوں نے فوراً جعفر کی گرفتاری کا حکم دیا۔"

لوگ یہ حیرت انگیز انکشاف سُن کر حیران و ششدر رہ گئے۔ دیوان مُنی چند نے بتایا۔ "اعلیٰ حضرت نواب مرحوم بھی جعفر کی پُراسرار سرگرمیوں سے غافل نہ تھے اُنہوں نے اپنی وفات سے قبل یہ حکم قلم بند کروایا کہ اگر مدار المہام ریاست کے مفاد سے غداری کا مرتکب ہو تو وزارت سے برطرف کر دیا جائے۔ یہ حکم نامہ موجود ہے جس کی رو سے جعفر اب مدار المہام نہیں رہا بلکہ کمپنی سرکار سے سازش کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

اچانک جنرل مٹکاف چیخنے لگا۔

تاج شاہی اُٹھائے ولی عہد کی طرف بڑھے تو انگریز ریذیڈنٹ جنرل مٹکاف بڑی بے تابی کے ساتھ کھڑا ہُوا اور ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ " ذرا ٹھہریے ——— ! تاج پوشی کی مبارک رسم سے پہلے مَیں ہر ہائی نس سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں "۔

اکبر جنگ ، حیدر جنگ، دیوان دُنی چند اور احمد شجاع اپنی کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے لوگوں نے بھی جنرل مٹکاف کو نفرت کی نظروں سے دیکھا مگر اُسی لمحے ملکہ بیگم نے بڑے تدبر اور تحمل سے لوگوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور انگریز ریذیڈنٹ کو اجازت دی کہ وہ جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے پُوچھ لے

جنرل مٹکاف نے اس عنایت کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا۔

" ہر ہائی نس ——— ! مَیں صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ دولتِ چاند نگر کے مدار المہام مسٹر جعفر تاجپوشی کی اس اہم تقریب میں کیوں شامل نہیں ہوئے۔ ہز ہائی نس مرحوم نے اپنے وصیت نامہ میں تمام وزیروں اور عہدے داروں کو قائم و برقرار رکھا ہے۔ جس کی رُو سے جعفر بدستور وزیر سلطنت ہیں لیکن وہ اس وقت دربار میں موجود نہیں حالانکہ ملکہ معظمہ نے وعدہ فرمایا تھا وہ جشنِ تاجپوشی میں شریک ہوں گے "۔

یہ سُنتے ہی ملکہ بیگم مشتعل حالت میں کھڑی ہو گئی اس کے ساتھ تمام حاضرینِ دربار کو بھی اپنی نشستیں چھوڑنا پڑیں پھر ملکہ نے اکبر جنگ کی طرف انگلی اٹھائی اور حکم دیا۔

" اکبر جنگ ! مدار المہام کو پیش کیا جائے "۔

دوسرے لمحے لوگوں کی متحیّر و متعجب نگاہیں وزیر سلطنت جعفر پر پڑیں ، جو زنجیروں میں جکڑا سامنے کی بالکونی پر پیش کیا گیا اس کے دائیں بائیں چار جوان ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔ اس سناٹے میں ملکہ بیگم کی آواز سُنائی دی۔

" جنرل مٹکاف ! دیکھ لو ہم نے مدار المہام کو پیش کر دیا "۔

ریذیڈنٹ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ دوسرے انگریز بھی دہشت زدہ نظر آ رہے تھے۔ زنجیروں میں جکڑا جعفر سر نہوڑائے کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں سے موت کا خوف جھانک رہا تھا اس نے جنرل مٹکاف کو دیکھا پھر چلّایا۔ " مَیں بے گناہ ہوں "۔

جنرل مٹکاف شاید سنبھل گیا تھا اس نے ملکہ بیگم کی طرف رُخ کیا اور پوچھا۔

" ہر ہائی نس ——— ! کیا مَیں وزیرِ سلطنت کا جرم دریافت کر سکتا ہوں "۔

ان گرفتاریوں کے بعد چاند نگر کے ولی عہد شہزادہ قاسم ذی شان کی تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی اور میر ولی اللہ کو جعفر کی جگہ مدارالمہام مقرر کیا گیا۔ ولی عہد یہ تمام نظارہ حیرت و تعجب سے دیکھتا رہا۔ جب اس کے سر پہ تاج شاہی رکھا گیا اور نواب فرخ کی آبائی تلوار کمر میں باندھی گئی اس نے اپنے اندر حاکمیت کی رُوح کو کروٹ لیتے محسوس کیا پھر میان سے تلوار نکالی اور اسے الف کر کے بولا۔

"ہم عہد کرتے ہیں چاند نگر کی حفاظت کریں گے"۔

لوگوں نے سر جھکا دیئے ——— وزیر جنگ اور مشیروں نے وفاداری کے حلف اُٹھائے۔ ان تمام رسومات کے دوران قیدی دربار میں موجود رہے ان کی آنکھوں کے سامنے نئی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ پھر "زندہ باد" کے نعروں کے درمیان ملکہ بیگم نے بھی چاند نگر کی آزادی کے تحفظ کا حلف اُٹھایا۔

جنرل مٹکاف گرفتار تھا۔

ریذیڈنسی کی عمارت پہ ریاستی فوج کا قبضہ ہو چکا تھا اور ریذیڈنٹ کی حماقت سے دولتِ چاند نگر اور سرکارِ انگلشیہ کے درمیان دوستانہ تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔

شہزادہ قاسم کی تاجپوشی کے ٹھیک دس روز بعد کلکتہ سے انگریز گورنر جنرل کا ایک سفیر چاند نگر میں حاضر ہوا۔ اس نے قلعہ میں باریابی کی اجازت طلب کی اور انتہائی ندامت کے ساتھ ملکہ بیگم کے حضور پیش ہُوا۔ سفیر نے سب سے اوّل نواب مرحوم کی وفات پہ گورنر جنرل کی طرف سے اظہارِ تعزیت کیا۔ ملکہ بیگم کو ہمدردی اور صِدق دِل کا یقین دلایا شہزادہ ذی شان کی تاج پوشی پہ مبارک باد پیش کی پھر کہا۔

"جنرل مٹکاف سے جو غلطی سرزد ہوئی ہے گورنر جنرل اس پر سخت برافروختہ ہیں اُن کا ہرگز ایسا کوئی ارادہ نہ تھا کہ ریاست پر قبضہ کیا جائے غالباً جعفر نے مٹکاف کو بہکایا اور وہ ہر ہائی نس کے خلاف سازش کا مرتکب ہُوا لیکن کمپنی گورنمنٹ کا اس اقدام سے کوئی تعلق نہیں۔ ہز ایکسی لنسی گورنر جنرل ملکہ عالیہ سے درخواست کرتے ہیں کہ انگریز قیدیوں کو رہا کر دیا جائے تاکہ مجرموں کو گورنر جنرل خود سزا دے سکیں۔ نیز وہ یہ بھی چاہتے ہیں دیرینہ تعلقات منقطع نہ کیے جائیں اور ریذیڈنسی کو بحال کر دیا جائے۔ اس مرتبہ کمپنی گورنمنٹ

"یہ الزام غلط ہے ۔ مَیں نے کوئی سازش نہیں کی ۔ ہز ہائی نس کی وفات کے بعد بعض لوگ کمپنی گورنمنٹ کے خلاف ملکہ عالیہ کو بدظن کرنا چاہتے ہیں "۔

"جنرل مٹکاف ! شاید تمہیں کسی دربار میں حاضری کے آداب یاد نہیں رہے "۔

ملکہ بیگم کی آواز سُنکر ریذیڈنٹ نے ادب سے اپنی گردن جُھکا دی۔ "ہز ہائی نس ! دیوان دُنی چند نے میری ذات پر بہت بڑا الزام لگایا ہے جو بالکل غلط ہے ۔اس سے انگریزی گورنمنٹ کی توہین ہوئی ہے "۔

"ہمارے پاس تمہاری سازش کے سارے ثبوت موجود ہیں ۔ دُنی چند صرف ہمارے احکام کی تعمیل کر رہا ہے جنرل مٹکاف ! تم اپنے آپ کو گرفتار سمجھو ۔ دولت چاند نگر کی آزادی کے خلاف سازش کرنے والے مجرموں کو معاف نہیں کیا جائے گا "۔

پھر ملکہ بیگم کے حکم پر وہ دونوں انگریز پابہ زنجیر دربار میں حاضر کیے گئے ۔ جنہیں ریذیڈنٹ نے گورنر جنرل کی طرف ریاست کے حالات کی خبر دینے کو بھیجا اور انگریزی فوج طلب کی تھی ۔ ان انگریزوں کو دیکھ کر جنرل مٹکاف کا رنگ پیلا پڑ گیا، وہ بُری طرح کانپنے لگا ۔ اس کے ساتھی بھی سخت پریشان و بدحواس تھے ۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کلکتہ جانے والے قاصد گرفتار کر لیے گئے ہوں گے ۔

دیوان دُنی چند نے ریذیڈنٹ کا وہ خط سرِ دربار پڑھ کر سنایا جس میں وزیرِ سلطنت جعفر کو اقتدار دلانے کے لیے گورنر جنرل سے انگریزی فوج بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی ——— وہ رقعہ بھی پڑھا گیا جو جنرل مٹکاف نے بزعم خود جعفر کی طرف لکھا اور خبر دی تھی کہ قاصد کلکتہ کی طرف روانہ ہو چکے تم انگریزی فوج آنے تک ریاست کو نواب کے سوگ میں الجھائے رکھو ——— اس کے ثبوت میں جعفر کا شریک کار رگھوناتھ بھی پیش ہوا ۔

سازش کی تمام کڑیاں بے نقاب ہو چکی تھیں اب انگریز ریڈنٹ اور جعفر کے پاس اپنی برّیت کا کوئی عذر موجود نہ تھا ۔ ملکہ بیگم نے سربراہ ریاست کی حثیت سے ریذیڈنٹ اور اس کے تمام مشیروں کی گرفتاری کا حکم دیا ۔ وہ انگریز سپاہی جو ریذیڈنسی کی حفاظت کے لیے چاند نگر میں موجود تھے ۔ اکبر جنگ کے سواروں نے پہلے ہی گھیر کر گرفتار کر لیے تھے ۔

مراسم نہ رہے تھے - پھر جعفر کا مقدمہ کون لڑتا - ملکہ اکبر جنگ کے فرزند کی مشکلوں کو خوب سمجھتی تھی اس نے صاف صاف کہہ دیا -

"حیدر ——— ! تم اگر زمانی بیگم کے خاوند نہ ہوتے تو تمہیں اپنے باپ کی جگہ مل سکتی تھی مگر حکومت کی بعض مصلحتیں ہمیں تمہارا حق نظر انداز کرنے پر مجبور کرتی ہیں. بتاؤ ہم تمہارے لیے کیا کریں ؟"

"بیگم حضور ——— ! آپ میری دشواریوں سے واقف ہیں - پھر مجھ سے کیا پوچھتی ہیں - زمانی بیگم کی حالت بہت خراب ہے اگر جعفر کو قتل کر دیا گیا یا سزا ہو گئی تو وہ زندہ نہ رہے گی - جعفر کی وجہ سے لوگ مجھ پر بھی انگلیاں اٹھاتے ہیں کاش ——— ! بابا نے مجھے ان زنجیروں میں نہ جکڑ دیا ہوتا"۔

"حیدر ——— ! تم ہمیں بے حد عزیز ہو - زندگی میں پہلی مرتبہ ہمارے پاس ایک تمنا لے کر آئے ہو - جعفر کی جاں بخشی کا وعدہ ہوا - اُسے عدالت میں بھی پیش نہیں کیا جائیگا - شاید عنقریب اسے رہا بھی کر دیا جائے"

جب اکبر جنگ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی کہ اس کا بیٹا جعفر کی جاں بخشی اور رہائی کا وعدہ لے آیا ہے تو شعلے کی طرح بھڑک اُٹھا اور حیدر جنگ کا گریبان پکڑ کر بولا

"تم ایک سانپ کو زخم لگا کر چھوڑ دینا چاہتے ہو ؟"

پھر وہ محل سرا کی طرف بھاگا لیکن ملکہ بیگم حیدر سے جو وعدہ کر چکی تھی اس پر قائم رہی - اکبر جنگ کو مایوس لوٹنا پڑا -

ایک ماہ کے بعد جعفر کو رہا کر دیا گیا لیکن اس کے لیے یہ حکم ہوا وہ دارالحکومت میں نہیں رہ سکتا - ریاست کی کسی بستی میں قیام کرے - جعفر نے حیدر کا شکریہ ادا کیا اور کہا - "اگر زندگی رہی تو تمہارے احسان کا بدلہ چکانے کا کوشش کروں گا"۔

پھر رات کے اندھیروں میں چاند نگر سے نکل گیا -

شہزادہ قاسم کی تعلیم و تربیت میں ملکہ بیگم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا وہ جیسے جیسے بڑا ہوا اس کا مضبوط جسم ایک سانچے میں ڈھلتا چلا گیا - اب وہی ملکہ کی آنکھوں کا نور تھا اور اسے ایک پل کے لیے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھی - بیٹی کی

ایسا ریذیڈنٹ مقرر کرے گی جسے ریاست کا مفاد ہمیشہ عزیز رہے گا اور کمپنی کی طرف سے آپ کی خدمت کرے گا"

اس تقریر کو سنکر جو انگریز کی حکمتِ عملی کی صحیح تصویر تھی ملکہ بیگم کسی سوچ میں ڈوب گئی ۔ گورنر جنرل نے اپنی دوستی اور صدقِ دِلی کا یقین دلانے کے لیے شہزادہ اور ملکہ کے لیے بہترین تحائف بھی بھجوائے تھے ۔ آخر انگریز سفیر کو جواب دیا گیا ۔

"جنرل مٹکاف ایک بدترین جرم کا مرتکب ہُوا ہے اس کے متعلق ریاست کو فیصلہ وسزا کا حق حاصل ہے لیکن گورنر جنرل کی معذرت اور دوستی کے پیشِ نظر دوسرے انگریز قیدیوں کو رہا کرنے کا وعدہ کیا جاتا ہے ۔ ریذیڈنسی کو بحال کرنے پر غور کیا جائے گا"۔

انگریز سفیر کے نقطۂ نظر سے یہ جواب اُمید افزا نہ تھا ۔ اس نے ملکہ عالیہ کے علاوہ میر ولی اللہ ، اکبر جنگ اور دیوان دُنی چند سے بھی ملاقاتیں کیں ۔ آخرکار انگریزوں نے اپنے ریذیڈنٹ کی رہائی کے لیے چار لاکھ روپے کی پیش کش کر دی ۔ یہ پیش کش قبول کر لی گئی اور جنرل مٹکاف کو رہا کر دیا گیا ۔

اگر جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو کا خطرہ نابود ہو چکا ہوتا تو ممکن ہے انگریزی فوج چاند نگر پر حملہ کر دیتی کیونکہ ہندوستان میں سازشوں ، بدعہدیوں اور مکاریوں کے علاوہ انگریز کا اور کوئی دستور و آئین نہ تھا ——— چھ ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد ریذیڈنسی پھر بحال کر دی گئی ۔ اس مرتبہ جو ریذیڈنٹ آیا وہ واقعی اگر دل سے نہیں تو بظاہر ریاست کا دوست اور ملکہ بیگم کا نیاز مند ہی معلوم ہوتا تھا ۔

جنرل مٹکاف کا کیا حشر ہُوا اور اسے کہاں بھیجا گیا ؟

چاند نگر کے عوام اور حکومت کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی ملکہ بیگم نے انتہائے فراست سے کاروبارِ حکومت سنبھالا ۔ جعفر ہنوز گرفتار تھا اور ریاست کی قومی عدالت اس کے خلاف مقدمہ کی سماعت کرنے والی تھی ۔ ان ایّام میں وزیر جنگ اکبر کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ جعفر کی بہن زمانی بیگم اس کی بہو تھی اور دن رات اس کے قدموں میں پڑی بھائی کی جاں بخشی اور رہائی کی التجا کرتی رہتی تھی ——— حیدر جنگ بھی عجیب کشمکش میں مبتلا تھا ۔ آخر بیوی کی آہ وزاری سے مجبور ہو کر ایک روز اسے ملکہ بیگم کے حضور حاضر ہونا پڑا مگر جعفر کی رہائی کی کوئی صورت نہ تھی ۔ اب کمپنی سرکار کیساتھ پہلے سے

ماہ ہوئے سردار اپنی بیٹی کو لے کر شمال مغرب کی کسی ریاست کی طرف نکل گیا ہے۔ اس کے بعد سردار کا نائب سلیمان قبیلے کی نگرانی کرتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا سردار کہاں گیا ہے جانے سے قبل اس نے اپنے لوگوں سے صرف اتنا کہا تھا وہ اپنی بیٹی کو اعلیٰ تربیت دینے جا رہا ہے نجانے کب واپس آئے؟"

یہ خبر سنکر ملکہ بیگم کو اتنا اطمینان تو ضرور ہو گیا اس کی بیٹی زندہ ہے بلکہ سردار جگو اس کی تعلیم و تربیت سے بھی غافل نہیں لیکن اس اطلاع نے ملکہ بیگم کے سینے میں ایک نئی ہلچل مچادی۔ اب سردار جگو سے ملنے اور اپنی بیٹی کو دیکھنے کی آگ کچھ اور شدت سے بھڑک اُٹھی تھی۔

یاد اب بھی کبھی کبھار قلب و ذہن پر چرکے لگاتی اُبھرتی لیکن اس نے سینے پہ پتھر رکھ لیا تھا ہونٹ سی لیے تھے اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

بیٹی سے ملنے، ایک نظر دیکھنے، اس کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے وہ بیتاب و مضطرب تھی ہر سال بنجاروں کی آمد کا انتظار کرتی لیکن سردار جگو کچھ ایسا گیا کہ پلٹ کر نہ آیا۔ یہ بھی خبر نہ تھی وہ زندہ ہے یا نہیں اس کی بیٹی جیتی ہے یا مر گئی ؟ تنہائی کے لمحوں میں جب پُرانی یادیں کافوری شمعوں کی طرح جل کر دلِ بے تاب پر روشنی ڈالتیں جب وہ گذرے لمحے یاد آتے جب اس نے ریاست کی ایک ضرورت پہ اپنی مامتا کو نچھاور کر دیا اور اپنی بچّی ایک خانہ بدوش سے تبدیل کر لی تھی تو دل میں ایک ہوک سی اُٹھتی، سینے میں ایک درد لہر لیتا اور وہ گھبرا کر محل سرا کی دوسری منزل کے اس جھروکے میں جا کھڑی ہوتی جو نیلم ندی کی طرف کُھلتا تھا۔ اس کھنڈر کو دیکھتی جس میں سردار جگو نے ڈیرہ لگایا تھا جہاں بنجاروں کا قافلہ آکر ٹھہرا تھا۔

وہ پہروں شمال کی طرف جانے والے راستوں پر نظریں جمائے کھڑی رہتی جدھر خانہ بدوش گئے تھے لیکن اب کوئی قافلہ آتا دکھائی نہ دیتا نجانے جگو کہاں رُوپوش ہو گیا تھا۔

ایک روز جب دِل میں گذشتہ یادوں نے قیامت اُٹھا رکھی تھی اور وہ اپنی بیٹی کے غم میں شمع کی طرح پگھل رہی تھی اس نے مرجینا کو طلب کیا اور بولی۔

"مجھے اپنی بیٹی سے بچھڑے بارہ سال ہو گئے مگر سردار جگو نے پھر اِدھر کا رُخ نہیں کیا۔ مَیں صرف ایک نظر اپنی راج دُلاری کو دیکھنا چاہتی ہوں نجانے اس نے کیسی شکل و صورت پائی ہے۔ سردار نے اُسے کیسی تعلیم دی ہے ——— ؟ یہ باتیں میرے دل میں طوفان مچا دیتی ہیں تم کسی ذریعے سردار جگو کے ٹھکانوں کا پتہ کرو پھر کسی بہانے خانہ بدوشوں کو چاند نگر بلا لیا جائے گا۔"

مرجینا اپنی مالکن کا دُکھ سمجھتی تھی اس نے شمالی جنگلوں کی طرف آدمی دوڑائے کہ وہ خفیہ طور سے سردار جگو کے قبیلے کا کھوج لگائیں لیکن ڈیڑھ ماہ کی تلاش و جستجو کے بعد جب آدمی واپس آئے اُنہوں نے بتایا، سردار جگو کا قبیلہ شمال کے ایک جنگل میں مستقل رہائش رکھتا ہے جہاں وہ اپنی چراگاہوں کی حفاظت کرتا اور گھوڑے پالتا ہے مگر چند

شفق ارمانوں کے خون کی مانند پھولتی اور سرخیٔ دل کا عنوان بنتی رہی۔
میدانوں میں چاندنی کھیت کرتی رہی۔
باغوں میں کوئل کی تانیں اڑتی اور البیلی سکھیوں کے جھولے پڑتے رہے۔
شاخوں پر کتنی ہی مرتبہ شگوفے پھوٹے، غنچے مسکرائے اور پھول کھلکھلائے لیکن انقلاب ایام اور موسموں کے اس تغیر کے باوجود اگر نہ کھل سکی تو وہ ملکہ بیگم کے دل کی کلی تھی ——— اگر نہ بر آئی تو ایک ناشاد و حزیں ماں کی آرزوئے مراد تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ بیٹی کو دیکھنے کی تمنّا بڑھتی اور جوان ہوتی چلی گئی، اس سرو کی طرح جو ولی عہد کی ولادت پر نواب فرخ نے اپنے ہاتھ سے پائیں باغ میں لگایا تھا اور جسے بوڑھا باغبان بڑی عقیدت سے پانی دیتا تھا ——— وہ محل سرا کے جھروکے میں کھڑی پہروں شمالی راستوں پر نظریں جمائے کھڑی رہتی۔ اس کے دل میں ایک عجیب سا درد لہریں لیتا۔ سینے میں غم کے بھنور پڑتے، آنکھیں بھیگ جاتیں، چپکے چپکے روتی لیکن نہ شمال کی طرف سے گرد اٹھتی نظر آتی نہ کوئی قافلہ آتا دکھائی دیتا، نہ اس کے دل کو سکون ملتا ——— ایک آگ تھی جو اندر ہی اندر اسے جلائے دیتی تھی۔

سردار جگو کے انتظار میں اس نے کتنے ہی سال گزار دیئے مگر وہ پلٹ کر نہ آیا۔
جب ولی عہد کی سالگرہ کا دن آتا، شہر بھر میں چراغاں ہوتا محل سرا میں نور کے دھارے پھوٹتے اور قصرِ سفید بقعۂ نور بن جاتا، ملکہ بیگم کے سینے کا زخم ہرا ہو جاتا۔ وہ قصر کے ایک کمرے میں خود ہی شمعیں جلاتی خود ہی انہیں بجھاتی تھی۔ ہر سال اُن میں ایک شمع کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ یہ شمعیں وہ اپنی بیٹی کی سالگرہ کے لیے روشن کرتی تھی۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا وہ شہزادہ قاسم کی تعلیم و تربیت سے غافل ہو گئی تھی۔ پائیں باغ میں سرو کا جو پودہ پرورش پا رہا تھا اس کی آبیاری اور حفاظت میں بوڑھے باغبان نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا مگر محل سرا میں ایک سرو ملکہ بیگم کی نگہبانی میں پروان چڑھ رہا تھا ——— اور اس سرو کا نام تھا قاسم ——— ولی عہدِ سلطنت۔
مختلف موسموں سے گزر کر دونوں سرو جوان ہو چکے تھے اور انہیں انیسویں بہار آ لگی تھی۔

شہزادہ قاسم کو سپہ گری کی تعلیم وزیر جنگ اور سپہ سالار اکبر جنگ نے دی تھی جو خود

(۹)

وقت کا تیز رَو پرندہ ماضی کے اندھیروں کو پیچھے چھوڑتا، حال کی فضاؤں میں پھڑپھڑاتا مستقبل کے سنہرے حاشیوں کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

گھڑیاں پہروں میں، پہر دِنوں میں، دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہو رہے تھے۔ حالات نے بے شمار کروٹیں لیں۔ موسموں نے کتنے ہی رنگ بدلے دستِ صبا نے کئی مرتبہ پھولوں کے پیراہن چاک کیے۔ بہاریں کئی بار خزاں کے بے رحم ہاتھوں پامال ہوئیں۔

کتنی برساتیں آئیں اور بیت گئیں ——— ساون بھادوں کی سُلگتی جھڑیاں تمناؤں کو برماتی چلی گئیں اور مہاوٹ کے کپکپاتے جاڑے دِلوں میں شعلے سے بھڑکاتے گذر گئے۔

برساتی ندیوں نے کئی بار شور مچایا۔ دریاؤں میں کئی مرتبہ پانی چڑھا، نیلم ندی کی بپھری لہریں کئی دفعہ کنارے چھوڑ کر ناگنوں کی طرح پھنکارتی دھرتی کے سینے پر بہہ نکلیں حتےٰ کہ پانی چاند نگر کی فصیل سے ٹکرا کر لوٹ جاتا۔

طلوع و غروب کے حسین نظارے کائنات کے حاشیوں پر رنگ بکھیرتے رہے

مگر بیسویں سالگرہ کو ابھی پورے آٹھ ماہ باقی تھے جب اُسے مکمّل اختیارات سونپے جانے والے تھے کہ ایک حیرت انگیز اور خلافِ توقع حادثہ ہو گزرا۔

ایک روز جب ملکہ بیگم حسبِ معمول محل سرا کی دوسری منزل پہ جھروکے میں کھڑی نیلم ندی کے اس پار شمالی راستوں پر نظریں جمائے اپنی بیٹی کی یاد میں گیلی لکڑی کی طرح سُلگ رہی تھی کہ اس کی وفادار کنیز ہانپتی، کانپتی جھروکے میں حاضر ہوئی اور سَر جھکا کر بولی۔

"بیگم حضور ——— ! جلد نیچے تشریف لے چلیے۔ قصرِ سفید میں دیوان دُنی چند اور ولی عہد ذی شان بڑی بے تابی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ دونوں بے حد پریشان ہیں اگر میرا قیاس غلط نہیں تو ضرور کوئی افسوسناک واقعہ پیش آیا ہے۔"

ملکہ بیگم فوراً گول زینہ اُتر کر قصرِ سفید کے کمرۂ خاص میں آئی اور پریشانی کا سبب پوچھا۔ اس کے جواب میں دیوان دُنی چند نے کہا۔

"کاش ——— ملکہ عالیہ نے جعفر کی جان بخشی نہ کی ہوتی ——— اگر جان بخشی کی تھی تو اُسے رہا نہ کیا ہوتا۔"

ملکہ بیگم نے حیران سی نظروں سے دُنی چند کی طرف دیکھا۔

"دُنی چند ——— ! جو کچھ کہنا چاہتے ہو واضح الفاظ میں بیان کرو۔"

دیوانِ ریاست نے اپنا سر جُھکا لیا پھر بتایا۔

"افسوس ! ہم غدار جعفر کی طرف سے بے خبر رہے اور اس نے ریاست کے سرحدی علاقہ میں چپکے ہی چپکے بیکاروں، رہزنوں اور لٹیروں کی ایک جمعیت فراہم کر لی۔ اب وہ دس ہزار فوج لے کر چاند نگر پہ حملہ آور ہوا اور بغاوت و سرکشی پہ آمادہ ہے۔"

یہ اطلاع ملکہ بیگم کو نقشِ حیرت بنا دینے کے لیے کافی تھی مگر اس سے بھی بڑھ کر سنسنی خیز خبر یہ تھی۔ جعفر کے ہمراہ ایک انگریزی پلٹن بھی ہے اور اس کے توپ خانہ کا افسرِ اعلیٰ بھی ایک انگریز میجر وِنڈسر ہے۔ ملکہ بیگم یہ حیرت انگیز خبر سُنتے ہی تڑپ اُٹھی دُنی چند نے بتایا۔

"بیماری کے باوجود سپہ سالار اکبر جنگ چار ہزار سپاہ لے کر عین وقت پر فرخ نگر پہنچ گیا ہے"۔ یہ چاند نگر سے چند میل دُور ایک حفاظتی قلعہ تھا جسے نواب فرخ نے تعمیر کرایا یہاں صرف ایک ہزار سپاہ رکھی جاتی تھی۔ جعفر اپنی فوج لے کر اسی قلعہ کی طرف بڑھا تھا۔

بھی اب بوڑھا ہو چلا تھا۔ اس کے بیٹے حیدر جنگ نے اسے شہسواری کا فن سکھایا جس سے اچھا شہسوار پوری سلطنت میں کوئی نہ تھا۔ بندوق کے نشانہ کی تربیت مدارالمہام میر ولی اللہ نے دی جس نے خود یہ ہنر ایک فرانسیسی نشانچی سے سیکھا تھا۔ سلطنت کے اسرار و رموز سے دیوان مُنی چند نے آگاہ کیا جو سیاست و حکمت کی کئی بازیاں کھیل چکا تھا۔

اب ولی عہد ہر اعتبار سے ایک یکتائے روزگار نوجوان تھا جو شہسواری میں طاق فنونِ حرب میں یکتا امورِ سلطنت میں ماہر تھا۔ آخری مرتبہ جب بوڑھے اکبر جنگ نے اس کی تیغ زنی کا امتحان لیا تو نوجوان شہزادہ نے اپنے استاد کی چھ تلواریں توڑ ڈالی تھیں۔ اکبر جنگ کی تلوار کو توڑنا لڑکوں کا کھیل نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے لائق شاگرد کی پیشانی چوم لی اور ملکہ بیگم کو اطلاع بھجوائی۔ نوجوان شہزادہ اپنے ہر حریف کا کامیاب مقابلہ کر سکتا ہے اب کسی مزید تربیت کی ضرورت نہیں۔ ادھر مُنی چند نے مژدہ سنایا۔ ولی عہد حکومت و فرماں روائی کے قابل ہو چکا ہے۔ اب میرے پاس اُسے سکھانے کے لیے کچھ باقی نہیں۔

ملکہ بیگم نے یہ اطلاعات سُنیں تو مسرت کا اظہار کیا اور حکم دیا۔ ولی عہد کی بیسویں سالگرہ پر نہ صرف اس کی شہ زوری اور سپہ گری کا مقابلہ ہو گا بلکہ اسی سال اسے حکومت کے مکمل اختیارات بھی سونپ دیئے جائیں گے اس مقصد کے لیے ایک مرتبہ پھر دربارِ عام منعقد ہو گا جس میں انتقالِ اختیارات کی رسم ادا کی جائے گی۔

ملکہ بیگم خود بوڑھی ہو چکی اور کاروبارِ حکومت ولی عہد کو سونپ کر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہتی تھی دُنیا کے ہنگاموں سے اس کا جی بھر گیا تھا۔ وہ اس بات پر بے حد مطمئن اور مسرور تھی کہ اس نے جس گل بہاراں کو اپنی آزادی کا نشان قرار دے کر پرورش کیا اس کی خوشبو سے پورا باغ مہک رہا تھا۔ شہزادہ قاسم نہ صرف ایک مضبوط، قوی ہیکل اور خوبرو نوجوان نکلا بلکہ شہ زوری اور سپہ گری میں ممتاز ہونے کے علاوہ ملکہ بیگم کا بے حد فرماں بردار فرزند ثابت ہُوا۔

اُسے ”ماں“ سے اتنا پیار تھا کہ جب تک اس کی حاضری نہ دے لیتا کھانا نہ کھاتا تھا۔ ملکہ بیگم اپنی زندگی میں اس کی آزاد و خود مختار حکومت کا انداز دیکھنا چاہتی تھی

اس کی جاگیر میں سات آٹھ ہزار آدمیوں کا اجتماع ہوگیا۔ جعفر نے فوراً کمپنی سرکار کو مدد کا وعدہ ایفا کرنے کی توجہ دلائی اور بتایا۔ اس کے جھنڈے تلے آٹھ دس ہزار تجربہ کار سپاہی حملہ کیلئے تیار کھڑے ہیں۔

یہ وہ ایام تھے جب جنوبی ہند کے حالات کمپنی سرکار کے لیے سامانِ مصیبت بن گئے اور انگریز بیک وقت کئی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ گورنر جنرل نے جعفر کو ہاتھ میں رکھنے کی خاطر بھاری رقم اور سامانِ جنگ کی ایک کھیپ ضرور بھجوا دی لیکن فی الحال حملہ کا مشورہ نہ دیا۔ جعفر بھی اس وقت تک حملہ کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ جب تک انگریزی فوج اس کا ساتھ نہ دیتی۔ اس نے روپیہ اور سامانِ جنگ رہزن سرداروں میں بانٹ دیا اور مناسب وقت کے انتظار میں انہیں رخصت کر دیا ——

ہندوستان کے حالات بڑی سُرعت کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے۔ انگریز مدبّروں نے کمپنی کے لندنی آقاؤں کو مشورہ دیا تھا جب تک سلطان ٹیپو ایسے محبِّ آزادی موجود ہیں انگریز ہندوستان پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ کمپنی سرکار نے ٹیپو کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ کیا۔ چند ہی سال میں اہم انتظامی ردّ و بدل کیے گئے۔ لارڈ کارنوالس کو واپس بُلا کر سر جان شور کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا لیکن سلطان ٹیپو سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی درندہ صفت حاکم کی ضرورت تھی۔ آخر کار وزیرِ اعظم انگلستان پٹ کے آئرش دوست لارڈ ولزلی پر نگاہِ انتخاب پڑی اور ہندوستان کی تحریکِ آزادی کو کچلنے اور وطن پرستوں کو لہو میں غُسل دینے کی خاطر لارڈ ولزلی کو گورنر جنرل بنا کر ہندوستان بھیجا گیا۔ اس نے کلکتہ میں پہنچتے ہی سلطان ٹیپو کے خلاف جنگی تیاریاں مکمل کیں۔ ہندوستانی غداروں کو بھاری انعامات دیئے اور ہندوستان کو غلامی کی زنجیریں پہنانے کا تہیّہ کر کے میسور کی طرف بڑھا۔

جعفر اپنے لیٹرے ساتھیوں کو رخصت کر کے وقت کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک روز کمپنی سرکار کا بُلاوا آ گیا۔ اسے مزید روپیہ اور سامانِ حرب دیا گیا اور میجر ونڈسر کی پلٹن ساتھ کر دی گئی۔ مقصد صرف جعفر کو چاند نگر میں اقتدار دلانا اور کمپنی گورنمنٹ کا رعب طاری کرنا تھا۔ جعفر نے رہزن سرداروں کو جمع کیا اور دس ہزار کی جمعیت لے کر چاند نگر کی طرف بڑھا۔

لیکن حملہ کی بجائے وہ چاند نگر سے ایک میل کے فاصلہ پر اُترا اور اس کے سپاہی مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے تھے۔ اکبر جنگ ہنگامی طور پر کمک لے کر روانہ ہو چکا تھا لیکن شہزادہ قاسم اور دیوان دُنی چند ملکہ بیگم سے واضح احکام حاصل کرنے کے لیے آئے تھے۔ انگریزی پلٹن نے معاملہ کو از حد پیچیدہ بنا دیا تھا۔

ملکہ بیگم ابھی تک یہ معمّا نہ سمجھ پائی تھی۔ جعفر نے اتنی سپاہ کیسے فراہم کر لی؟ روپیہ اور سامانِ حرب کہاں سے حاصل کیا ———— ؟ اس پر انگریزی پلٹن کی حمایت۔ وہ فکر و تشویش میں ڈوب گئی۔

اپنی جان بخشی اور رہائی کے بعد جعفر رات کے اندھیرے میں چاند نگر سے نکلا اور سرحدی علاقہ میں آباد ہو گیا جہاں اس کا دوست جمیل رائے اسی کی مہربانیوں کے طفیل ایک چھوٹی سی جاگیر کا مالک تھا۔ اس نے تین سال بڑی خاموشی سے گزار دیے لیکن اپنی ذلّت و رسوائی کا داغ دھونے کے لیے ایک بار پھر اس کے دل میں ہوسِ اقتدار کا شعلہ بھڑکا اور جمیل رائے کی مدد سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے لگا۔

چاند نگر میں انگریزی سیاست نے بھی ایک ذلّت آفرین شکست اُٹھائی تھی۔ انگریز گورنر جنرل نے اگرچہ اس واقعہ پر معذرت چاہی اور اسے ریذیڈنٹ کی "احمقانہ حرکت" قرار دے کر نہ صرف ریاست سے اپنے تعلقات دوبارہ قائم کر لیے بلکہ ریذیڈنسی بھی بحال کرالی تھی لیکن اپنے ارادوں کی شکست و رسوائی پر وہ بھی دِل میں پیچ و تاب کھاتا اور ریاست پر حملہ کے لیے کوئی معقول بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ جب جعفر نے اپنے انگریز دوستوں کی وساطت سے یہ عرضداشت پیش کی کہ وہ چاند نگر کی حکومت سے انتقام لینے کا ارادہ رکھتا اور مدد کا طلب گار ہے تو گورنر جنرل کو جیسے مُنہ مانگی مُراد مِل گئی۔ اس نے روپیہ اور سامانِ جنگ فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔

جمیل رائے ایک معمولی سردار تھا جو جعفر کے عہدِ وزارت میں پانچ گاؤں پر مشتمل ایک چھوٹی سی سرحدی جاگیر کا مالک بن گیا تھا۔ جب پُرانے مہربان نے ریاستی حکومت کے خلاف بغاوت کی تیاریاں شروع کیں تو اس نے اپنے ساتھیوں کو جو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے ایک بڑی لُوٹ میں حصّہ لینے کی دعوت دی۔ تھوڑی ہی دیر میں

گیا۔انہوں نے دشمن کو پیچھے دھکیل دیا صرف انگریزی پلٹن جمی رہی اور شہزادہ کے اشارہ پر چاند نگر کے بہادر تین اطراف سے اسے گھیرنے لگے پھر ولی عہد نے اپنے بہادروں کو حکم دیا۔

"انگریزوں کو قتل کرنے کی بجائے گرفتار کیا جائے۔"

یہ ایک مشکل کام تھا پھر بھی ریاستی سواروں نے پہلے ہی حملہ میں کئی انگریز سپاہیوں پر کمندیں پھینکی تھیں جس کے نتیجے میں پچاس ساٹھ انگریز اُن کے قابو میں آگئے لیکن قلعہ تک صرف چالیس انگریز قیدی صحیح سلامت پہنچائے جا سکے۔باقی رہائی کی جدوجہد میں جاں بحق ہو گئے۔رات کا اندھیرا پھیلتے ہی دشمن اپنے مورچوں میں دُبک گیا۔شہزادہ قاسم بھی قلعہ میں لوٹ آیا۔

یہ محض ایک آزمائشی جنگ تھی جس میں غنیم کے دو سو آدمی ہلاک اور ستر گرفتار ہوئے جن میں چالیس انگریز تھے۔ریاستی سپاہ کے صرف پچاس آدمی کام آئے مگر شہزادہ کو ان کی ہلاکت کا شدید افسوس تھا۔

دوسرے روز طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی فرخ نگر کے قلعہ میں طبل و دمامہ پر چوٹ پڑی ریاستی فوج شہزادہ قاسم کی کمان میں قلعہ سے نکلنے لگی۔حریف کے مورچوں میں بھی ہلچل کے آثار نمایاں تھے لیکن ابھی توپوں نے گولے نہیں اُگلے تھے کہ چاند نگر کا ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ پچاس سواروں کے ہمراہ سفید جھنڈے لہراتا فریقین کے درمیان نمودار ہوا۔ اس نے درخواست کی تھی۔دونوں حریف صرف دو روز کے لیے جنگ ملتوی کر دیں اس دوران وہ صلح کی کوشش کرے گا۔صلح کا لفظ سُن کر شہزادہ بھڑک اُٹھا پھر کرنل کلوٹ خود بھاگا بھاگا آیا۔ولی عہد غضب ناک آواز میں بولا۔

"کرنل کلوٹ! کہیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ہم باغیوں کے سر کچلتے ہیں ان سے صلح نہیں کرتے۔"

ریذیڈنٹ خوشامد کرنے لگا۔

"پرنس ——! مَیں آپ کے جذبات کو سمجھتا ہوں مگر جن لوگوں نے بغاوت کی ہے آخر وہ دولتِ چاند نگر کے باشندے ہیں۔مجھے ان سے گفتگو کرنے کی مہلت دیجیئے مَیں اس جنگ کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔شاید باغی لڑے بغیر ہتھیار پھینک دیں۔"

شہزادہ نے اسے گفتگو کی اجازت دے دی اور فوج لے کر قلعہ میں آ بیٹھا۔

ملکہ بیگم نے فوراً ریذیڈنٹ کو قصرِ سفید میں بُلایا اور باغیوں کی حمایت کرنے والی انگریزی پلٹن کے متعلق وضاحت طلب کی۔ کرنل کلوٹ لومڑ کی طرح ہوشیار اور مکّار تھا۔ اس نے بتایا۔

"ہندوستان میں بے شمار انگریز اور فرانسیسی سپاہی والیانِ ریاست اور دیسی امیروں کی ملازمت کرتے ہیں۔ باغیوں نے بھی ایک ایسے ہی انگریز میجر ونڈسر کی خدمات حاصل کی ہیں جو روپے کے عوض ہندوستانی امیروں کے لیے کام کرتا ہے۔ کمپنی سرکار اس پر حکم نافذ نہیں کر سکتی۔ اگر ریاست اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے انگریزی فوج کی مدد چاہتی ہے تو ملکہ بیگم اور ولی عہد کو گورنر جنرل کے نام مراسلہ لکھنا چاہیے۔ چاند نگر کے تحفظ کی خاطر انگریزی فوج طلب کر لی جائے گی۔"

شہزادہ قاسم غصّہ میں تلملا اُٹھا، اس نے گرج کر کہا۔

"کرنل کلوٹ ——— ! ہمیں مدد کی ضرورت نہیں صرف انگریزی پلٹن کے متعلق وضاحت درکار تھی جو باغیوں کے ہمراہ آئی ہے۔ اگر کمپنی سرکار کا اس پلٹن سے کوئی تعلّق نہیں تو یقین رکھو اس پلٹن کا ایک بھی انگریز سپاہی چاند نگر سے بچ کر نہیں جا سکتا ———"

اس انتباہ کے بعد کرنل کلوٹ کو رخصت کر دیا گیا۔ شہزادہ قاسم کی خواہش کے مطابق ملکہ بیگم نے باغیوں کی سرکوبی کے احکام نافذ کیے۔

شہزادہ اسی وقت ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور تین ہزار خاص سواروں کو لے کر باز کی طرح اُڑتا فرخ نگر پہنچ گیا۔ بیماری کی وجہ سے بوڑھے اکبر جنگ کی حالت خراب تھی لیکن حفاظت کے تمام انتظامات مکمّل کر لیے تھے۔ اس کا فرزند حیدر جنگ قلعہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ شہزادہ قاسم نے آتے ہی طبلِ جنگ پر چوٹ لگانے کا حکم دیا اور قلعہ بند سپاہ کو ساتھ لے کر باغیوں کے مورچوں پر حملہ آور ہُوا۔

دونوں طرف سے توپیں سَر ہونے لگیں۔ فضا دھوئیں کے بادلوں اور گرد و غبار کے مرغولوں سے تاریک ہو گئی مگر شہزادہ اپنے طوفانی سواروں کے ہمراہ بہت جلد گولہ باری کی حدوں کو پھلانگ گیا اور موت کی طرح دشمنوں کے سَر پر جا پہنچا ——— مورچوں کے پاس دست بدست جنگ ہونے لگی۔ حملہ کا سارا زور انگریزی پلٹن پر تھا جو میجر ونڈسر کی کمان میں لڑ رہی تھی۔ توپوں کے خاموش ہوتے ہی ریاستی سپاہیوں کو دادِ شجاعت دینے کا موقع مِل

ہے یا نہیں ؛ اور تم یہ بھید بخوبی معلوم کر سکتے ہو"۔

" مہاراج ! مَیں کوئی اچھا آدمی نہیں "۔ رگھوناتھ نے جواب دیا۔" مگر آپ نے مجھ پر روشواش کیا ہے تو قول دیتا ہوں کل تک آپ کو صحیح خبر مل جائے گی "۔

شہزادے نے رگھوناتھ کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔ دوسرے روز وہ بہت سویرے ولی عہد کے حضور پہنچ گیا۔ دیوان دُنی چند اور میر ولی اللہ کو بھی طلب کیا گیا جن کی موجودگی میں رگھوناتھ نے انکشاف کیا۔

" انگریز گورنر جنرل چاند نگر کے حالات سے مطمئن نہیں میسور کی مہم درپیش نہ ہوتی تو شاید انگریزی فوجیں اس وقت سرنگاپٹم کی بجائے چاند نگر کو گھیرے ہوتیں۔ جعفر نے کمپنی سرکار کے ایما پر حملہ کیا ہے اور اس وقت تک ریاست پر چھاپے مارتا رہے گا جب تک سرنگاپٹم فتح نہیں ہو جاتا۔ میسور کی مہم سر کرنے کے بعد انگریزی فوجیں سیدھی چاند نگر آئیں گی "۔

اِن انکشافات نے سنسنی پیدا کر دی۔ سب لوگ حیران و پریشان تھے۔ کیا چاند نگر کی چھوٹی سی ریاست انگریزی فوجوں کا مقابلہ کر سکے گی ؛ فرخ نگر کے قلعہ میں شہزادہ نے فوراً عمائدین حکومت کا اجلاس منعقد کیا۔ اکبر جنگ کے علاوہ جو بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔ تمام صاحب الرائے لوگ شہزادہ کے کمرۂ خاص میں حاضر تھے۔ اکبر جنگ کی نمائندگی اس کے بیٹے حیدر جنگ نے کی۔ سوال صرف یہ تھا۔ کیا چاند نگر کی ریاست کو انگریز کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان کر دینا چاہیئے ؛

حیدر جنگ کھڑا ہو' اس نے کہا۔

' شہزادۂ عالی ——— ! مَیں ہی وہ گناہ گار ہوں جس نے جعفر کی جان بخشی اور رہائی کی غلطی کی تھی۔ یہ مہم مجھ پر چھوڑ دیجیے ! مَیں آج ہی جا کر اس کا سر قلم کیے دیتا ہوں"۔

لوگوں نے تحسین آمیز نگاہوں سے حیدر جنگ کو دیکھا۔ وہ جعفر کا سر فرخ نگر کے دروازے پر لٹکا ہُوا دیکھنا چاہتے تھے مگر بوڑھا دُنی چند کسی اور ہی فکر میں منہمک تھا۔ اس نے خاموشی اختیار کی۔ جب ولی عہد نے اس کا عندیہ دریافت کیا تو کہنے لگا۔

" خانہ زاد کی رائے میں جعفر کا قتل صورتِ حال کو مزید خراب کر دے گا۔ اس وقت وہ ایک ایسا مہرہ ہے جسے ہاتھ سے کھونے کی بجائے جیتنے کی ضرورت ہے"۔

" دُنی چند ! ہم تمہاری زبان سے یہ کیا سُن رہے ہیں ؛"

دراصل انگریز سپاہیوں کی خلافِ توقع گرفتاری نے ریذیڈنٹ کو بوکھلا دیا اور وہ ڈر رہا تھا کہیں سازش کا بھید کھل نہ جائے۔ اس نے کمال ہوشیاری سے جنگ بند کرائی اور گفت وشنید کا آغاز کر دیا۔ دیوان دُنی چند بھی فرخ نگر میں پہنچ چکا تھا۔ ریاست کی طرف سے میر ولی اللہ اور دُنی چند ہی بات چیت کر رہے تھے۔ جعفر کا مطالبہ یہ تھا۔ اس کے خلاف غداری اور باغیانہ عزائم کے الزامات غلط ہیں۔ وہ آج بھی دولت چاند نگر کا وفادار اور رعایا کا خیر خواہ ہے۔ اس کی سابقہ خدمات کو تلف کر دیا گیا۔ اُسے چاند نگر میں باعزت رہائش کی اجازت دی جائے۔

شہزادہ قاسم نے کہا۔ "وہ ریاست کا وفادار ہے تو سپاہ لانے اور حملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ملکہ بیگم نے غداری کے باوجود اس کی جاں بخشی اور رہائی کا حکم دے دیا تھا۔ وہ بصدق دِل اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کر کے چاند نگر میں رہائش کی درخواست کرتا اور حکومت کو وفاداری کا یقین دلاتا تو کیا اس کی درخواست قبول نہ کی جاتی۔ دُنی چند! معاملہ کچھ اور ہے۔ مجھے یقین ہے اس نے یہ حملہ کمپنی سرکار کے ایما پر کیا ہے۔"

"شہزادۂ عالی! جب تک ثبوت نہ مِل جائے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔"

پھر اچانک ولی عہد کے ذہن میں کوئی خیال کوندے کی طرح لپکا اس نے کہا۔

"جعفر کا پرانا ساتھی رگھوناتھ چاند نگر میں ہے اگر اس پر اعتماد کیا جائے تو کیا وہ جعفر سے مِل کر سازش کا پتہ چلا سکتا ہے؟"

"رگھوناتھ کائیاں آدمی ہے۔"

"لیکن اس موقع پر کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

رگھوناتھ کو چاند نگر سے بُلا کر شہزادہ کے حضور پیش کر دیا گیا۔ اس نے کہا۔

"بے شک مَیں جعفر کا پرانا دوست ہوں۔ حملہ سے پہلے اس نے خفیہ طور سے مجھے اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی تھی لیکن مَیں نے خاموشی اختیار کر لی۔ اگر مَیں اس کے پاس گیا تو شاید مجھ پر اعتماد نہ کرے۔"

شہزادہ اس کی صاف بیانی پر خوش ہوا اور بولا۔

"رگھوناتھ —— ! تم بھی اس دھرتی پر رہتے ہو جس کی آزادی غصب کرنے کے منصوبے ہو رہے ہیں۔ ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں جعفر کو کمپنی سرکار کی مدد حاصل

اُڑ رہے تھے۔

شہزادہ قاسم نے حیران سی نگاہوں سے ان پرچموں کی طرف دیکھا اور بولا۔

"دُنی چند! انگریزی نشان کسی خطرے کی نشان دہی کر رہے ہیں"۔

دیوان دُنی چند بہت متفکر اور پریشان تھا۔ اس نے جواب دیا۔

"جب انگریز کوئی بڑی فتح حاصل کرتے ہیں تو پرچم لہرا کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں"۔

تھوڑی دیر میں شاہی قافلہ چاند نگر کے قلعہ میں داخل ہو رہا تھا فصیل پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر توپیں نصب تھیں اور محافظ سپاہ بڑی مستعدی سے پہرہ دے رہی تھی۔ افسر نے دروازے پر شہزادہ کا استقبال کیا۔ ملکہ کو اعیانِ سلطنت کے پہنچنے کی اطلاع دی گئی۔ جب وہ لوگ قصرِ سپید میں داخل ہوئے ملکہ بیگم ماتمی لباس پہنے اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے بتایا۔

"انگریزوں نے سرنگا پٹم فتح کر لیا۔ سلطان ٹیپو نے آزادی کی جنگ لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ اس کے فرزندوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ میسور کے باشندوں کو غلامی کی زنجیریں پہنا دی گئیں۔ اب انگریزی فوجیں اپنی فتح کا جشن منا رہی ہیں"۔

اس المناک خبر کو سنتے ہی سب لوگوں کے چہرے اُتر گئے۔ انہوں نے سرنگا پٹم کی شکست کی اندوہ آگیں اطلاع یوں سنی جیسے چاند نگر کو غلامی کی زنجیریں پہنا دی گئی ہوں۔ ملکہ بیگم نے کہا۔

"انگریز نے یہ جنگ غداروں کی مدد سے جیتی ہے ہم نے سُنا ہے سلطان ٹیپو کا وزیر میر صادق آخر وقت تک فریب دیتا رہا"۔

اِدھر شہزادہ قاسم نے ملکہ بیگم کو جعفر اور کمپنی سرکار کی ملی بھگت کا قصّہ سنایا اور رگھو ناتھ کو پیش کیا جو اہم اطلاعات لے کر آیا تھا۔ ملکہ بیگم دِل شکستہ سی مسند پر گر پڑی شہزادہ نے آگے بڑھ کر سہارا دیا اور بولا۔ "آپ کا بیٹا بزدل نہیں ہے جب تک میرے بدن سے خون کا آخری قطرہ نہ بہہ جائے انگریز چاند نگر میں داخل نہیں ہو سکتے"۔

ملکہ بیگم نے بتایا۔

"انگریز کی بدنیتی کی خبر ہمیں پہلے ہی مل چکی ہے۔ اس بات پر یقین رکھو۔ میسور کے بعد چاند نگر کی باری آئے گی لیکن انگریزی فوجیں پہنچنے سے پہلے پہلے ہمیں کوئی آخری فیصلہ کر لینا چاہیے۔ تمہیں صرف اسی لیے بلایا ہے"۔

دیوان دُنی چند سینے پہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔" عالی جاہ ! دنی چند چاند نگر کے ایک ذرّے کو مہ و آفتاب سے کم نہیں سمجھتا۔ میرے خون کا آخری قطرہ بھی وطن کی حفاظت کے کام آئے گا مگر وقت کی مصلحتیں بعض اوقات حیرت انگیز تقاضے کرتی ہیں اگر کمپنی سرکار چاند نگر کی آزادی کو غصب کرنے کا فیصلہ کر چکی اور اس وقت شاطرانہ چالیں کھیل رہی ہے تو بوڑھے دُنی چند کی یہ بات یاد رکھیے ! انگریز کی شاطرانہ چال کو مات دینے کے لیے جعفر ہمارے ہاتھ میں ایک اچھا مہرہ ثابت ہو سکتا ہے"۔

حیران و ششدر لوگ بوڑھے دیوان کی طرف دیکھنے لگے۔اسی لمحے میر منشی احمد شجاع چند سواروں کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہوا اس نے ولی عہد کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی ۔ ملکہ بیگم نے شہزادہ ذی شان، میر ولی اللہ، دیوان دُنی چند اور اکبر جنگ کو فوراً چاند نگر طلب کیا ہے ۔ ولی عہد نے اجلاس برخاست کیا ، اپنے بعد حیدر جنگ کو فرخ نگر کے قلعہ کا نگران و محافظ مقرر کر کے اور عمائدینِ سلطنت کو ساتھ لے کر چاند نگر کی طرف چل دیا ۔ رگھوناتھ بھی ہمراہ تھا۔ بوڑھا اکبر جنگ کئی روز سے شدید بخار میں مبتلا اور اس حالت میں بھی ریاست کی حفاظت کا مقدّس فرض ادا کر رہا تھا۔پالکی میں روانہ ہُوا۔ روانگی سے قبل اس نے اپنے بیٹے حیدر جنگ کو صرف اتنا کہا ۔

" جانِ پدر ——— ! دس سال پہلے تم سے ایک غلطی سرزد ہوئی تھی جس کا خمیازہ ہم آج بھگت رہے ہیں۔ شاید مَیں چاند نگر سے واپس نہ آ سکوں لیکن یاد رکھو وطن کی آزادی ایک مقدس فرض ہے جسے تم میرے بعد ادا کرو گے "۔

باپ کی حالت دیکھ کر حیدر جنگ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔اس نے یقین دلایا۔" بابا ——— ! جب تک مَیں زندہ رہوں گا چاند نگر آزاد رہے گا"۔

بوڑھے اکبر جنگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اس نے کہاروں کو پالکی اٹھانے کا حکم دیا اور شہزادہ قاسم کے ساتھ چاند نگر کی طرف روانہ ہو گیا ۔

ابھی شاہی قافلہ چاند نگر سے چند فرلانگ دُور تھا کہ شہزادہ اور اس کے ہمراہیوں نے ریذیڈنسی کی عمارت پہ بڑے بڑے انگریزی پرچم لہراتے دیکھے ۔ اس سے پہلے عمارت پر صرف نشان کے طور پہ ایک چھوٹا سا پھریرا لہلہایا کرتا تھا مگر آج خلافِ معمول تین پرچم پہلو بہ پہلو

سامانِ حرب کی فراہمی کے علاوہ ریاستی فوج میں اضافہ ضروری تھا۔ چاند نگر کی حکومت کے پاس کل پندرہ ہزار باقاعدہ سپاہی تھے اور یہ قلیل سی فوج یقیناً انگریزی لشکروں کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی جو جدید ترین سامانِ جنگ سے مسلح تھے۔

سب لوگوں نے اسی بات پر اتفاق کیا۔ فی الحال کمپنی سرکار کے خلاف کھلم کھلا جنگ لڑنے کی بجائے فکر و تدبیر سے اس کی شاطرانہ چالوں کا مقابلہ کیا جائے۔ مدارالمہام میر ولی اللہ اور دیوان دُنی چند کو گفت و شنید اور صُلح کے اختیارات دے دیئے گئے۔ شہزادہ قاسم کا قافلہ پھر فرخ نگر کی طرف لوٹ گیا مگر بوڑھا اکبر جنگ واپس نہ جاسکا۔ اس کی پالکی اپنی حویلی پہ پہنچی۔ شام کے وقت اس کی حالت بگڑ چکی تھی اسی وقت ایک سوار فرخ نگر کی طرف دوڑایا گیا لیکن جب تک اس کا بیٹا حیدر جنگ آتا بوڑھا اکبر جنگ موت کے سفر پہ روانہ ہوچکا تھا۔ اپنے وفاشعار وزیر جنگ اور محبِ وطن سپہ سالار کی المناک وفات پہ قلعہ کی فصیل پر ریاست کے پرچم سرنگوں کر دیئے گئے۔

چاند نگر کے عوام نے رنج و اندوہ کے ساتھ اکبر جنگ کے انتقال کی خبر سُنی۔ اس کے بیٹے حیدر جنگ کی تسلّی و تشفی اور تالیفِ قلب کے لیے ملکہ بیگم نے اسے باپ کی جگہ ریاستی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا لیکن وزیرِ جنگ کا عہدہ ابھی تک خالی تھا۔

جعفر کی طرف سے بھی اکبر جنگ کی وفات پہ ملکہ بیگم کو تعزیت کا پیغام موصول ہُوا۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔

چاند نگر ایک مرتبہ پھر غم و یاس کی تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔

فرخ نگر میں انگریز ریذیڈنٹ کا کیمپ جو باغیوں کے مورچوں اور قلعہ کے درمیان کھُلے میدان میں قائم تھا گفت و شُنید کا مرکز بن گیا۔ دوسرے روز کرنل کلوٹ نے میر ولی اللہ اور دیوان دُنی چند کے سامنے باغیوں کا نقطۂ نظر پیش کیا۔ اس نے کہا۔

"کمپنی گورنمنٹ اپنی ایک دوست ریاست کے داخلی جھگڑوں کو پسند نہیں کرتی کہ اس کی فوجی طاقت باہمی جنگ و جدل میں ضائع ہو جائے۔ اسی لیے سرکار نے مجھے فریقین میں صُلح کرانے اور باغیوں کا عندیہ معلوم کرنے پر مقرر کیا ہے۔ اگر یہ جنگ ختم نہ ہوسکی تو ریاست کے تحفظ اور امن و امان کی بحالی کے لیے انگریزی فوج کو مداخلت کرنا پڑے گی ——"

میر ولی اللہ نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ "کرنل کلوٹ! ہم کمپنی سرکار کی اس

"ملکہ حضور! جنگ کے علاوہ ہم اور کیا فیصلہ کر سکتے ہیں"۔ میر ولی اللہ نے تلوار بے نیام کر لی۔" مَیں اس تلوار کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں۔ ہم چاند نگر کی آزادی کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے"۔

دُنی چند کہنے لگا۔

" انگریز کھُل کر سامنے نہیں آیا۔ وہ ہمارے ساتھ شطرنج کی بازی کھیل رہا ہے۔ ہمیں بھی فی الحال اسے تلوار کی بجائے تدبیر سے جواب دینا ہوگا۔"

ولی عہد نے دیوان دُنی چند کی طرف یُوں دیکھا جیسے اس کی بات کا وزن محسوس کر رہا ہو۔

" دُنی چند! انگریز صرف میسور کی مہم کے پیشِ نظر شاطرانہ چالیں کھیل رہا تھا۔ سرنگا پٹم کی فتح کے بعد اُسے ان چالوں کی کیا ضرورت ہے۔ وہ ہمارے خلاف بھی کھُلم کھلا جنگ کا اعلان کر سکتا ہے۔"

" میرا خیال ہے وہ ایسا نہیں کرے گا۔"

بیمار اکبر جنگ نے بھی دیوان دُنی چند کی تائید کی۔" سلطان ٹیپو کی شہادت اور سرنگا پٹم کی شکست ہندوستان کی تاریخ کا ایک بہت بڑا المیہ ہے جس نے وطن پرستوں کے دل ہلا دیئے ہیں۔ ممکن ہے انگریز اس سانحہ کے بعد تالیفِ قلوب کی کوشش کرے اور کھُلم کھلا جنگ سے بچتا رہے"۔

رگھوناتھ کو ایک مرتبہ پھر جعفر کے پاس روانہ کرنے کی تجویز ہوئی کہ وہ اسے سمجھائے اور اس امر پہ آمادہ کرے کہ دشمن کے ہاتھ میں کھیلنے کی بجائے اس نازک وقت میں چاند نگر کی آزادی کو ملحوظ رکھے یہ وعدہ بھی کر لیا گیا اگر جعفر انگریزوں سے الگ ہو جائے تو اسے چاند نگر میں باعزّت زندگی گزارنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

میر ولی اللہ کا خیال تھا۔ رگھوناتھ کے ہمراہ جعفر کے بہنوئی حیدر جنگ کو بھی جانا چاہیئے۔ مگر بوڑھے اکبر جنگ نے اسے پسند نہ کیا۔ سرنگا پٹم کے سقوط کی جگر خراش خبر نہ آئی ہوتی تو چاند نگر کے محبّانِ آزادی شاید کسی اور زبان میں گفتگو کرتے لیکن حالات نے انہیں لچکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ جان چکے تھے ایک نہ ایک روز انہیں بدیسی دشمن کے خلاف جنگ لڑنا پڑے گی لیکن اس جنگ کو جتنی مدت تک ٹالا جا سکے ٹالنا چاہیئے تاکہ وہ آخری اور فیصلہ کُن جنگ کی تیاری کر سکیں۔ رسد اور

"کرنل کلوٹ ــــــــ! آپ کو باغیوں سے ضرورت سے زیادہ ہمدردی معلوم ہوتی ہے۔میرے خیال میں یہ شرطیں بھی آپ ہی کے ذہن کا کرشمہ ہیں اگر آپ درمیان میں نہ آتے تو باغی اس وقت تک اپنے انجام کو پہنچ چکے ہوتے"۔

ریذیڈنٹ اس حقیقت بیانی پر سانپ کی طرح بل کھا کر رہ گیا مگر اس نے ضبط کیا اور کہنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے آپ نے باغیوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے میری کوشش یہی تھی صلح ہو جائے اگر آپ جنگ پر آمادہ ہیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے لیکن آپ کو ایک خطرے سے مطلع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔میجر وِنڈسر گورنر جنرل کا دوست ہے۔ڈرتا ہوں کہیں وہ انہیں ریاست کے خلاف بہکانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔یہ بات آپ بھی تسلیم کریں گے کمپنی سرکار کی انتہائی کوشش کے باوجود حکومت چاندنگر نے ہماری دوستی کو دل سے قبول نہیں کیا"۔

یہ ایک دھمکی تھی کہ اگر باغیوں کی شرائط قبول نہ کی گئیں تو انگریزی فوجیں بھی باغیوں کی حمایت کریں گی ــــــــ میر ولی اللہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"بہت بہتر کرنل ــــــــ! ہم میجر وِنڈسر کی کوششوں کا خیر مقدم کریں گے۔اگر انگریزی سرکار باغیوں کی حمایت کرنا چاہتی ہے تو شوق سے کرے لیکن باغی دو روز کے اندر منتشر نہ ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو انہیں نیست و نابود کر دیا جائیگا"۔

ریذیڈنٹ بوکھلا گیا۔غصہ میں اس کی زبان سے ایسی بات نکل گئی تھی جس پر پچھتا رہا تھا۔اس نے فوراً ہی بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔گورنر جنرل چاندنگر کو اپنا دوست سمجھتے ہیں بھلا کمپنی باغیوں کی حمایت کیوں کرے گی"۔

وضاحت اب بیکار تھی۔میر ولی اللہ اور دُنی چند فرخ نگر کے قلعہ میں لوٹ آئے ریذیڈنٹ کی دھمکی ڈھکی چھپی نہ تھی۔شہزادہ قاسم کو حالات سے خبردار کر دیا گیا۔اس کا یہ خیال درست ثابت ہو رہا تھا کہ باغیوں کو انگریزی گورنمنٹ کی حمایت حاصل ہے۔اب غور و فکر کا وقت آگیا تھا۔دُنی چند نے کہا۔

"جب تک رگھوناتھ جعفر کا جواب لے کر واپس نہ آجائے میں کوئی بات

کوشش کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن آپ کو یہ بات اپنے ذہن سے نکال دینی چاہیئے ہم اس جھگڑے میں انگریزی فوج کو مداخلت کی اجازت دیں گے"۔

"اس کا مطلب ہے آپ کو اپنے دوستوں پر اعتماد نہیں"۔

"ہم اس وقت کسی ناخوشگوار بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے آپ باغیوں سے مل چکے ہیں۔ ہمیں ان کا عندیہ معلوم ہونا چاہیئے ــــــــ"

کرنل کلوٹ نے بڑی بے دلی کے ساتھ ایک دستاویز کھولی اور اس کی عبارت پڑھنے لگا۔

"باغی دعویٰ کرتے ہیں وہ دولتِ چاند نگر کے وفادار اور ریاستی عوام کے سچے خیر خواہ ہیں اس لیے ان کا مطالبہ ہے ریاست کا نظم و نسق مضبوط اور کسی ہر دل عزیز آدمی کے سپرد ہونا چاہیئے۔ ملکہ بیگم ضعیف العمر ہو چکی ہیں۔ انہیں اپنے فرض سے سبک دوش ہو جانا چاہیئے۔ کوئی تجربہ کار مرد شہزادہ قاسم کا نگران اور ولی مقرر کیا جائے ــــــــ باغیوں کے نزدیک ریاست کے سابق مدار المہام پرانے تجربہ کار آدمی ہیں۔ انہیں نہ صرف سابق عہدے پر بحال کیا جائے بلکہ ریاست کے مفاد کے پیشِ نظر ولی عہد کا نگران بھی بنایا جائے ــــــــ آج کل پورا ہندوستان اس خطرے سے خوف زدہ ہے کہ شاہِ کابل شاہ زمان حملہ کرنے والا ہے اس خطرے کے سدِ باب کے لیے ریاستیں تیاریاں کر رہی ہیں اور کئی حکمرانوں نے انگریزی فوجیں طلب کر لی ہیں۔ چاند نگر شمالی ریاست ہونے کی وجہ سے خطرے کی زد میں ہے۔ ریاست کی حفاظت کے لیے جہاں کمپنی سرکار سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کی ضرورت ہے وہاں سرحدوں پر انگریزی سپاہ کو متعین کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ شمالی خطرے کا مقابلہ کر سکیں ــــــــ"

میر ولی اللہ اور دیوان دُنی چند نے یہ شرطیں سُنیں تو حیران و ششدر رہ گئے۔ لب و لہجہ سے صاف ظاہر تھا یہ شرائط کمپنی سرکار نے خود لکھوائی ہیں۔ ریاست کے نمائندوں نے اُنہیں مسترد کر دیا اور ریذیڈنٹ کو بتایا۔ صلح صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ باغی ہتھیار ڈال دیں اور جعفر سمیت اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیں۔ ہم ان کے تحفظِ جان کا یقین دلاتے ہیں، اس صورت میں اُن سے جنگ کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔

"یہ بھلا کس طرح ممکن ہے۔ وہ لوگ اپنی شرطوں پر مضبوطی سے قائم ہیں اگر ان کے مطالبے تسلیم نہ کیے گئے تو وہ لوٹ مار، قتل و غارت اور دہشت انگیزی پر اُتر آئیں گے"۔

ریذیڈنٹ کے الفاظ سُن کر میر ولی اللہ غصّے سے کانپنے لگا۔ اس نے جواب دیا:

جیسے سانپ کو دیکھ کر نیولا ٹھٹک جاتا ہے۔

زمین ان کے پاؤں کے نیچے تیزی سے گردش کرنے لگی۔ اُنہیں اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ قصرِ سفید کے اس کمرے میں جعفر ملکہ بیگم کے حضور حاضر تھا۔ شہزادہ کو دیکھتے ہی وہ ادب و احترام کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور جھک کر کورنش بجا لایا پھر آگے بڑھ کر اس نے متحیر و ششدر ولی عہد کے شاہی کوٹ کا دامن تھام کر اسے بوسہ دیا اور بولا۔

" اب تو میرے آقا جوان ہو چکے ہیں لیکن میں کس قدر بدنصیب ہوں۔ اتنا عرصہ شہزادہ عالی کی خدمت سے غیر حاضر اور دیدار سے محروم رہا۔"

جعفر کی موجودگی ایک معمّا سے کم نہ تھی۔ میر ولی اللہ اور دُنی چند بھی نقشِ حیرت تھے۔ جعفر نے اُنہیں بھی سلام کیا، خیریت دریافت کی۔ ملکہ بیگم نے کہا۔

" جعفر ہمارے بلاوے پر آیا ہے۔ اِسے ہمارے گذشتہ احسانات فراموش نہیں ہو سکے اس کی آمد خفیہ ہے۔ تم لوگ بھی اسے پردۂ راز میں رکھو گے۔"

ملکہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر شہزادہ قاسم شاید اس ملاقات کا مقصد سمجھ گیا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

" پھر تو حیدر جنگ کو آج بڑی مایوسی ہو گی وہ تمہارا سر قلم کرنے کی فکر میں پھر رہا تھا۔"

" صاحبِ عالم! میرا سر حاضر ہے۔ زہے نصیب اگر یہ آپ کے قدموں پر نثار ہو سکے۔"

جعفر کے اس فقرے نے بلا کا اثر دکھایا۔ ولی عہد بھی اسے ہمدردی کی نظروں سے دیکھنے لگا لیکن وہ نہیں جانتا تھا اس کے ساتھ کیا گفتگو ہو چکی ہے۔ جعفر کے اندازِ بیان سے سے ظاہر تھا وہ اپنی وفاداری کا یقین دلا چکا ہے ملکہ بیگم نے ایک لمحہ ٹھہر کر انکشاف کیا۔

" جعفر کو ہم نے مدار المہام کے عہدے پر بحال کر دیا ہے۔ کل صاحبِ عالم جعفر کو سرکاری طور پر چاند نگر بلائیں گے اور اس کی نئی حیثیت کا اعلان کریں گے۔ میر ولی اللہ جعفر کے نائب بھی ہوں گے اور وزیرِ جنگ بھی۔"

" اور اس صلح نامہ کا کیا ہو گا جو ریذیڈنٹ لیے پھرتا ہے؟"

ملکہ بیگم مسکرا دی مگر جواب دیوان دُنی چند نے دیا۔ " صاحبِ عالم ——— ! جب

نہیں دے سکتا۔"

شام کے وقت رگھو ناتھ آپہنچا۔ وہ ایک ایسی خبر لے کر آیا جس نے تمام لوگوں کو پریشان کر دیا۔ جعفر کے "وفادار ساتھی" کی حیثیت سے اس نے میجر وونڈ سر سے بھی ملاقات کی۔ شراب کے نشہ میں میجر نے اُسے بعض راز کی باتیں بتا دی تھیں۔ رگھو ناتھ خبر لایا کہ اس بغاوت کی کمان دراصل میجر وونڈ سر ہی کر رہا ہے۔ جعفر کی حیثیت ایک کٹ پُتلی سے زیادہ نہیں۔ انگریز چاند نگر کی حکومت ایک ایسے آدمی کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو ان کے اشاروں پہ ناچتا رہے۔ انہوں نے جعفر کو منتخب کیا ہے۔ انگریزی فوج کو ریاست میں متعین کرنے کا اصل مدعا یہ ہے جعفر کمپنی کی مرضی کا پابند رہے اور اگر کبھی اس کی نیت میں فتور آئے تو آسانی سے برطرف کیا جا سکے۔

فی الحال کمپنی ریاست پر کھلم کھلا قبضہ نہیں چاہتی ملکہ اپنے ایک آلۂ کار کو برسرِ اقتدار لانا چاہتی ہے۔ اس میں کون سی مصلحت پنہاں ہے ؛ میجر وونڈ سر خود بھی نہیں جانتا لیکن نشے میں اس نے یہ انکشاف کیا کہ پندرہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک انگریزی فوج اعلیٰ توپ خانے کے ساتھ سرحد سے صرف بیس میل کے فاصلہ پہ رُکی پڑی ہے اگر صُلح کی گفت وشنید ناکام ہو گئی تو یہ فوج باغیوں کے ساتھ شریک ہو جائے گی۔ اس صُورت میں خطرہ ہے کہ شہزادہ عالی کے اختیارات بھی سلب کر لیے جائیں اور حکومت میں ان کا عمل دخل برائے نام ہو۔

یہ اطلاعات تشویش انگیز تھیں۔ شہزادہ قاسم نے سوچا آزادی کی جنگ لڑنے اور جان کی بازی لگانے کا وقت آن پہنچا۔ اب انگریزی فوج سے تصادم ناگزیر تھا لیکن کمپنی سرکار کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے سے پہلے ملکہ بیگم سے مشورہ ضروری تھا۔ اس نے مدارالمہام میر ولی اللہ اور دیوان دُنی چند کو ہمراہ لیا اور اپنا گھوڑا چاند نگر کے راستے پر ڈال دیا۔

رات کے پہلے پہر وہ چاند نگر کے قلعہ میں پہنچ گئے۔ قصرِ سفید کے حاجبِ خاص ساہُو نے اطلاع دی ——— "ملکہ عالیہ کو آپ کی آمد سے مطلع کر دیا گیا ہے۔ وہ ملاقات کی منتظر ہیں۔"

شہزادہ چونک اُٹھا۔ اس وقت قصرِ سفید میں ملکہ بیگم کی تشریف آوری خالی از علت نہ تھی ——— اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ میر ولی اللہ اور دُنی چند بھی حیران تھے۔ حاجب نے بلند آواز میں ولی عہد ذی شان کی آمد کا اعلان کیا اور آگے بڑھ کر دروازے کا پردہ ہٹا دیا

پہلے شہزادہ پھر میر ولی اللہ اور دُنی چند داخل ہوئے مگر کمرے میں آتے ہی وہ یوں ٹھٹک گئے

مجبوراً میجر ونڈسر کی پلٹن بھی اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف لوٹ گئی۔ اُس انگریزی فوج کو بھی واپس بُلا لیا گیا جو ریاست سے بیس میل دُور ٹھہرائی گئی تھی۔ چاند نگر پر حملہ کرنے کی کوئی وجہ باقی نہ تھی۔

اس ناکام بغاوت کا ثمرہ وہ لاتعداد اسلحہ تھا جو باغیوں کی وساطت سے حکومتِ چاند نگر کو حاصل ہوا یا پھر وہ چالیس انگریز قیدی جنہیں فرخ نگر سے چاند نگر کے قلعہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

جعفر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا بات ختم ہو گئی "۔

جعفر نے ایک مرتبہ پھر کورنش کی رسم ادا کی اور رخصت چاہی۔" جب صاحبِ عالم کا بلاوا آئے گا سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا"۔

دوسرے روز چاند نگر میں ایک دربارِ عام منعقد کیا گیا۔

دیوان دُنی چند جعفر کے نام حاضری کا پیغام لے کر باغیوں کے مورچوں میں پہنچا تھا۔ لوگوں نے یہ پیغام تعجب سے سُنا پھر جعفر کو دیوان کے ہمراہ چاند نگر کی طرف جاتے دیکھا۔

جب وہ دربارِ عام میں داخل ہُوا۔ مجرموں کی طرح تلوار اس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ نہ سر پر عمامہ تھا نہ پاؤں میں جوتا۔ وہ ننگے پاؤں چلتا دربار میں حاضر ہوا اور مسندِ شاہی کا پایہ تھام کر شہزادہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اہلِ دربار کے دِل پر ایک عجیب اثر ہُوا اسی وقت شہزادہ قاسم مسند سے اُٹھ کر نیچے آیا اس نے جعفر کو اُٹھایا۔ اس کا ہاتھ تھام کر مدارالمہام کی کرسی پر لے گیا اور اعلان کیا۔

"جعفر کا قصور معاف ہُوا۔ آج سے اُسے پھر مدارالمہام مقرر کر دیا گیا ہے"۔

اہلِ دربار جعفر سے خوش نہ تھے مگر وہ جس ڈرامائی انداز سے دربار میں آیا تھا وہ حیران کن بھی تھا اور مؤثر بھی۔

جعفر ایک مرتبہ پھر چاند نگر کے افق پر جلوہ گر ہوا۔ اس کے حکم پر باغی منتشر ہو گئے خاص سرداروں کو چاند نگر میں طلب کر لیا گیا۔ شہر میں صلح کا جشن منایا جانے لگا۔ کرنل کلوٹ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حیران و ششدر رہ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا جعفر نے کن شرائط پر صلح کی ہے۔ یہ اطلاع اس کے لیے ضرور اطمینان بخش تھی کہ وہ سابق عہدے پر بحال کر دیا گیا ہے۔ شاید دوسری شرائط بھی تسلیم کر لی گئی ہوں مگر یہ صُلح بہر حال کمپنی سرکار کے وقار کے منافی تھی۔ جس میں اسے ثالثی کا اعزاز نہ مِل سکا۔ جعفر کمپنی کی مرضی اور مدد سے بغاوت پر آمادہ ہوا تھا اس نے بالا ہی بالا صلح کیوں کر لی؟ ریذیڈنٹ کو گورنر جنرل کی ہدایت تھی وہ صلح نامہ کی ایک مصدقہ نقل کلکتہ بھجوا دے لیکن یہاں تو تحریر کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ ریذیڈنٹ دانت پیس رہا تھا۔ باغی منتشر ہو چکے تھے اور قلعہ فرخ نگر سے ایک میل دُور مورچوں میں میجر ونڈسر کی انگریزی پلٹن ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح تنہا پڑی تھی۔

میسور کی فتح کے بعد کمپنی سرکار کو ہندوستان پر بالادستی حاصل ہو چکی تھی - اب ایک ہی بڑا دشمن رہ گیا تھا ——— مرہٹہ مہاراجہ دولت راؤ سندھیا جو اپنے حریف جسونت راؤ ہلکر سے لڑ کر کمزور ہو چکا تھا۔

عہد نامہ بسین کے تحت جو ۱۸۰۲ء میں مرہٹوں کے مذہبی اور سیاسی رہنما باجی راؤ پیشوا سے کیا گیا ——— انگریز نے پیشوا کو بھی اپنی سیاست کے جال میں پھانس لیا تھا - اس نے نظام اور مرہٹوں کو ٹیپو سلطان کے خلاف جنگ میں استعمال کیا تھا۔ نظام تو ہر اعتبار سے انگریز کا مخلص اتحادی تھا لیکن مرہٹے سیاسی ہوشیاری میں اُس کے بھی اُستاد نکلے۔ انگریز اس خوش فہمی میں مبتلا تھا اس نے عہد نامہ بسین کے تحت پیشوا کو اسیر دام کر لیا ہے مگر اس عہد نامہ کو نہ دولت راؤ سندھیا نے تسلیم کیا، نہ جسونت راؤ ہلکر نے، نہ سیواجی مرہٹہ کے گدی نشین راجہ ناگپور نے حتیٰ کہ خود پیشوا باجی راؤ بھی انگریزی پھندے سے گردن نکالنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔

ٹیپو سلطان کی شہادت اور میسور کی شکست کے بعد انگریز نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ اب ایک طرف مرہٹوں سے سیاسی اور عسکری داؤ پیچ شروع ہوئے دوسری طرف گورنر جنرل نے چاند نگر کی ریاست کو تاکا۔ چاند نگر پر کمپنی سرکار کا قبضہ اس کی فوجی حیثیت کو مضبوط بنا سکتا تھا اور یہاں بیٹھ کر وہ اپنے مرہٹہ دشمنوں پر بھی کامیاب تاخت کر سکتے تھے۔

انگلستان کا "سنہری بھیڑیا" جب سلطان شہید کا خون چاٹ کر اپنے مرکز میں لوٹا تو اس کے ذہن پر چاند نگر کا تصوّر اس لومڑی کے روپ میں اُبھرا جو ہر مرتبہ اس کے پنجوں سے بچ نکلی تھی۔ اس مرتبہ وہ ایک ایسا دام بچھانے کی فکر میں تھا جس میں چاند نگر کی ریاست آپ سے آپ پھنسے۔ اس نے ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ کو کلکتہ میں حاضری کا حکم دیا۔ میسور کے بعد اب چاند نگر ہی کمپنی سرکار کے اقتدار کا نشانہ بننے والا تھا۔

چاند نگر کے محبّانِ آزادی انگریز کی شاطرانہ چالوں سے غافل نہ تھے ملکہ بیگم کے تدبّر نے اگرچہ کمپنی کا فریب اسی پر اُلٹ دیا اور جعفر کا مہرہ جیت کر انگریزی تدبیر کو بے بس کر دیا مگر ہر کوئی جانتا تھا۔ ایک نہ ایک روز بدیسی دُشمن سے جنگ ضروری ہے۔

(۵)

ریاست چاند نگر کے حالات بظاہر سدھر گئے تھے سیاسی اور عسکری اُفق پر منڈلانے والے خطروں کے بادل چھٹ گئے تھے اور جعفر نے اس مرتبہ ایک نئے جوش اور خلوص کے ساتھ کاروبارِ حکومت میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی لیکن انگریز اپنی دوسری شکست پر زخمی سانپ کی مانند بَل کھا رہا تھا۔

انگریزی نقطہ نظر سے جعفر پہلے درجے کا خود غرض اور مطلب پرست آدمی ثابت ہوا اس نے اپنے مفاد پر کمپنی سرکار کے مفاد کو قربان کر دیا اور شرائط منوائے بغیر صرف وزارت کے لالچ میں حکومت سے صلح کر لی جس سے سرکارِ انگلشیہ کے وقار کو دھکا لگا تھا۔

ان حالات میں انگریز اب جعفر پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے تھے۔ کرنل کلوٹ اُس کے نام سے بھی بِدکتا تھا جس نے عین وقت پر انگریز سے غداری کی اور چاند نگر کی حکومت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے مگر کلکتہ سے ریذیڈنٹ کو یہی احکام موصول ہوئے تھے وہ ہر قیمت پر جعفر کو ہاتھ میں رکھے۔

گورنر جنرل کے نزدیک جعفر ایک ایسا مہرہ تھا جسے کسی وقت بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔

نے چپکے چپکے مرہٹہ علاقوں سے بعض فرانسیسی افسر بھی ملازم رکھ لیے جو شمالی علاقوں میں نئی نوجوں کو جنگی تربیت دیتے تھے ان کی آمد کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔

ولی عہد کا حکم تھا ریاست کے ہر باشندے کو سپاہی بنادیا جائے۔ شمالی علاقوں میں اس حکم کو عملی جامہ پہنایا جا رہا تھا لیکن چاند نگر کے عوام نئی عسکری سرگرمیوں سے قطعی بے خبر تھے۔

چاند نگر کا جوالا مکھی بظاہر خاموش تھا لیکن اس کے اندر ایک حشر انگیز لاوا کھول رہا تھا دریا کی سطح پُرسکون تھی مگر نیچے موجیں ایک نئے طوفان کی منتظر تھیں۔

قصر سفید کی دوسری منزل کے جھروکے میں بوڑھی ملکہ بیگم نے انتہائی درد و کرب کے ساتھ اپنا رُخ موڑا اور ہلالی محراب کے ستون کا سہارا لے کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے کسی بلندی سے نیچے پھینک دی گئی تھی اگر بروقت سنبھل نہ جاتی تو جالی دار جھروکہ سے نیچے لڑھک گئی ہوتی۔ اس وقت اس کی بھیگی آنکھیں گول زینہ پر لگی تھیں۔ دراصل وہ قدموں کی چاپ ہی سُن کر مڑی تھی۔ اسی لمحے مرجینا زینہ سے نکل کر اس کی طرف بڑھنے لگی۔

مختلف صدمات سے وہ بے حد نحیف و کمزور ہو گئی تھی۔ خاوند کی وفات کے صدمہ اور بیٹی کی جُدائی کے غمِ نہاں نے اُسے وقت سے پہلے ہی بوڑھی کر دیا تھا لیکن ۴۸ سالہ کنیز خاص مرجینا اس کے مقابلہ میں ابھی جوان نظر آتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا وقت کے تغیر پذیر اثرات نے اس کے چہرے پر عمر کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نہیں کی۔

جوں جوں ولی عہد ذی شان کی بسویں سالگرہ قریب آ رہی تھی ملکہ بیگم کے دل کا سکون اجڑتا جاتا تھا۔ اب وہ اکثر ٹھنڈی آہیں بھرتی۔ پہروں اپنی بیٹی کو یاد کرتی اور آنسو بہاتی تھی۔

اس نے کئی مرتبہ سردار جگو کی تلاش میں آدمی روانہ کیے تھے۔ آخری اطلاع کے مطابق خانہ بدوشوں نے اپنا مستقل مسکن بھی اُٹھا لیا تھا اور اب سردار کی طرح اس کا قبیلہ بھی لاپتہ ہو گیا تھا ــــــ غالباً یہی صدمہ ملکہ بیگم کی رُوح کو سوکھی لکڑی کی مانند جلائے جا رہا تھا۔

چند روز قبل نائب مدار المہام اور وزیر جنگ میر ولی اللہ نے اس سے ملاقات

اس خطرہ کے پیشِ نظر شہزادہ قاسم نے بھی خفیہ تیاریاں شروع کر دی تھیں اس نے جعفر کو ریاست کے انتظامی امور میں اُلجھا دیا اور نئے وزیرِ جنگ میر ولی اللہ کو ریاست کے دَورے پر روانہ کیا۔ ولی اللہ نے حیرت انگیز سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور چاند نگر سے دور دراز شمالی علاقوں میں وفادار سرداروں اور امیروں سے مل کر خفیہ طور پر فوجی بھرتی کا کام شروع کر دیا۔ یہ کام اس قدر احتیاط اور رازداری سے کیا گیا کہ حکومت کے اہم عہدیدار بھی آگاہ نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ ریاست کے مدار المہام جعفر کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ صرف چھ ماہ کے عرصہ میں اٹھارہ ہزار نئے فوجی بھرتی کر لیے گئے ہیں۔ نئے سپاہیوں کو دراصل چاند نگر کے دُور دراز میں فوجی تربیت دی جاتی اور وہیں ان کی رہائش کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ مالیات کا محکمہ دیوان مُنی چند کے پاس تھا۔ سرکاری خزانہ سے نئی فوجوں کی ادائیگی بھی صیغۂ راز میں رکھی جاتی تھی۔

انہی ایام میں جب میر ولی اللہ ریاست کے شمالی علاقوں میں فوجی تنظیم میں مصروف تھا۔ شہزادہ قاسم کے ایما پر دیوان مُنی چند کاشی، بنارس اور جگن ناتھ پوری کی یاترا کو روانہ ہوا۔ چند ماہ کے بعد جب لوٹ کر آیا تو اس نے ولی عہد کو بتایا وہ بعض دوست ریاستوں سے سامانِ جنگ کی ایک بھاری کھیپ حاصل کرنے میں کامیاب رہا ہے جو سامانِ تجارت کے بہانے چند ہی روز تک چاند نگر میں پہنچنا شروع ہو جائے گا۔

مُنی چند کی واپسی پر ابھی پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ "تجارتی قافلے" دارالحکومت میں آنا شروع ہو گئے جنہیں خفیہ مقامات کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

نئی فوجی سرگرمیوں کے مرکز وہ شمالی قلعے تھے جن کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں دی جاتی تھی۔ بعض قلعے تو ایسے تھے جہاں چالیس پچاس سے زیادہ سپاہی نہ رکھے جاتے تھے مگر چھ سات ماہ کے اندر ہی اندر وہ عسکری تنظیم کے مرکز بن گئے تھے۔ میر ولی اللہ نے وفادار امیروں اور سرداروں کی مدد سے نہ صرف فوجی بھرتی میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی بلکہ شمالی علاقوں میں آزادیٔ وطن کی ایک آگ روشن کر دی تھی اس نے معتمد سرداروں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ قلعوں میں نئی فوج کو توڑے دار بندوقوں اور تلواروں سے آراستہ کر دیا۔ بھاری توپیں پہنچا دیں اور ہر قسم کا سامانِ جنگ جمع کر لیا۔ اب ریاستی فوج کی تعداد ۲۴ ہزار تک جا پہنچی تھی جو کسی بھی ناگہانی مصیبت کا بخوبی مقابلہ کر سکتی تھی۔ میر ولی اللہ

رو دے ۔ آخر ایک عورت اپنے جذبات کا کب تک گلا گھونٹ سکتی ہے ؛ مگر مرجینا ایسی عورت نہیں تھی جو صدمات کی گرمی سے پگھل کر حالات سے سمجھوتا کرنے پر آمادہ ہو جاتی ۔ اگر بیس سال پہلے اس نے عقل و ہوش سے کام نہ لیا ہوتا اور ریاست کو ولی عہد نہ مل جاتا تو انگریز کبھی کے چاند نگر کی آزادی کو غصب کر چکے ہوتے ۔ وہ مضبوط عزم و ارادہ کی عورت تھی جس نے چاند نگر کی آزادی کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دی تھی ——— ملکہ بیگم کو سنبھالا دے کر سرگوشی کرتے بولی ۔

" ملکہ حضور ———! دل چھوٹا نہ کیجیے ۔ خدا نے چاہا تو وہی ہوگا جو مَیں کہہ چکی ہوں "۔

" لیکن کب ہوگا مرجینا ———! سردار جگو کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چل سکا ۔ نہ جانے وہ میری بیٹی کو لے کر کہاں روپوش ہو گیا ہے ؟"

" وقت کا انتظار کیجیے ———"

مرجینا کی آواز اس کے دلی عزم کا پتہ دے رہی تھی ۔" مَیں نے وعدہ کیا تھا جب سردار جگو آئے گا مَیں کسی نہ کسی بہانے شہزادی کو چاند نگر لے آؤں گی ۔ میر ولی اللہ یا دیوان دنی چند میں سے کوئی اُسے اپنی منہ بولی بیٹی بنا لے گا ۔ اُسے کسی بڑے سردار کی بیٹی مشہور کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی جس کے ساتھ شہزادہ قاسم کی شادی ہو سکتی ہے ۔ یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے بدنصیب شہزادی شاہی محل میں واپس آ سکتی ہے "۔

ملکہ بیگم نے ایک ٹھنڈی آہ بھری ———

" اسی اُمید پر مَیں آج تک زندہ رہی تم جانتی ہو قانونی طور سے اس وقت تک ولی عہد کی شادی ہو جانی چاہیے تھی ۔ اب مَیں امیروں ، سرداروں کو کیا جواب دوں ۔ کس طرح مطمئن کروں ——— ڈرتی ہوں کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہو جائے ——— کہیں ہمارے راز کی گرہ نہ کھل جائے ——— میر ولی اللہ کا اصرار ہے ولی عہد کے جشنِ جلوس پر شادی کا اعلان ضروری ہے مگر مَیں کئی سال سے جگو کا انتظار کر رہی ہوں ۔ مَیں نے چاند نگر کی ملکہ کا حق اپنی بیٹی کے لیے محفوظ رکھا تھا لیکن لوگ کب تک صبر کر سکتے ہیں ؟"

" جب تک سردار جگو واپس نہیں آ جاتا "۔

مرجینا کی آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا ۔

" مجھے یقین ہے وہ ایک نہ ایک دن آئے گا ——— ضرور آئے گا ———

کی اور بتایا تھا وہ ملکہ بیگم سے ولی عہد ذی شان کی شادی کے بارے میں رائے معلوم کرنے آیا ہے کیوں کہ ریاست کے اکثر امیر اور سردار اس سلسلہ میں کافی پریشان ہیں اور ملکہ بیگم نے میر ولی اللہ کو کسی جواب کے بغیر ہی رخصت کر دیا جس نے ریاست کے اس بوڑھے وفادار کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا۔

وہ خود کئی روز سے اس سوال پر غور کر رہی تھی۔

ریاست کے قانون کے مطابق ولی عہد کو اٹھارہ سال کی عمر میں اپنی بیوی کا انتخاب کر لینا چاہیے تھا مگر شہزادہ قاسم بیسویں سال کو پہنچ رہا تھا اور ابھی تک اس کی شادی کا فیصلہ نہ ہو پایا تھا۔ ریاست کے بعض امیر جن کی لڑکیاں خوب صورت اور جوان تھیں ملکہ بیگم کو اشاروں کنایوں میں توجہ دلا چکے تھے۔ محل سرا میں حسین و ماہ طلعت خانزادیوں کی آمد و رفت بے وجہ نہ تھی۔ اُن میں کتنی نوجوان شہزادے کی محبت میں اندر ہی اندر سلگ رہی تھیں۔ بعض تو اُسے ایک نظر دیکھ لینے کی خاطر کنیزوں کے ہمراہ محل سرا میں آتی جاتی تھیں لوگ بھی ولی عہد کے متعلق مختلف قیاس آرائیاں کرنے لگے لیکن ملکہ بیگم کے دل کا راز کوئی نہ پا سکا تھا۔

وہ راتوں کو سوتی سوتی جاگ اُٹھتی۔ وحشت انگیز خوابوں اور منتشر خیالوں نے اس کی نیندیں لوٹ لی تھیں مسلسل کئی دن سے شہزادہ قاسم کی شادی کے مسئلہ پر غور کر رہی تھی اور آج اس نے وفادار مرجینا کو محض اسی لیے بلایا تھا تھا کہ اس کی رائے دریافت کر سکے۔

مرجینا نے مالکن کی آنکھوں میں تیرتے پانی کو دیکھا تو دل مسوس کر رہ گئی۔ وہ اس کا دکھ جانتی تھی لیکن قدرت نے ملکہ بیگم کے دل پر کچھ ایسے چرکے لگائے تھے کہ اب اُسے دیکھ کر خود مرجینا بھی کچی ٹہنی کی طرح لرز جاتی تھی۔ جونہی وہ غلام گردش سے گزر کر جھروکے میں پہنچی ملکہ بیگم کا لرزتا، کپکپاتا ہاتھ اس کے شانے پر پڑا اور گلوگیر آواز میں بولی۔

"مرجینا ———— مجھے مشورہ دو میں کیا کروں۔ میر ولی اللہ نے آج پھر اپنا سوال دہرایا ہے۔ وہ قاسم کی شادی کے لیے مضطرب ہے۔ ریاست کے امیر اور سردار پریشان ہیں۔ میں جانتی ہوں کئی لوگ ولی عہد کی آرزو رکھتے ہیں لیکن تم نے کہا تھا......"

فرطِ غم سے وہ اپنا فقرہ بھی مکمل نہ کر سکی، آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گرے اور بوڑھے عارضوں پر بہنے لگے۔ مرجینا تڑپ اُٹھی۔ اس کا اپنا جی چاہتا تھا وہ ملکہ بیگم کی حالت پر

شہزادہ قاسم کو حاصل کرنے کی دھن کچھ ایسی ہی تھی کہ کئی خانزادیوں نے سپہ گری کی مشق شروع کردی۔

ملکہ بیگم کے دل میں ایک ہی لگن تھی۔ کسی طرح وہ اپنی بیٹی کو چاند نگر کی ملکہ بنادے۔ اس کے دُکھوں کا بس یہی علاج تھا۔ ولی عہد کے جلوس میں صرف دو ماہ باقی تھے۔ جب مرجینا کے مشورے پر ملکہ بیگم نے سردار جگو کی تلاش کی آخری کوشش کی اور بھیل سواروں کا ایک دستہ خفیہ طور پر شمالی جنگلوں کی طرف روانہ کر دیا۔ اس دستہ کی نگرانی محل سرا کے بوڑھے بھیل محافظ حیدری کے سپرد کی گئی تھی جو گذشتہ پچیس سال سے کمال وفاداری اور جاں سپاری کے ساتھ شاہی محل کی حفاظت کا فرض ادا کر رہا تھا۔

روانگی سے قبل ملکہ بیگم نے حیدری کو قصرِ سفید میں بلایا اور خانہ بدوشوں کے متعلق بعض خاص ہدایات دیں۔ حیدری جانتا تھا آج سے بیس برس پہلے خانہ بدوشوں کا سردار جگو اپنی بیٹی کو لے کر شاہی محل میں آیا اور مرجینا نے اس کا یوں استقبال کیا تھا جیسے شہزادوں اور نوابوں کا کیا جاتا ہے۔ وہ ذاتی طور پر جگو کو جانتا، پہچانتا تھا۔ بیس سال گزرنے کے باوجود بنجارے سردار کی شکل وشباہت اس کے حافظے میں محفوظ تھی مگر اس بھید سے واقف نہ تھا کہ ملکہ اسے کیوں تلاش کرنا چاہتی ہے۔ مرجینا نے تاکید کی۔

"حیدری ——— ! سردار جگو کی تلاش ہر قیمت پر ضروری ہے۔ اگر تم کامیاب واپس آئے تو ملکہ بیگم تمہیں انعام واکرام سے مالامال کر دیں گی ———"

"یہ کا ہے ہو مرجینا بیگم ! ہمارا آج بھی سرکار کا دیا کھات رہے۔ بنجاروں کے کھوج میں ہم اپنی جان لٹادیویں۔ جگو کو ہمارا جوان جمین کے بھیتر سے ڈھونڈلیویں ......"

اس اطمینان کے ساتھ حیدری بھیل سواروں کو لے کر پہاڑوں کی طرف نکل گیا۔ ملکہ بیگم کا حکم تھا وہ جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کرے۔

اُمید کی شمعیں ایک مرتبہ پھر روشن ہو گئیں۔ بھیل تو چوہوں کی طرح زمین کی چھاتی میں بھی سیندھ لگانے سے نہ چوکتے تھے۔ اس لیے ملکہ بیگم اور مرجینا دونوں مطمئن تھیں کہ حیدری کامیابی کی خوشخبری لے کر لوٹے گا۔ دونوں بڑی بے تابی اور بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگیں۔ انہی ایام میں میر ولی اللہ نے بیگم سے ملاقات کی اور بتایا چاند نگر کی خان زادیوں

کسی بہانے ولی عہد کی شادی کو چند ماہ مزید التوا میں ڈال دیجئے ممکن ہے سردار جگو اپنے بیٹے کے جشنِ جلوس کا نظارہ دیکھنے آپہنچے ....“

” اگر نہ آیا ......؟“

ملکہ بیگم کی آواز کانپ رہی تھی ۔ مرجینا نے ایک پل کچھ سوچ کر جواب دیا ۔

” آپ ولی عہد کی دُلہن کا انتخاب فی الحال میر ولی اللہ کے سپرد کر دیجئے جشنِ جلوس تک وقت گذر سکتا ہے ۔ اس وقت تک جگو نہ آیا تو کوئی اور تجویز نکل آئے گی ۔“

مرجینا کی رائے سن کر ملکہ بیگم کے دِل میں ایک مرتبہ پھر اُمید کی شمعیں جل اُٹھیں، شاید جگو آجائے ۔ شاید تقدیر اس پر مہربان ہو جائے ——— اسی روز اس نے میر ولی اللہ کو طلب کیا اور یہ خدمت سپرد کر دی کہ ولی عہد کے لیے کسی موزوں دُلہن کا انتخاب کرے ۔

میر ولی اللہ کے لیے یہ بھی ایک اعزاز تھا ۔ وہ چپکے چپکے ولی عہد کے لیے دلہن کی تلاش کرنے لگا لیکن خبر نکل گئی کہ شہزادہ قاسم جشنِ جلوس کے موقع پر اپنی ملکہ کا اعلان کر دے گا ۔ لوگوں میں قسم قسم کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں ۔

امراء اور سردار میر ولی اللہ کی دعوتوں میں مصروف ہو گئے تھے ۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی اس کی لڑکی شاہی محل میں داخل ہو، چاند نگر کی ملکہ بنے ۔

حُسن و خوب صورتی میں ریاست کی کئی امیر زادیاں ستاروں کو شرماتی اور بہاروں کے دِل جلاتی تھیں لیکن اس دور میں جب ایک اجنبی طاقت چاند نگر کی آزادی کا گلا گھونٹنے کی تیاریاں کر رہی تھی چاند نگر کے تخت کے لیے ایسی ملکہ کی ضرورت تھی جو ولی عہد کے دوش بدوش آزادی کی جنگ لڑ سکے، مردوں کی طرح بہادر اور صاحب الرائے ہو مگر جھروکوں میں بیٹھنے اور چلمنوں کی اوٹ میں مسکرانے والی ماہ طلعت لڑکیوں میں کوئی بھی ایسی نہ تھی جو تیغ و تفنگ کے ہنر جانتی ۔ میر ولی اللہ نے ہر سردار سے یہی کہا ۔

” ہمیں چاند نگر کے لیے ایک چاند بی بی کی ضرورت ہے جس کا ایک ہاتھ گھوڑے کی باگ پر دوسرا تلوار کے قبضہ پر ہو ۔ چاند بی بی نے مغلوں کے خلاف جنگ لڑی تھی ۔ چاند نگر کی ملکہ کو انگریزی فوجوں سے نبرد آزما ہونا پڑے گا ۔“

اب سرداروں کو معلوم ہوا ۔ چاند نگر کے تخت پر بیٹھنے والی ملکہ کو خون کے دریا پیرنا ہوں گے ——— اُنہیں چاند نگر کا شاہی محل ایک طلسمی قلعہ معلوم ہونے لگا لیکن

محل کی کنیزوں نے بتایا۔

"مرجینا حیدری کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی "۔

یہ فقرہ تلوار کی طرح بھیل کا جگر کاٹتا ہوا نکل گیا۔ وہ آندھی کے لڑکھڑاتے ہوئے جھونکے کی طرح محل سرا کے پھاٹک پر آیا۔ منصور نے اس کے چہرے کا رنگ دیکھا، تو دنگ رہ گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی نبضوں سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہے۔ کپاس کے پھول کی طرح زرد ہو رہا تھا۔

"حیدری چاچا ———!"

منصور کی آواز کانپ رہی تھی۔ حیدری نے اسے صرف ایک نظر دیکھا اور بولا۔ "منصور بیٹے ———! تمہار چاچا جات رہے۔ چاند نگر کی دھرتی حیدری کے واسطے دوجکھ بن گیو۔ اگر مرجینا پوچھے تو کہت دیجو۔ حیدری چاچا اب چاند نگر میں جگو بنجارہ کے سنگ آوت نہیں تو ڈوب مرت رہے "۔

یہ کہہ کر بوڑھے بھیل نے اپنی توڑے دار بندوق کندھے پر لٹکائی۔ نیزہ سنبھالا اور اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ منصور اور محل سرا کے بھیل سپاہی دیکھتے ہی رہ گئے مگر حیدری کا گھوڑا نیلم ندی کی طرف اڑتا چلا گیا۔

چاند نگر کی محل سرا کے جھروکے سے مرجینا نے حیدری کو نیلم ندی کا پُل پار کرتے اور شمالی راستے کے پیچ و خم میں غائب ہوتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی اب وہ گوہرِ مقصود حاصل کر کے ہی لوٹے گا۔ ورنہ چاند نگر کے بھیل سپاہی اپنے سردار سے محروم ہو جائیں گے۔

شہزادہ قاسم کے جلوس تخت نشینی میں صرف ڈیڑھ ماہ باقی رہ گیا تھا۔

ریاست کی تاریخ میں یہ جشن ہر اعتبار سے یادگار تھا۔ اوّل تو اس روز شہزادہ کی زندگی کے بیس سال پورے ہو رہے تھے۔ دوسرے اسی دن وہ ایک آزاد حکمران کی حیثیت سے تختِ حکومت پر جلوس فرما ہونے والا تھا اور چاند نگر کی ریاست میں یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ تیسرے میر ولی اللہ کی اطلاع کے مطابق اسی مبارک تقریب پر ملکہ بیگم شہزادہ قاسم کی دُلہن کا اعلان کرنے والی تھی۔ گویا تین خوشیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔

شہزادہ قاسم کے اتالیقوں کے بقول وہ ہر فن میں طاق ہو چکا تھا اور ملکہ بیگم

میں اسے کوئی "چاند بی بی" نہیں مل سکی۔ ملکہ بیگم وفورِ جذبات میں بولی۔

"ولی اللہ ——— ! میری نظر میں ایک چاند بی بی ہے اگر مِل گئی تو میں اُسے تمہاری بیٹی بنادوں گی اور تمہارے گھر قاسم کی بارات لے کر آؤں گی۔"

ولی اللہ پوچھتا ہی رہ گیا۔ وہ قابلِ فخر لڑکی کون ہے جسے ملکہ کی نگاہوں نے اپنی بہو منتخب کر لیا ہے لیکن ملکہ بیگم کوئی جواب دیئے بغیر تیزی سے پردوں کی اوٹ میں غائب ہو گئی۔

پُورے پندرہ دن کے بعد پہاڑوں کی سمت دھول اُڑتی نظر آئی اور بیگم کی نظروں نے حیدری کو اپنے سواروں کے ہمراہ لوٹتے دیکھا۔ وہ بڑی بے تابی سے قصرِ سفید میں پہنچی جہاں بوڑھا حیدری اپنی ناکامی کی خبر سنانے کے لیے سر نہوڑائے کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔

"ملکہ حجور ——— ! ہمار جوان جنگل کا کونہ کونہ چھان رہے پر سال کے جنگلوں میں جگو بنجارہ ناہیں نجر آئیو۔ جو بنجارہ ملت یہی کہت ہم سردار کو نہیں جانت۔ وہ اپنی بٹیا سنگ پردیس چلا گیو۔ ابھی پلٹ کے نہیں آدت ———"

یہ خبر بجلی کی طرح ملکہ بیگم کے دِل پر گری۔ حیدری نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے گرے اور رخساروں پر بہنے لگے۔ بوڑھے بھیل کے لیے یہ منظر قیامت آفریں تھا۔ اس نے چاہا وہ آگے بڑھ کر اپنی محسن ملکہ کے قدموں سے لپٹ جائے مگر اسی لمحے بیگم نہایت خاموشی کے ساتھ پلٹی اور چپ چاپ کمرۂ ملاقات سے نکل گئی۔

حیدری بُت بنا کھڑا رہا۔ وہ یہ معمّا سمجھنے سے قاصر تھا سردار جگو کے نہ ملنے کی خبر سُن کر ملکہ کی آنکھوں سے آنسو کیوں بہہ نکلے تھے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا وہ آنسو نہیں بلکہ ایک عورت تھی جو سوزِ غم سے پگھل کر تھرتھرانے والے ستاروں میں ڈھل گئی تھی۔ بھیل سردار سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھا۔ پچیس سال کے عرصہ میں اس کی مہربان ملکہ نے ایک ہی خواہش کی تھی اور وہ اسے بھی پورا نہ کر سکا۔ حیدری کا جی چاہا وہ قصرِ سفید کی دیواروں سے سر پھوڑ کر مر جائے پھر جیسے اس کے اندر سے آواز سنائی دی۔

"کاہے مرد بنے ہو حیدری ——— ! ملکہ بیگم کی اکھیاں نیر بہاویں اور تم دیکھت رہے۔"

فوراً بوڑھا بھیل ایک بھونچال کی طرح کمرے سے نکلا اور مرجینا کو تلاش کرنے لگا۔

کے سہارے زندہ رہے گی ؟ جشنِ جلوس اس کی قسمت آزمائی کا آخری موقع تھا اور وہ جانتی تھی اگر اس کی بیٹی اس موقع سے بھی محروم رہی تو شاید تقدیر اسے پھر شاہی محلوں میں نہ لا سکے کیوں کہ قانونِ ریاست کے مطابق جشنِ جلوس کی تقریب پر نئی ملکہ کا انتخاب ہو جانا چاہیے تھا وہ انتخاب کو ٹالنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی ——— کسی نہ کسی لڑکی کا ملکہ چاند نگر کی حیثیت سے شاہی محل میں داخلہ لازمی تھا۔

یوں تو اس نے میر ولی اللہ کو شہزادہ کی دلہن منتخب کرنے کا حق دے دیا تھا مگر اندر ہی اندر دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنی مظلوم و مجبور بیٹی کا حق چھین رہی ہے مگر بدنصیب شہزادی کا حق تو روزِ اوّل ہی سے چھین لیا گیا تھا۔

اس اذیت ناک احساس نے ماں کے دل پر ایک اور ستم ڈھایا۔ شاید تقدیر ایک ملکہ کی مجبوریوں کا مذاق اڑانے پر تُل گئی تھی۔

میر ولی اللہ بھی دن رات اپنے حسین فرض کی ادائیگی میں کوشاں اور چاند نگر کی امیرزادیوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کر رہا تھا لیکن ملکہ بیگم کے چہرے پر مہیب تفکرات نے سائے ڈال دیئے تھے۔ غمِ پنہاں کی چھری کلیجے کو کاٹتی جا رہی تھی۔ اب تو آنکھوں میں آنسوؤں کے سوتے بھی جیسے خشک ہو گئے تھے۔ خالی خالی ویران سی نظروں سے آسمان کی طرف دیکھتی اور دُکھے ہوئے دل کے ساتھ فریاد کرتی۔

"الٰہی ! تیرا انصاف کہاں ہے ؟"

جلوس تخت نشینی میں پورا ایک ماہ باقی تھا۔ جب سہ پہر کے وقت دو رویہ صنوبروں کی سڑک کو چھوڑ کر ایک فٹن چاند نگر کی نئی آبادی کی طرف مڑی اور بگولے کی طرح اڑتی ایک عالی شان دو منزلہ عمارت کے سامنے آکر رُکی۔

کوچوان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک بندوق بردار محافظ نے چھلانگ لگائی اور جلدی سے فٹن کا دروازہ کھول کر پرے ہٹ گیا۔ دوسرے لمحے فٹن کے اندر سے ایک حسین و جمیل اور شوخ و تنگ سی نازنین نکلی جس کے سڈول و متناسب بدن پر مشرقی شہزادیوں کا سا قیمتی لباس تھا۔

کے حکم پر مدار المہام جعفر نے بہادری کے مقابلوں کا اعلان کر دیا تھا کہ جو لوگ شہزادہ سے فنونِ سپہ گری کے مقابلے جیت لیں گے انہیں حکومت کی طرف سے انعام واکرام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے پیشِ نظر نہ صرف چاند نگر بلکہ ریاست کے اکثر شہروں میں بھی بہادر مقابلوں کی تیاری کر رہے تھے۔

چاند نگر کی تاریخ میں اس قسم کے مقابلے پہلی بار منعقد ہو رہے تھے۔ اس لیے ہر طرف ایک جوش وخروش پایا جاتا تھا ——— انگریز ریذیڈنٹ اس تقریب کی نوعیت کو سمجھتا تھا لیکن فوجی مقابلوں کا اعلان اس کے نزدیک لوگوں کی قومی سپرٹ کا اظہار تھا جو اسے پسند نہ تھا۔ چاند نگر کے عوام بہادری اور آزادی کی پرستش کرتے ہیں مگر انگریز کے نقطۂ نظر سے اس قسم کے مظاہرے نئی حاکم قوم کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے مدار المہام سے ملاقات کی اور ان مقابلوں کے متعلق وضاحت طلب کی۔ جعفر نے بتایا۔

"اس تقریب کی حیثیت ایک میلے سے زیادہ کچھ نہیں"۔

"مگر یہ ایک فوجی اجتماع ہوگا۔ مجھے اُمید ہے اس اجتماع میں کمپنی سرکار کے خلاف کسی نفرت کا اظہار نہ کیا جائے گا"۔

جعفر نے ریذیڈنٹ کو مطمئن کر دیا پھر بھی کرنل کلوٹ نے ایک خطرے کا اظہار ضروری سمجھا۔

"اس قسم کے مواقع پر مشتعل جلوس ریذیڈنسی پر حملہ کرنے سے بھی باز نہیں رہتے اگر حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اپنی حفاظت کے لیے میں تھوڑی سی انگریزی سپاہ طلب کر لوں"۔

"کرنل کلوٹ! ملکہ اس کی اجازت نہ دیں گی مگر آپ مطمئن رہیں ریاست کی فوج ریذیڈنسی کی حفاظت کرے گی اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آسکے گا"۔

دراصل انگریز کسی نہ کسی بہانے چاند نگر میں انگریزی سپاہ داخل کرنا چاہتا تھا لیکن ریذیڈنٹ کی تجویز اور درخواست ٹھکرا دی گئی۔

جوں جوں جلوس کے دن قریب آرہے تھے ملکہ بیگم کی حالت بگڑتی جارہی تھی اسے اپنی بیٹی کے متعلق ابھی تک کوئی اطلاع نہ مل سکی تھی۔ بھلا وہ کب تک موہوم امیدوں

دوسری منزل پر صرف پانچ کمرے تھے ۔ جن کے سامنے سیاہ و سفید ٹائلوں کا ایک خوب صورت فرش تھا ۔ وہاں کم و بیش پندرہ نوکر جن میں پانچ جوان اور خوش شکل عورتیں تھیں ۔ ان کے منتظر تھے ۔ آگے چالیس بیالیس سال کا ایک آدمی مصاحبوں کی پوشاک پہنے سب سے نمایاں تھا ۔ وہ دوشیزہ کو دیکھتے ہی کورنش بجا لایا ۔ دوسرے ملازم بھی جھک گئے ۔

حسین نازنین نے ان سب پر حیرت و تعجب کی نظر ڈالی ۔ کرنل کلوٹ آگے بڑھا اور مصاحب کی طرف اشارہ کر کے حسینہ سے مخاطب ہوا۔ " یہ آپ کا سیکرٹری حشمت سراج ہے باقی ملازم اور کنیزیں ۔ سب لوگ اسی عمارت کے نچلے حصے میں رہیں گے ۔ آپ کے اس سفر کی تمام تفصیلات سیکرٹری کے پاس موجود ہیں "۔

ماہ جمال لڑکی نے غور سے سیکرٹری کی طرف دیکھا پھر کنیزوں کے درمیان سے گزر کر چھوٹی چھوٹی محرابوں والی غلام گردش کی طرف بڑھی ——— کرنل کلوٹ اسے ساتھ لے کر ایک بے حد آراستہ و پیراستہ کمرے میں داخل ہوا جس میں اٹھارہویں صدی عیسوی کی نوابی محل سراؤں کا تمام سامان آرائش موجود تھا ۔ دروازوں اور دریچوں پر گلابی ریشم کے پردے لٹک رہے تھے ۔ دیواروں پر جگہ جگہ خوب صورت مناظر کی تصویریں آویزاں تھیں ۔ فرش پر سرخ اور نیلے رنگ کے دبیز ایرانی قالین بچھے تھے ۔ چمک دار کرسیاں ایک خاص ترتیب سے سجائی گئی تھیں کمرے کے وسط میں چھت کے ساتھ ایک بہت بڑا بلوریں فانوس لٹک رہا تھا جس میں تین درجن شمع دان بنے تھے ۔ فانوس کے نیچے فرش پر چار فٹ عریض اور سات فٹ طویل ایک صندلین تخت پر قرمزی مخمل کا گدیلا بچھا تھا ۔

لڑکی نے کمرے کا جائزہ لیا ۔ پھر مخملیں گدیلے پر نیم دراز سی لیٹ گئی ۔ کرنل کلوٹ بھی ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے پاس آ بیٹھا ۔ " معلوم ہوتا ہے آپ تھک گئی ہیں ۔ سفر بھی تو بہت تھا "۔

" کوئی خاص تھکاوٹ نہیں لیکن آپ نے تو کمال کر دیا ۔ آرام و آسائش کی ہر چیز مہیا کر دی "۔

" جگہ پسند آئی ؟ "

" بے حد ——— چاند نگر ایک قابلِ دید مقام ہے "۔

کرنل کلوٹ اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتا رہا ۔ معلوم ہوتا تھا دوشیزہ کے

چہرے مہرے، چال ڈھال، غلافی آنکھوں اور سیاہ ریشمیں زُلفوں سے صاف ظاہر تھا کوئی ایشیائی دوشیزہ ہے۔ اس کی خوب صُورت سرمگیں آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ جیسے کوئی ہیرا دمکتا ہے۔ حسین عارضوں پر شفق سی پھوٹی تھی، رفتار میں ایک وقار تھا۔ لباس اور رکھ رکھاؤ سے کوئی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔

اس کے پیچھے پیچھے ایک ادھیڑ عمر عورت بھی جو اُجلی لیکن سادہ پوشاک پہنے تھی گاڑی سے اُتر کر کنیز کی مانند ساتھ ہولی۔ حویلی کے دروازے پر سنتری توڑے دار بندوق اُٹھائے پہرہ دے رہا تھا، شاید رعب حُسن سے مرعوب ہو گیا تھا۔ اس نے حسین دوشیزہ کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا اور باادب ہو کر سلام کیا۔ لڑکی سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتی شاہانہ انداز کے ساتھ عمارت میں داخل ہوئی۔ ابھی غلام گردش سے دُور ہی تھی کہ ایک سفید فام آدمی تیز قدموں سے چلتا برآمد سے نِکلا اور پیشوائی کے لیے آگے بڑھا۔

وہ چاند نگر کا انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ تھا۔

اس نے قریب پہنچ کر لڑکی کو سلام کیا۔ ہاتھ ملایا اور معذرت آمیز انداز میں بولا
"معاف کیجیے مس فوزی! مجھے اطلاع دی گئی تھی آپ شام کے وقت پہنچیں گی۔ ورنہ میں استقبال کے لیے گیٹ پر موجود ہوتا۔"

حسین دوشیزہ نے مسکرا کر مسٹر کلوٹ کی طرف دیکھا۔ "اگر گھوڑے تیز رفتار نہ ہوتے تو یقیناً میں شام ہی کو پہنچتی۔"

"سفر کیسے کٹا ——— ؟"

"بڑے مزے میں ——— یہ سفر زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"ضرور یاد رہنا چاہیے۔ ایسے حسین موقعے شاذ و نادر ہی میسّر آتے ہیں۔"

دونوں باتیں کرتے غلام گردش سے گزر کر ایک مسقف طویل راہداری میں چلنے لگے۔ جس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ ادھیڑ عمر عورت سائے کی طرح ساتھ لگی ہوئی تھی۔ وہ رُکے بغیر زینہ پر آگئے جو ایک قوس نما خم کے ساتھ دوسری منزل تک جاتا تھا۔ کرنل کلوٹ نے وضاحت کی۔

"آپ کی رہائش کا انتظام دوسری منزل پر کیا گیا ہے۔"

پھر حسین دوشیزہ کو ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

لگیں ۔ لڑکی کا حسن ایسا ہی کشش انگیز تھا کہ ایک زاہد مرتاض بھی ہوش کھو بیٹھے مگر کرنل کلوٹ نے کھمبا نوچنے کی کوشش کی۔

"میری فکر نہ کیجئے مس فوزی! میں نے زمانہ دیکھا ہے میرے ہوش آسانی سے خطا نہیں ہو سکتے۔ میرا مقصد صرف یہ تھا آپ کا غیر معمولی حسن پرنس کو بے چین کر دے گا۔"

"اور مجھے دراصل آپ کی فکر پڑ گئی تھی۔"

کرنل کلوٹ ماتھے کا پسینہ پونچھتا کھڑا ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا لڑکی بہت تیز ہے۔ اپنے آپ کو سنبھال کر بولا۔" اب مجھے یقین ہو گیا ہے آپ نے ہوشیاری سے کام کیا، تو کامیابی یقینی ہے۔"

"لیکن آپ کی مدد کے بغیر کچھ نہ کر سکوں گی۔"

"چاند نگر گورنمنٹ کو آپ کی آمد سے مطلع کر چکا ہوں۔ شاہی مہمان اکثر محل سرا میں قیام کرتے ہیں مگر میں نے شہزادہ قاسم کو خبر دی تھی۔ شہزادی اس حویلی میں قیام پذیر ہوں گی۔ ممکن ہے کوئی سرکاری آدمی آپ سے ملنے آ جائے اس لیے مجھے نکل جانا چاہیئے۔ میں نے گورنمنٹ کو بتایا ہے شہزادی نجی دورے پر آئی ہیں ——— بالکل مطمئن رہیئے یہاں سب آدمی بھروسے کے ہیں۔ سیکرٹری حشمت سراج آپ کی پوری مدد کرتا رہے گا"

حسین فوزیہ اچانک پریشان نظر آنے لگی۔" آپ سے دوبارہ کب ملاقات ہو گی ؟"

"میں دور نہیں ——— ریذیڈنسی کی عمارت اس حویلی سے قریب ہے میں موقع محل دیکھ کر خود ہی ملتا رہوں گا اگر کوئی خاص کام ہو تو آپ سیکرٹری کی معرفت مجھے اطلاع بھیج سکتی ہیں میں فوراً پہنچ جاؤں گا لیکن ہر قدم بڑی احتیاط سے اٹھائیے اور یہ نہ بھولیے چاند نگر کی دیواریں بھی کان رکھتی ہیں۔ معمولی سی غلطی خطرناک نتائج پیدا کر دے گی۔"

یہ کہہ کر کرنل کلوٹ جانے کے لیے مڑا۔" گڈ بائی ——— خدا حافظ!"

"خدا حافظ ——— !"

حسین فوزیہ نے ہاتھ ملا کر کرنل کلوٹ کو رخصت کر دیا۔ وہ اپنے جسم میں

غیر معمولی حسن و شباب نے اس کے دِل پر خاص اثر کیا ہے۔ آنکھوں کی چمک اس کے اشتعال انگیز جذبات کا پتہ دے رہی تھی مگر اپنے آپ کو سنبھال کر بڑے تحمل سے گفتگو کرنے لگا۔

"مجھے اُمید ہے آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گی"۔

"مَیں نے زندگی میں ناکام ہونا نہیں سیکھا کرنل ————!" وہ پر وثوق لہجے میں بولی ———— "اگر خود پر بھروسہ نہ ہوتا تو اتنے خطرناک کام میں ہاتھ نہ ڈالتی"۔

"بس کل سے کام شروع کر دیں ———— آپ کو تفصیل کا تو علم ہو گا؟"

"جی ہاں ————" لڑکی نے فوراً جواب دیا پھر سرگوشیانہ لہجے میں بولی "کیا آپ نے مُہر کا انتظام کر لیا؟"

"مَیں اپنا کام کل پر نہیں چھوڑتا"۔ کرنل کلوٹ کی آواز بھی بدل گئی تھی۔ اس نے جیب سے سونے کی ایک خوب صورت انگشتری نکالی جس کے گول بیضوی نگینہ میں ایک مہر نظر آ رہی تھی۔ ریذیڈنٹ نے انگشتری اس کی طرف بڑھا دی اور کہنے لگا۔

"یہ اصل مُہر تو نہیں لیکن کاریگر نے جان ہتھیلی پر رکھ کر تیار کی ہے۔ شاہی مُہر مرمت کے بہانے صرف ایک پہر کے لیے اس کے پاس پہنچائی گئی تھی۔ بس اس وقت میں سُنار نے یہ نقل اصل کے مطابق تیار کر دی۔ اگر ولی عہد بھی اسے دیکھ لے تو دھوکا کھا جائے۔ آپ کو اس انگشتری کی خاص طور سے حفاظت کرنا ہو گی"۔

پھر ایک ثانیہ ٹھہر کر ریذیڈنٹ نے اسے توجہ دلائی ————

"یہ بات بھی یاد رہے۔ ولی عہد کبھی اپنی مہر سے غافل نہیں رہتا"۔

لڑکی کے سُرخ ہونٹوں پر ایک دلنواز تبسم رقص کرنے لگا۔ "مُہر تو کیا مجھ سے ملنے کے بعد وہ اپنے آپ سے بھی غافل ہو جائے گا"۔

"اس میں کیا شک ہے آپ کا حُسن اچھے بھلے آدمی کو عقل و ہوش سے بیگانہ کر دیتا ہے"۔

لڑکی اپنی تعریف سُنکر پھر مُسکرائی اور تیز نگاہوں سے کلوٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ "کرنل ———— ! اپنے ہوش تو قابو میں رکھیے۔ اگر آپ نے بھی ہوش کھو دیئے تو چاند نگر میں مجھے کفن بھی نصیب نہ ہو سکے گا"۔

اس طنز کو سُن کر ریذیڈنٹ کے چہرے پر کھسیانی ہنسی کی لہریں اُبھرنے ڈوبنے

شام تک چاند نگر کے اعلیٰ حلقوں میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ ریاست گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ سیر و تفریح کے لیے چاند نگر آئی اور نئی آبادی کی ایک عالی شان حویلی میں فروکش ہوئی ہے۔

گلیار مشرقی گھاٹ کی ایک گمنام سی ریاست تھی جس کا نام بھی اکثر لوگوں نے نہ سنا ہوگا۔ ریاست کی ایک اعلیٰ ہستی چونکہ اچانک ہی چاند نگر کی مہمان ہوئی تھی جس کی رہائش کا اہتمام انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ نے بہ نفسِ نفیس کیا تھا اس لیے لوگ نہ صرف شہزادی پر چہ میگوئیاں کرنے لگے بلکہ انہیں ریاست گلیار کے متعلق بھی بہت سی باتیں معلوم ہوگئیں۔

گلیار کا انتظام ایک عرصہ سے کمپنی سرکار چلا رہی تھی۔ آبادی تین چار لاکھ اور رقبہ ایک ہزار مربع میل سے زیادہ نہ تھا۔ چھ سات لاکھ روپیہ سالانہ کے لگ بھگ آمدنی تھی۔ والیٔ ریاست کو جو انگریز کا فرماں بردار تھا بمشکل ایک لاکھ روپے سالانہ بطور وظیفہ ملتے تھے۔ باقی سب آمدنی کمپنی سرکار کے پیٹ میں پہنچتی اور کمپنی کا پیٹ کلکتہ سے لندن تک پھیلا ہوا تھا۔

چاند نگر بجائے خود ایک چھوٹی ریاست تھی لیکن رقبہ و آبادی کے لحاظ سے تو گلیار ایسی دس بارہ ریاستوں پر بھاری تھی۔ سب سے بڑی خوبی یہ کہ صدیوں سے آزاد و خود مختار چلی آرہی تھی اور مغلوں کے زمانہ میں بھی اس کی آزادی پر حرف نہ آیا تھا۔ یہی وجہ ہے چاند نگر کے باشندے غلامی کے تصور سے بھی ناآشنا تھے۔ بیسویں سالگرہ پر جب شہزادہ قاسم آزاد حکمران کی حیثیت سے تختِ حکومت پر جلوس کرنے اور اہلِ ریاست کو اپنی ملکہ کے انتخاب کی خوشخبری سنانے والا تھا۔ گلیار کی حسین اور نوجوان شہزادی فوزیہ سلطانہ کی آمد خالی از علت نہ تھی۔

شہزادی گلیار کی شاہی قیام گاہ پر چاند نگر کے مدار المہام جعفر کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔

رات کے اندھیرے پھیلنا شروع ہوگئے تھے مگر شاہی حویلی قندیلوں کی روشنی میں جگمگ جگمگ کر رہی تھی ——— بیرونی پھاٹک سے لے کر دوسری منزل کے زینے تک چار فٹ چوڑا سرخ کارپٹ بچھایا گیا تھا جس کے دو طرف ملازمین، خواص اور

ایک آگ سی لیے کمرے سے نکل گیا - لڑکی کچھ دیر کھڑی اُسے دیکھتی رہی پھر ہولے ہولے مخملیں گدیلے کے پاس آئی اور ٹوٹتے بدن کے ساتھ گدیلے پہ گر گئی ۔ معلوم ہوتا تھا سفر نے واقعی اُسے تھکا دیا ہے مگر آرام شاید اس کی قسمت میں نہ تھا ابھی صوفہ پہ اس نے ایک انگڑائی توڑی تھی کہ اُدھیڑ عمر عورت پردے کی اوٹ سے نکل کر قریب آ بیٹھی اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی ۔ " بیٹی ——— ! یہاں تو سب کام میری توقع سے بھی بڑھ کر نکلے کرنل صاحب سے کیا باتیں ہوئیں ؟"

لڑکی کے چہرے پہ فکر کے سائے رینگنے لگے بڑی مدھم آواز میں بولی " سب کام تیار ہیں ماں ! وہ کہتے ہیں آج آرام، کل سے کام ———"

" خدا تجھے کامیاب کرے ۔"

لڑکی پھر گہری سوچ میں ڈوب گئی ——— گفتگو اتنی نرم اور مدھم آواز میں ہوئی تھی کہ کمرے کی دیواریں بھی نہ سُن سکی ہوں گی - اسی لمحے ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی اور دروازہ کے پاس ہی سر جُھکا کر کھڑی ہو گئی اس نے اطلاع دی " غسل کے لیے پانی تیار ہے ۔"

فوزیہ اچھل کر کھڑی ہو گئی - اشارے سے کنیز کو اپنے قریب بُلایا " کیا نام ہے تمہارا؟"

" کنیز کو گلنار کہتے ہیں ۔"

" گلنار ——— بہت اچھا نام ہے ——— ہمیں پسند ہے ۔"

" ذرّہ نوازی کا شکریہ !"

پھر فوزیہ کنیز کے ہمراہ غسل کے لیے چلی گئی اور ادھیڑ عمر عورت وہ صندوق دوسرے کمرے میں رکھوانے لگی جنہیں دو نوکر فٹن سے اُتار کر لائے تھے ۔

سورج کی آخری کرنیں حویلی کی دوسری منزل کے در و بام پر سسک رہی تھیں جن میں ڈوبتے آفتاب کی تمازت مچل رہی تھی - ان کی روشنی میں دریچوں کے نیلے، سرخ اور سبز شیشے قندیلوں کی طرح منور ہو گئے - ان کی مختلف النوع رنگین روشنیوں کے عکس کمرے کو ایک الف لیلوی قصر میں تبدیل کر رہے تھے ۔

تھا حکومت کو میری آمد سے پہلے مطلع کر دیا گیا ہے۔ میں کرنل کلوٹ سے بات پر بس کروں گی۔"

"پھر آپ کا اس حویلی میں قیام تو صریح طور سے ہماری توہین ہے۔ شاہی مہمان محل سرا میں قیام کرتے ہیں۔ میں یہی عرض کرنے آیا ہوں آپ محل سرا میں تشریف لے چلیئے۔"

اس کے جواب میں شہزادی کے سرخ لبوں پر ہلکا سا تبسم بکھر گیا۔" قیام کا بندوبست میری مرضی سے ہوا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

شہزادی نے بتایا۔ محلات کی زندگی تکلفات سے بھری پڑی ہوتی ہے اور سیر و تفریح کے دوران مجھے شاہی پابندیاں پسند نہیں اس لیے خود میں نے ریذیڈنسی سے فرمائش کی تھی کہ چاند نگر میں میرے لیے کسی علیحدہ قیام گاہ کا بندوبست کیا جائے۔ پھر میرے ساتھ نوکروں اور کنیزوں کی ایک فوج ہے۔ میں محل سرا میں رہائش مناسب نہیں سمجھتی۔

جعفر نے کوشش کی اگر وہ شاہی تکلفات سے گھبراتی ہے تو محل سرا کی بجائے اس کی ذاتی حویلی میں منتقل ہو جائے جہاں اسے آزادی بھی حاصل ہو گی اور ہر قسم کی سہولتیں بھی مل سکتی ہیں۔ جعفر نے یہ پیش کش کچھ اس انداز میں کی تھی کہ شہزادی شش و پنج میں مبتلا ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنی نگران کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔

"تو پھر اپنی نگران سے ابھی مشورہ کر لیجیے۔ میری انتہائی خوش نصیبی ہو گی اگر گلیار کی شہزادی مجھے میزبانی کا شرف بخشے۔"

فوزیہ سلطانہ کو جعفر کے اصرار پر اٹھنا ہی پڑا۔ وہ مخملیں تکیہ جس کے سہارے شہزادی ٹیک لگائے بیٹھی تھی ایک طرف کھسک گیا۔ وہ خود تو نازو ادا سے اٹھلاتی اپنی نگہبان کے کمرے میں چلی گئی لیکن جعفر کی نگاہیں کاغذ کے اس ٹکڑے پر جم کے رہ گئیں جو تکیہ کے نیچے سے جھانک رہا تھا۔ اگر یہ کوئی عام کاغذ ہوتا تو شاید نظر انداز بھی کر دیتا لیکن تعجب کی بات تو یہی تھی اس کا رنگ ان خاص کاغذات سے ملتا تھا جو صرف ولی عہد شہزادہ قاسم ذی شان کے لیے مخصوص تھے۔

جعفر کے دل میں تجسس نے انگڑائی لی۔ اِدھر اُدھر دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر تکیہ کے نیچے سے کاغذ نکال لیا جسے دیکھتے ہی اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کیونکہ یہ

نوکر ریاست گلبار کی سرکاری وردی میں ملبوس کھڑے تھے۔ شہزادی کا سیکرٹری حشمت سراج جنوبی ہند کے رئیسوں کی طرح سر پر قرص نما بیضوی ٹوپی اوڑھے جس پہ باریک اور رسّی کی مانند بٹی ہوئی ململ کے کئی پیچ تھے۔ شہزادی اور جعفر کے پیچھے پیچھے بڑے ادب سے چل رہا تھا۔

حسین و ماہ جبیں فوزیہ سلطانہ جب اپنے پچپن سالہ مہمان کو لے دوسری منزل پر آئی جہاں حسین اور جوان کنیزیں شوخ بھڑکیلے لباس میں پیشوائی کے لیے حاضر تھیں تو جعفر کو یوں محسوس ہُوا جیسے الف لیلہ کی کسی طلسمی محل سرا میں آ گیا ہو۔

کنیزیں دونوں کو اپنے جلو میں لے کر آگے بڑھیں اور ایک کمرے میں پہنچا کر خود بخود باہر نکل گئیں۔ یہ کمرہ بڑے سلیقے اور قرینے سے آراستہ تھا۔ بلوریں فانوس میں بے شمار بے دُود شمعیں روشن تھیں اور ان کی روشنیاں دریچوں کے مختلف الالوان شیشوں سے ٹکرا کر سُرخ نیلے پیلے اور سبز رنگ بکھیر رہی تھیں۔ جن سے قوس و قزح کا سا منظر پیدا ہو رہا تھا۔ اس دل کش ماحول میں جعفر کو شہزادی فوزیہ سلطانہ بھی ایک خوابی حسینہ معلوم ہونے لگی۔ اس نے ایسا مہین لباس پہن رکھا تھا جس میں سڈول مرمریں بازو صاف نظر آ رہے تھے۔ کھُلے گریبان سے سینے کے اُبھار کچھ اس طرح نمایاں تھے کہ دیکھنے والے کے جذبات مشتعل ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ جعفر کو محسوس ہونے لگا اُس کے جسم میں گرم گرم آگ دوڑ رہی ہے۔

حسین شہزادی نے اُسے مخملیں گدیلے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر خوب صورت ریشمی گاؤ تکیے رکھے تھے پھر خود بھی ایک حسین ادا سے قریب ہی بیٹھ گئی۔ جعفر کے بدن پر گرم گرم چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ شہزادی کے شباب آفریں حسن کی برق پاش تجلیوں نے اس کا خرمنِ ہوش پھونک دیا۔ رنگین جسم کی قربت نے دیوانہ سا کر دیا۔ چور نگاہوں سے فوزیہ کے سڈول مرمریں بازوؤں کو دیکھتے ہوئے شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"شہزادی صاحبہ! آپ نے حکومت چاندنگر کو اپنی آمد سے مطلع کیا ہوتا تو میں آپ کا شایانِ شان استقبال کرتا مجھے تو ریذیڈنٹ نے آج ہی شام آپ کی آمد کی اطلاع دی ہے ———"

شہزادی کے چہرے پر تعجب و حیرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ "مجھے تو یہی بتایا گیا

دگیرش ہی اعتماد کو دھوکا دیا تھا۔

اس کا ذہن پکار اُٹھا ——— "یقیناً وہ چالاک اور ہوشیار دشمن تمہی ہو ——— ولی عہد تمہارے وجود کو ایک کانٹا سمجھتا ہے اور اس نے یہ کانٹا اپنے راستہ سے ہٹانے کے لیے گلیار کی خوب صورت ناگن شہزادی فوزیہ سلطانہ کی خدمات حاصل کی ہیں۔ خطرہ بہر حال اس کی زندگی کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

جعفر کے ذہن میں غصّے کے سانپ پھنکارنے لگے۔ اس کا جسم جوشِ انتقام کی شدت سے سنسنا اُٹھا۔ اب اسے یاد آیا۔ آج ہی شام ولی عہد نے اُسے بلوایا اور ریاست گلیار کی شہزادی کی ملاقات کے لیے بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں میں پھُسلا کر اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے جس کی تکمیل کے لیے چاند نگر آئی ہے ——— گویا سب کچھ پہلے سے طے شدہ تھا۔

اقتدار کی خاطر اگرچہ وہ انگریز سے مل کر سازش کر چکا تھا لیکن اس مرتبہ جب ملکہ بیگم نے اُسے بلایا اور آزادی کے تحفظ کا واسطہ دیا۔ وہ بصد خلوص ریاست کی خدمت کا جذبہ لے کر شریکِ حکومت ہوا تھا مگر آج پتہ چلا اُسے محض حالات کی مصلحت کے تحت مدار المہام کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔ اب اُسے اقتدار سے محروم کرنے اور اپنے راستے سے ہٹانے کی خاطر ایک حسین سازش تیار کی گئی ہے لیکن قدرت یقیناً اس پر مہربان معلوم ہوتی ہے ورنہ قبل از وقت اس خطرناک سازش کا بھید معلوم نہ ہو سکتا۔

وہ انہی پریشان کُن خیالات میں اُلجھا تھا کہ شہزادی واپس آگئی۔ اس نے بتایا کہ نگران رہائش گاہ تبدیل کرنے پر رضا مند نہیں۔ قیام جہاں ہو چکا ——— ہو چکا ——— بہر حال وہ جعفر کی بے حد ممنون ہے کہ اس نے خلوص و محبت سے دعوت دی ہے۔

جعفر کی نگاہیں شہزادی فوزیہ کی حسین صورت پر مرتکز تھیں۔ سوچ رہا تھا یہ بھولی بھالی صورت کتنی خطرناک سازش کا جوا کھیلنے آئی ہے۔ اچانک کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"اب مجھے اجازت دیجیے ———؟"

فوزیہ نے مسکرا کر اس کا راستہ روک لیا۔ "واہ ——— آپ اتنی جلدی نہیں جا سکتے۔ آپ نے کچھ کھایا پیا نہ کھُل کر باتیں کیں۔ آخر اتنی جلدی کاہے کی ——— کیا آپ کو ایک مہمان کے ہاں بیٹھنا پسند نہیں ———؟"

موفی صد دولت چاند نگر کا سرکاری کاغذ تھا جس کی پیشانی پر شاہی نشان مرتسم تھا۔ تحریر بھی ولی عہد کے اپنے ہاتھ کی تھی۔ وہ خط پڑھنے لگا۔

"شہزادی کو شاہی مہمان بننے سے اجتناب کرنا چاہیئے! اس طرح کام بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ دشمن بہت چالاک اور ہوشیار ہے۔ ایک مرتبہ پہلے بھی شاہی اعتماد کو دھوکا دے چکا ہے۔ حالات کی مصلحت کے تحت اسے موجودہ اعزاز دیا گیا ہے بہر حال جب تک یہ کانٹا ریاست کے سینے میں موجود ہے۔ شہزادی کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں۔ اگر وہ حکمتِ عملی سے یہ کانٹا نکال سکیں تو سب کچھ ممکن ہے۔ یہ کام جشن جلوس سے پہلے ہو جانا چاہیے۔ میں بے تابی سے شہزادی کی آمد کا منتظر ہوں اور کسی ذریعے خود ہی ملاقات کی کوشش کروں گا۔ اگر دشمن کو یہ راز معلوم ہو گیا کہ میں شہزادی سے واقف ہوں تو ہوشیار ہو جائے گا۔ چاند نگر میں اسے انگریز ریذیڈنٹ کی معرفت رہائش کا انتظام کر لینا چاہیے۔ فقط

نیچے ——— "ولی عہد قاسم ذی شان" ——— کی مہر ثبت تھی۔

جعفر نے خط کی پُر اسرار عبارت پڑھی۔ بار بار مہر دیکھی۔ تحریر جانی پہچانی اور مہر دیکھی بھالی تھی۔ وہ یہ جان کر ورطہ حیرت میں ڈوب گیا کہ شہزادی فوزیہ سلطانہ کی چاند نگر میں آمد کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت ہے۔ ولی عہد قاسم نہ صرف شہزادی سے واقف ہے بلکہ وہ اس کی پُر اسرار دعوت پہ چاند نگر میں آئی اور کسی نامعلوم دشمن کو اپنی حکمتِ عملی سے ختم کر دینا چاہتی ہے۔

جعفر کا دماغ لٹو کی طرح گھوم رہا تھا۔ ذہن میں سوالات کے بھنور پڑنے اور دل میں وسوسے رینگنے لگے۔ اس نے خط بدستور تکیہ کے نیچے چھپا دیا۔ قلب و ذہن میں ایک طوفان بپا تھا۔ اچانک وہ یوں اُچھلا جیسے کسی زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو ——— کہیں چالاک اور ہوشیار دشمن کا اشارہ خود جعفر ہی کی طرف تو نہیں؟ اس نے ایک مرتبہ پہلے بھی انگریز سے مل کر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہ الفاظ

ناراض ہو گئیں میرا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ لوگوں کے نزدیک آپ شہزادہ عالی کی دعوت پر تشریف لائی ہیں "۔

" اگر میں انکار کر دوں ؟"

" تو میں آپ کے بیان پر یقین کر لوں گا "۔

اب فوزیہ سلطانہ نے اپنا لہجہ تبدیل کیا اور دریچے کے قریب پہنچ کر بولی ۔ " کیا چاند نگر کی ملکہ بن جانا کوئی بہت بڑا اعزاز ہے ؟"

" کیوں نہیں ——— اس ملک میں چاند نگر آزادی کا نشان ہے ۔ اس کی ملکہ عوام کی محبوب ہستی ہوگی ۔ اگرچہ شہزادہ قاسم کو اپنی دُلہن منتخب کرنے کا اختیار ہے لیکن میری مرضی کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتے ۔ مدارالمہام کی حیثیت سے مجھ پر فرض عاید ہوتا ہے کہ میں ریاست کی بہبود کو مدِنظر رکھوں اور ایسی لڑکی کو ملکہ بناؤں جو رعایا کے حقوق و مفاد کی نگہداشت اور ہماری آزادی کی حفاظت کر سکے "۔

معلوم ہوتا تھا جعفر کے اندر کسی محبّ وطن کی رُوح بول رہی ہے شہزادی تیزی سے پلٹی اور حیرت پاش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی ۔ جعفر کہہ رہا تھا ۔

" لوگ میرے متعلق کچھ ہی نظریہ کیوں نہ رکھیں لیکن میرے دِل میں حب الوطنی کی آگ روشن ہے اور میں اپنے وطن کی آزادی کے لیے قربان ہو جانا باعثِ عزّت سمجھتا ہوں "۔

فوزیہ سلطانہ ساکت و صامت کھڑی اسے گھورتی رہی جیسے اس نے کوئی عجیب بات کہہ دی ہو، جیسے وہ کسی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہو' چند لمحے کمرے میں پُراسرار خاموشی دھڑکتی رہی ۔ دونوں ایک دوسرے کے متعلق سوچ رہے تھے آخر جعفر نے ہی مہرِ سکوت توڑی ۔

" کیا بات ہے آپ خاموش کیوں ہو گئیں ؟"

" میں پریشان ہوں ——— بے حد پریشان "۔

یہ کہہ کر فوزیہ بھی دریچہ کی طرف گھوم گئی ۔ واقعی اس کے انداز سے پریشانی مترشح تھی ۔ جعفر بڑی آہستگی سے اُٹھا پھر ہولے ہولے چلتا اس کے عقب میں جا کر کھڑا ہو گیا ۔ " کیا میں پریشانی کی وجہ معلوم کر سکتا ہوں ؟"

شہزادی بے چینی کی حالت میں پلٹی ' بے دھیانی میں جعفر سے ٹکرا گئی ۔ اس کا حسین

جعفر سمجھ گیا۔ یہ حسین ناگن اسے اپنے اعتماد کا شکار کرنا چاہتی ہے ——— بہت اچھا ——— آج یہی تماشا سہی۔ آخر وہ بھی تو معلوم کرنا چاہتا تھا، شہزادی کی ناگہاں آمد کا مقصد کیا ہے۔ وہ پھر بیٹھ گیا اور اچانک پوچھنے لگا۔ "کیا آپ شہزادہ قاسم کو پہلے سے جانتی ہیں؟"

اس اچانک سوال سے فوزیہ بے طرح بوکھلا سی گئی۔ "نہیں ——— نہیں تو ——— مگر آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟"

"لوگ کہتے ہیں۔" جعفر نے دوسرا تیر چھوڑا۔

"کیا کہتے ہیں لوگ؟"

"یہی ——— کہ چاند نگر میں آپ کی آمد خالی از مقصد نہیں۔"

"کیا سیر و تفریح کوئی مقصد نہیں؟"

"کیوں نہیں۔ تفریح زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔" جعفر نے ذو معنی بات کی پھر کہنے لگا۔ "لیکن اس وقت جب ولی عہد کے جشنِ جلوس میں صرف ایک ماہ باقی رہ گیا ہے اور وہ اس موقع پر چاند نگر کی نئی ملکہ کا انتخاب بھی کرنے والے ہیں۔ ریاست گلیار کی شہزادی کی اچانک آمد یقیناً کسی بڑے مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"

کہاں تو شہزادی پریشان تھی۔ کہاں یہ الفاظ سنکر ایک دم آگ بگولا ہو گئی اور زخمی شیرنی کی طرح بپھر کر آگے بڑھی۔ "آپ کو ان الفاظ کی وضاحت کرنا ہوگی۔ آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

جعفر اس کی بگڑی حالت دیکھ کر نہ صرف بھونچکا رہ گیا بلکہ گھبرا بھی گیا۔ کچھ بھی ہو آخر وہ ایک ریاست کی شہزادی اور شاہی اختیارات کی مالک تھی۔ اس وقت جوش اور غصہ سے اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہوئی تو معافی چاہتا ہوں میرا مقصد آپ کی توہین ہرگز نہ تھا۔"

"پھر کیا مقصد تھا آپ کا؟" شہزادی ابھی تک برافروختہ تھی۔

جعفر حیران تھا وہ کیا جواب دے۔ اچانک خیال آیا وہ خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہے۔ حالانکہ شہزادی خود ایک خطرناک مقصد لے کر آئی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ "آپ یونہی

کے پُر اسرار سامان پیدا کروں تو کیا آپ میری باتوں پر یقین کر لیں گے ؟"

جعفر شدتِ حیرت سے یوں اُچھل گیا جیسے اس پر اس بھیانک سازش کا انکشاف پہلی مرتبہ ہوا ہو۔ اس نے مصنوعی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔

" ولی عہد کی ذات پر اتنا بڑا الزام شاید کسی کو زیب نہ دے سکے "۔

اس کے جواب میں فوزیہ سلطانہ نے تکیہ کے نیچے سے وہی خط نکالا اور جعفر کی طرف بڑھا کر بولی ۔ " لیجیے ———— ! یہ خط پڑھ کر میری آمد کا مقصد سمجھ جائیے ۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا ؟"

جعفر نے خط پڑھتے وقت بھی کمال عیاری کا مظاہرہ کیا پھر متعجب ہو کر کہنے لگا ۔ "بے شک یہ خط حیرت انگیز ہے مگر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ میرے ہی متعلق لکھا گیا ہے "؟

سوال بڑا معقول تھا ۔ اب ضروری تھا شہزادی تمام واقعہ بلا کم و کاست سنا دے ۔ اس نے بتایا ۔ چند ماہ قبل ریاست چاند نگر کا ایک خفیہ سفیر گلیار پہنچا ۔ اس نے اعلیٰ حضرت والیے گلیار کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ اپنی بیٹی کی شادی شہزادہ قاسم سے کر دیں ۔ اعلیٰ حضرت نہ صرف چاند نگر کے حالات سے آگاہ تھے بلکہ کسی ذریعے اُنھیں یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ کمپنی سرکار چاند نگر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ' اُنھوں نے حامی نہ بھری تھوڑی دیر کے بعد ولی عہد قاسم کا پیغام پہنچا کہ ریاست کی آزادی کو صرف مدار المہام کی ذات سے خطرہ ہے جو انگریزوں سے مل کر چاند نگر کی آزادی فروخت کر دینا چاہتے ہیں مگر حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ وہ مدار المہام کو اس منصب سے الگ بھی کر دینا چاہتا ہے مگر انگریز کی کھلم کھلا بغاوت سے بھی ڈرتا ہے ۔

اعلیٰ حضرت کمپنی سرکار کے دوست ہیں اس لیے اُنھوں نے چاند نگر کے معاملات میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی اختیار کر لی ۔ پھر ولی عہد قاسم نے براہِ راست شہزادی سے درخواست کی وہ ایک آزاد و خود مختار ریاست کے معاملات سلجھانے میں مدد کرے ۔ ایک محکوم ریاست کی شہزادی ہونے کے باوجود اسے آزادی سے پیار ہے مگر چاند نگر کے مدار المہام کا جو کردار اس کے سامنے پیش کیا گیا وہ بڑا بھیانک تھا پھر ولی عہد نے اسے اپنے جشن جلوس پر چاند نگر آنے اور کسی حکمتِ عملی

ریشمیں بدن جعفر کے جسم سے چھُو گیا مگر فوزیہ نے پرے ہٹنے یا بچنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بدستور اسی طرح کھڑی جعفر کو دیکھنے لگی۔ آخر آہستہ سے بولی "میری پریشانی کی وجہ آپ ہیں ——— !"

"میں ——— ؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں آپ۔"

شہزادی نے اپنا نرم و نازک ہاتھ جعفر کے کندھے پر رکھ لیا۔

"آپ کی باتوں نے مجھے پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔"

ایک حسین بدن کی قربت اور حرارت نے جعفر کے لہو میں شعلوں کی سی حدت پیدا کر دی ذہن میں آندھیاں سی اُٹھنے لگیں۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا شہزادی صاحبہ !"

فوزیہ نے بڑی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہولے ہولے چلتی پھر مخملیں گدیلے پر آ بیٹھی۔ اس کی حسین قربت جعفر کو پاگل کیے دے رہی تھی۔ ایک لمحہ خاموش رہ کر کہنے لگی۔

"آپ کی باتوں اور جذبہ حب الوطنی نے مجھے مجبور کر دیا ہے میں آپ پر ایک اہم راز منکشف کروں۔"

"اہم راز ——— ؟"

جعفر نے چشمِ حیرت سے اُسے دیکھا۔ شہزادی فوزیہ سلطانہ خود سرتاپا ایک راز تھی ——— رازِ سربستہ۔

"آپ نے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا۔ چاند نگر میں میری آمد خالی از مقصد نہیں۔"

"شاہی افراد کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"تو پھر سُنیئے ——— !" فوزیہ سلطانہ نے حیرت انگیز جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "واقعی میں ایک مقصد لے کر آئی تھی لیکن آپ سے ملنے کے بعد میرے تمام ارادے متزلزل ہو گئے۔ اگر میں یہ راز ظاہر کر دوں شہزادہ قاسم نے مجھے اس لیے بلایا تھا کہ میں آپ کو کرنل کلوٹ اور کمپنی سرکار کی نظروں سے گرا دوں اور خود ریذیڈنٹ یہ مطالبہ کرے کہ حکومتِ چاند نگر اپنے مدارالمہام کو تبدیل کر دے یا میں آپ کی ہلاکت

جعفر بارود کی طرح پھٹتے پھٹتے رہ گیا - ابھی ابھی اس نے شہزادی گلیانہ کی زبانی جو تحیّر زا واقعات سنے اُن کا تقاضا تھا وہ ولی عہد کے خلاف اپنی پرانی نفرت کا اظہار کرے اس کی تازہ بتازہ وفاداری ایک مرتبہ پھر شورش و بغاوت کے غلبہ کا روپ دھار لے مگر خلافِ توقع اس نے تشویش و اضطراب کا اظہار نہیں کیا - شاید واقعات کی حیرت آفرینی پردم بخود تھا - شہزادی کی اچانک آمد اور سازش کا انکشاف ایک عجیب و غریب افسانہ معلوم ہوتا تھا -

عجیب و غریب خیالات کے دھارے طوفانی بگولوں کی طرح جعفر کے ذہن کے بیاباں سے گزر رہے تھے، چوٹ کھائے جذبات پہاڑی سانپوں کی مانند پھنکار رہے تھے اسے کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا - بھیانک اندھیرے میں موت کی آندھیوں کا شور سُن رہا تھا - عجیب اتفاق تھا - جب وہ غداری و سرکشی کا پتلا اور کمپنی سرکار کا پٹھو سمجھا جاتا تھا امورِ سلطنت اس کی مرضی سے طے پاتے اور نواب مرحوم اس کے خلاف کسی تادیب و سزا کا حوصلہ نہ رکھتے تھے - اس نے کھلم کھلا بغاوت کی پھر بھی اسے پھانسی پر لٹکانے کی بجائے دوبارہ مدارالمہام کی کرسی پر بٹھا دیا گیا لیکن آج جب اس کی رُوحِ سرکشی فنا ہو چکی اور وفاداریوں کے ظہور کی ساعت آئی تو اس کے خلاف سازش کے خلکے اور قتل کے سامان مرتب کیے جاتے ہیں -

سوچ کا یہ انداز اسے پاگل کیے دے رہا تھا - اچانک شہزادی فوزیہ کہنے لگی -

" میں جانتی ہوں حالات نے یک لخت ایسی کروٹ لی ہے جس نے آپ کو پریشان کر دیا ہے لیکن میں بھی کیسی پاگل ہوں حقیقت معلوم کیے بغیر چاند نگر بھاگی آئی - سب سے پہلے مجھے ولی عہد کے بیان کی تحقیق کرنی چاہیئے تھی - یہ بھی شکر ہے ولی عہد کی بجائے پہلی ملاقات آپ سے ہوئی اور آپ کے خیالات کا پتہ چل گیا ورنہ ——— اُف میرے خدا ! میں ایک اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا رہی تھی ——— میرا ضمیر زندگی بھر مجھے ملامت کرتا اور جب اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوتا کہ میں ایک سازش کا آلۂ کار بن گئی ہوں، ان کا قہر و غضب بھڑک اٹھتا - میں اعلیٰ حضرت سے بہت ڈرتی ہوں دیکھیئے نا اس تصوّر ہی سے میرا جسم کیسے کانپ رہا ہے ———"

یہ کہہ کر شہزادی نے جعفر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے عریاں شانے پر رکھ لیا اور اس

سے مدار المہام کو اس کے موجودہ منصب سے برطرف کر دینے کی دعوت دی ۔ ریاست گلیار کے ساتھ انگریز کے تعلقات دیرینہ تھے اس لیے ولی عہد کا خیال تھا گلیار کی شہزادی کے ذریعے بآسانی مدار المہام کو راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے نیز شہزادہ قاسم یہ بھی چاہتا تھا شہزادی اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر چاند نگر کی حکومت اور کمپنی سرکار کے درمیان ایک باعزت معاہدہ کرائے جس کی رُو سے انگریزی فوجیں چاند نگر پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ شہزادی سیر و تفریح کے بہانے دراصل چاند نگر کے حالات کا مطالعہ کرنے آئی ہے لیکن یہاں پہنچ کر جب اس نے مدار المہام سے ملاقات کی اور حب الوطنی کے متعلق اس کے جذبات کا اندازہ لگایا تو اس نتیجے پر پہنچی کہ یا تو شہزادہ کو مدار المہام کے بارے میں غلط فہمی ہوئی، یا کوئی پرانی دشمنی ہے ۔ بہر حال اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر کے ان تمام حالات کو منکشف کرنا ضروری سمجھا کیونکہ وہ کسی بے گناہ اور محبّ وطن کے خلاف سازش میں شریک ہو کر گنہگار ہونا نہیں چاہتی ۔

شہزادی کی گفتگو سنکر جعفر ورطۂ حیرت میں ڈوبتا چلا گیا اگرچہ خط کا راز پہلے ہی منکشف ہو چکا تھا اور اس نے ولی عہد کی مہر خاص کے متعلق یہ اطمینان کر لیا تھا وہ جعلی نہیں ہو سکتی مگر اس کا خیال تھا شہزادی نہ تو اس خط کا ذکر کرے گی، نہ ولی عہد سے اپنے تعلق کا اقرار مناسب سمجھے گی ۔ بہر طور وہ ایک ایسی سازش میں ملوّث تھی جو چاند نگر کے مدار المہام سے اس کا مرتبہ اور زندگی چھین لینے کے لیے تیار کی گئی تھی ۔ فوزیہ سلطانہ نے نہ صرف ولی عہد قاسم سے اپنا خفیہ تعلق ظاہر کر دیا بلکہ سازش کا راز منکشف کرنے کے علاوہ اس کا تحریری ثبوت بھی فراہم کر دیا تھا ۔

جعفر کے قلب و ذہن پر ایک بھونچال سا طاری تھا وہ بلا کا عیار اور ہوشیار آدمی جو ایک معمولی حیثیت سے ترقی کر کے پہلے نواب فرخ مرحوم کے درباری مصاحبوں میں شامل ہوا پھر کمپنی سرکار کی وساطت سے چاند نگر کا وزیر سلطنت بن بیٹھا ۔ انگریز کی مردم شناس نظروں میں ایک ایسا انسان تھا جو اپنے مفاد کی خاطر محسن کی گردن پر تلوار بھی رکھ سکتا تھا ۔ برصغیر کی آزاد و خود مختار ریاستوں پر سیاست کی کمندیں پھینکنے اور انہیں اسیرِ دام کرنے کے لیے کمپنی سرکار کو ایسے ہی خود غرض، مفاد پرست اور ضمیر فروش انسانوں کی ضرورت تھی ۔

جعفر نے اپنے اس "حملہ" کا ردِ عمل معلوم کرنے کے لیے نگاہیں شہزادی کے چہرے پر جما دیں جس نے فرطِ حیا سے گردن جھکا لی تھی۔ اس کا مطلب ہے جعفر کا اندازہ غلط نہ تھا فوزیہ سلطانہ واقعی شہزادہ قاسم سے متاثر نظر آتی تھی لیکن یہ امر تعجب خیز تھا اگر شہزادی ولی عہد سے لگاؤ رکھتی ہے تو اس نے وہ راز کیوں منکشف کر دیا جس کا اخفا اسے ولی عہد سے قریب کر سکتا تھا؟

کیا واقعی عورت مردوں کے فہم و ادراک سے بالا ہے؟

فوزیہ سلطانہ نے معجوبانہ انداز میں بتایا۔ کسی کنیز نے چاندنگر کے ولی عہد کے مردانہ حسن و جمال کا ذکر کچھ اس پیرایہ میں کیا تھا کہ اس کے دل میں نادیدہ محبت کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ شاید یہی وجہ تھی جب اسے ولی عہد کی پُراسرار تجویز موصول ہوئی وہ حالات کی رفتار پر غور کیئے بغیر چاندنگر بھاگی آئی لیکن یہ خوبی تقدیر ہی تھی کہ ولی عہد کی بجائے وہ سب سے پہلے مدارالمہام سے ملی اور اس نے اپنے خطرناک ارادہ کو تبدیل کر دیا جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد وہ ساری عمر پشیمان رہتی۔

جعفر یک لخت کھڑا ہو گیا اس کی چھوٹی چھوٹی چیل نما آنکھیں کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھیں معلوم ہوتا تھا گلیار کی حسین شہزادی کا ہر فقرہ اس کے کلیجے میں زہر آلود خنجر کی طرح پیوست ہو چکا ہے۔ وہ کینہ توز لہجے میں بولا۔

"ولی عہد سمجھتا ہے شاید احمق وزیر جنگ ولی اللہ اس کی حفاظت کر سکے گا، جو اکثر شمالی علاقوں میں بھٹکتا رہتا ہے لیکن ان اجاڑ قلعوں میں کیا رکھا ہے۔ ہاں وہ قلعے جو رُبع صدی سے چمگادڑوں اور گیدڑوں کے مسکن بن چکے، شہزادہ قاسم اور میر ولی اللہ کی قیدِ تنہائی کے کام ضرور آسکیں گے۔"

شہزادی فوزیہ نے حیرت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن جعفر اب وہ جعفر تو ہرگز نہ تھا جو وزیر سلطنت کی حیثیت میں اس سے ملاقات کرنے آیا تھا۔ اس وقت وہ ایک انتہائی جابر، سرکش اور باغی سردار نظر آرہا تھا جس کی رگ رگ میں پرانی سرکشی پھر بیدار ہو چکی تھی۔

"میں نے ملکہ بیگم کی درخواست پر ولی عہد کی زندگی اور چاندنگر کی آزادی کے تحفظ کا عہد کیا اور انگریز سرکار کی دشمنی مول لی لیکن میری موت کا سامان فراہم کرنے والا شہزادہ خود موت کے چنگل سے نہ بچ سکے گا۔"

نے محسوس کیا افشائے راز کے بعد حسین شہزادی کا دِل ہی نہیں دھڑکا سُرخ و سفید بدن پر بھی اضطراب کی لرزش طاری ہے ۔

جعفر سوچنے لگا عورت کو سمجھنا کس قدر مشکل ہے ــــــــ شاید انسان زندگی کے مشکل ترین راز تو فاش کر سکے لیکن عورت وہ عقدہ لاینحل ہے جسے کبھی حل نہ کر پائے گا۔ عورت فلسفیوں کی فکر سے بالا اور بادشاہوں کی دسترس سے دُور رہے ۔ گلیار کی یہی شہزادی جو چند لمحے بیشتر محض اس بات سے مشتعل ہو گئی تھی کہ چاند نگر میں اس کی آمد خالی از مقصد نہیں، اب آپ سے آپ ایک رازِ سربستہ کا انکشاف کر رہی تھی مختصر سی ملاقات میں جعفر نے اس کی زندگی کے دو رُخ دیکھے تھے ــــــــ کیا فوزیہ سلطانہ کا کوئی تیسرا رُخ بھی ہے ؛

شہزادی جعفر کی خاموشی سے اُکتا گئی تھی ۔ اس نے پُوچھا ۔" کیا سوچ رہے ہیں آپ ؛"

" سوچ رہا تھا جو شخص چاند کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو وہ صِرف اپنے وجود کا سایہ دیکھ سکتا ہے ۔ چاند کا چہرہ اس کی نگاہ سے اوجھل رہتا ہے ۔"

" کیا مطلب ؟"

شہزادی کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے ۔ فانوس کی روشنی میں آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں مگر کسی غزالۂ صحرائی کی طرح ان آنکھوں میں خوف کی لہر بھی تھی ۔ جعفر نے جواب دیا ۔

" میرا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بعض لوگ حقیقت کی بجائے پرچھائیوں کے پیچھے بھاگتے ہیں ۔ جوانی سُنتی ہے مگر سوچتی نہیں اور جوش میں آدمی بعض ایسے کام کر گزرتا ہے جن پر زندگی بھر پچھتانا ہے "۔

فوزیہ خاموشی سے سُنتی رہی ۔ اب جعفر کے پیکر میں وہ رُوح دوبارہ کروٹ لے رہی تھی جو سالہا سال تک چاند نگر کے تخت و تاج کے لیے خطرہ بنی رہی ۔ وہ کہہ رہا تھا ۔

" ہمارے ولی عہد حسین اور شکیل ہیں ان کی محبّت نے ریاست کی کئی امیر زادیوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے وہ ان کی خاطر موت کے طوفانوں میں بھی کُودنے پر تیار ہیں آپ تو پھر ایک شہزادی ہیں ۔ ممکن ہے ولی عہد کی کشش نے آپ کو بھی مسحور کر دیا ہو ۔"

رفتار نے اگرچہ فوزیہ سلطانہ کی طبیعت کو مضمحل کر دیا تھا وہ ناخوشگوار بحث سے ایک تھکن سی محسوس کر رہی تھی لیکن اچانک اس نے اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کی پھر جعفر کو ساتھ لے کر کمرۂ طعام میں آئی جہاں میز پر انواع و اقسام کے کھانے چنے تھے۔ یہاں شہزادی کا سیکرٹری حشمت سراج بھی ریاست گلیار کی شاہی وردی میں موجود تھا۔ کنیزیں اور غلام باادب کھڑے تھے۔ شہزادی کی نگران بھی آئی اور کھانے میں شریک ہو گئی۔

کھانے کی میز پر بہت کم باتیں ہو سکیں البتہ فوزیہ سلطانہ نے اپنے سیکرٹری حشمت سراج کو بتایا چاند نگر کے مدار المہام سے گفتگو کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ نہ ولی عہد کے جشنِ جلوس میں شریک ہو، نہ کوئی شاہی دعوت قبول کرے البتہ وزیرِ سلطنت کی دعوت اسے پسند ہے مگر جعفر نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا شہزادی کو شاہی دعوت قبول کرنی چاہیے اور جشنِ جلوس میں بھی شرکت ضروری ہے۔ ورنہ ولی عہد کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا۔ جعفر نے بتایا اگر شہزادی اس پر اعتماد کرے تو وہ ایسی تجاویز پیش کر سکتا ہے جن سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

فوزیہ سلطانہ نے اسی وقت اپنے سیکرٹری حشمت سراج کو ہدایت کی وہ وزیرِ سلطنت سے رابطہ قائم رکھے اور اس کی تجویز سے شہزادی کو مطلع کرتا رہے پھر جعفر آئندہ ملاقات کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا لیکن جب حویلی سے نکلا تو کئی جذبے اس کے دل میں سانپوں کی طرح انگڑائیاں لے رہے تھے۔

اُسی رات ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ تیسرے پہر جب حویلی کے پہریدار بھی اونگھ گئے تھے حشمت سراج نے دوسری منزل پر کچھ کھٹکا سنا جب وہ تحقیقِ حال کے لیے اوپر پہنچا تو ایک سایہ بڑی تیزی کے ساتھ بالکونی کی طرف لپکا اور حویلی کی دوسری منزل سے نیچے کود گیا۔ اگرچہ حشمت سراج نے پہرے داروں کو اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا مگر وہ تو کوئی چھلاوہ تھا ایسا غائب ہوا کہ پہرے دار تھک ہار کر لوٹ آئے۔ اس اثنا میں شہزادی اور اس کی نگران بھی بیدار ہو چکی تھیں۔ دوسری منزل پر سامان کا جائزہ لیا گیا۔ تمام زیورات اور پارچات جوں کے توں محفوظ تھے البتہ شہزادی کے کمرۂ خاص میں بہت سے بکس کھلے پڑے تھے اور بے شمار کاغذات اِدھر اُدھر بکھرے تھے معلوم

فوزیہ سلطانہ کا ہر تیر نشانے پر بیٹھا اور خلافِ توقع اس نے پہلی ہی ملاقات میں وہ کامیابی حاصل کر لی تھی جس کی خاطر دُور دراز کا سفر طے کر کے آئی۔ پھر بھی جعفر کی بے باکی و گستاخی پر دم بخود تھی۔ وہ ایک ایسی لڑکی کے سامنے اپنے خطرناک ارادے کا اظہار کر رہا تھا۔ جس کے آئندہ پروگرام کی اسے کوئی خبر نہ تھی۔ اچانک اس نے ایک فرمائش کر کے شہزادی کو مزید پریشان کر دیا۔ "ولی عہد کا خط مجھے بخش دیں میں اس کی قیمت ادا کر سکتا ہوں۔"

"قیمت .... ؟" شہزادی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"جی ہاں۔ کاغذ کا یہ چیتھڑا جو آپ کے لیے بیکار ہے ایک لاکھ روپے میں فروخت کر دینا کوئی بُرا سودا نہیں۔"

ایک لاکھ روپے کی رقم سُن کر فوزیہ سلطانہ کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو گئی اس کی شاہی حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جعفر نے معقول قیمت لگائی تھی پھر بھی شہزادی کے اضطراب سے ظاہر ہو رہا تھا وہ اسے مایوس نہیں کرنا چاہتی لیکن ولی عہد کی تحریر کا سودا کرتے ہچکچا بھی رہی ہے۔ جعفر نے تسلی دی ——

"میں یقین دلاتا ہوں اِس خط کا کہیں ذِکر نہ ہو گا۔ اگر کبھی ہوا بھی تو آپ کا نام درمیان میں ہرگز نہ آئے گا ——"

آواز کی لرزش شہزادی فوزیہ سلطانہ کی قلبی پریشانی کا پتہ دینے لگی۔

"میں جس بات سے ڈرتی تھی وہی پیش آ رہی ہے۔ حقیقت کا اظہار اُس کے اخفا سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ کاش میں نے آپ سے اس واقعہ کا ذکر نہ کیا ہوتا اور چُپ چاپ گلیار لوٹ جاتی۔ آپ کو حقیقت سے آگاہ کر کے میں نے دوسری غلطی کی اور آپ کے دِل میں نفرت کا بیج بو دیا۔"

پھر ایک دم وہ دیوار کی طرف گھوم گئی اور فیصلہ کُن لہجے میں بولی۔

"بھول جائیے —— ولی عہد کے خط کو بھول جائیے! میں نہیں چاہتی چاندنگر داخلی جھگڑوں میں اُلجھ جائے بس اب میں اس موضوع پر گفتگو نہیں کروں گی۔"

جعفر نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ شہزادی گلیار کا حیرت انگیز کردار یقیناً ایک معمّا تھا۔ ناقابلِ فہم —— ناقابلِ حل —— اسی لمحے شہزادی کی کنیزِ خاص گلنار کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے بتایا۔ "خاصا تیار ہے"۔ واقعات کی عجیب و غریب

(۶)

شہزادہ قاسم کی بیسویں سالگرہ اور جشنِ جلوس کی تاریخ قریب آ رہی تھی۔

ان ایام میں ولی عہد کے فرصت کے لمحات "دشت و چمن" میں گزرتے تھے۔ جہاں وہ حیدر جنگ کے ساتھ شہسواری اور سپہ گری کی مشق کرتا تھا۔ سپہ گری کے مقابلوں میں اسے ریاست کے سورما بہادروں پر اپنی شجاعانہ برتری کا ثبوت دینا تھا۔

چاندنگر یوں تو ایک قابلِ دید مقام تھا جو شمالی پہاڑیوں کی ترائی میں واقع اور مغلائی تعمیرات، دل کشا باغات، بلند و بالا قلعہ اور دل نواز مناظر کے لیے مشہور تھا لیکن وہ جنگل نما باغ جو "دشت و چمن" کہلاتا اور شہر کے شمال مشرق میں پانچ چھ میل کے رقبہ میں پھیلا تھا گویا شہر میں جنگل کا نظارہ پیش کرتا تھا۔

کہتے ہیں کسی زمانہ میں نیلم ندی قلعہ کی فصیل کے نیچے بہتی تھی اور یہ وسیع و عریض گھنا جنگل اس کے شمال مشرقی کنارے پر آباد تھا مگر دو صدیاں ہوئیں جب ندی نے اپنی گذرگاہ تبدیل کر لی اور کئی میل پرے نشیبی میدان میں بہنے لگی۔

نیلم ندی کی گذرگاہ تبدیل ہوتے ہی چونکہ گھنا جنگل شہر سے ملحق ہو گیا تھا اس لیے

ہوتا تھا پراسرار چور کسی کاغذ کو تلاش کرتا رہا تھا۔

شہزادی نے حشمت سراج اور پہرے داروں کو آرام کرنے کا حکم دیا اور جب اپنے کمرے میں تنہا رہ گئی تو اس نے ایرانی قالین کا گوشہ اُٹھا کر فرش سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نکالا اور شمع کی روشنی میں لے آئی یہ وہی خط تھا جس پر ولی عہد کی مہرِ خاص ثبت تھی۔ دوسرے لمحے وہ کاغذ شمع کی لَو پر جل رہا تھا اور تیز روشنی کے جھپاکے میں شہزادی گلبار کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم رقص کر رہا تھا۔

دوسرے روز شہزادی کی قیام گاہ پر انگریز ریذیڈنسی کے چار ولایتی سپاہی توڑےدار بندوقیں اُٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔

اس لیے میر شکار کو ہمہ وقت دیکھ بھال کا فرض ادا کرنا پڑتا تھا۔

دربار چاند نگر کے میر منشی احمد شجاع کا بیٹا بختیار مرزا جس نے شہزادہ قاسم کے ہمراہ اپنے باپ سے "گلستان و بوستان" کی تعلیم پائی۔ اس کا بے تکلف دوست ہی نہیں محرمِ راز بھی تھا۔ دونوں نے لڑکپن ایک ساتھ گذارا اور ایک ساتھ فنونِ حرب وضرب سیکھے تھے۔ ولی عہد نے اگر شہسواری اور سپہ گری میں غیر معمولی شہرت پائی تو بختیار مرزا خنجر پھینکنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اندھیرے میں معمولی آواز یا آہٹ پر بھی نشانہ لگا سکتا تھا مگر زندگی اس کے نزدیک خوش مزاجی اور زندہ دلی کا نام تھا اس کا اکثر وقت مطالعہ میں گزرتا تھا۔ ولی عہد بھی اس کی باغ و بہار شخصیت سے اس قدر مانوس ہو چکا تھا کہ ایک پل کے لیے جُدا نہ کرتا۔

اس وقت بھی جب شہزادہ قاسم "دشت" میں گھوڑا دوڑاتا ایک شکار کے بے مقصد تعاقب کر رہا تھا۔ بختیار مرزا جھیل کنارے صنوبر کے ایک بلند درخت کے سہارے عجیب مضحکہ خیز انداز میں لیٹا "بوستان سعدی" کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ معلوم ہوتا تھا اس مضحکہ خیز انداز میں لیٹنا اس کا دل پسند مشغلہ ہی نہیں بلکہ وہ اس عمل میں جسمانی راحت بھی محسوس کرتا تھا کیونکہ جس سُرعت سے اس کی زبان چل رہی تھی اسی رفتار سے درخت پر اس کی ٹانگیں حرکت کر رہی تھیں۔

بختیار مرزا درخت کے ساتھ اُلٹا لیٹا "بوستان" کی حکایت میں اس قدر محو تھا کہ اس گلہری کی نغمہ سرائی سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکا جو شاخ بہ شاخ بھاگتی دوڑتی زمین پر اُترتی اور اس کے عقب میں آگر پہلے تو پچھلے پنجوں پر کھڑی اسے حیرت و تعجب سے دیکھتی رہی پھر شاید "جواب آں غزل" کے طور پر ــــــ "چخ چخ چرخ چخ چرر رر .... کی دُھن میں گانے لگی لیکن بختیار مرزا تو دنیا و مافیہا سے بے خبر "بوستان" کے اشعار گنگنا رہا تھا۔

اچانک جنگل میں فائر کی آواز گونجی اور وہ کتاب بدست زمین پر گر کر گوسفند کی طرح تڑپنے اور لڑھکنیاں کھانے لگا پھر اس کے حلق سے عجیب وغریب آوازیں نکلنے لگیں۔

اس خوبصورت وسیع وعریض جنگل کو تین حصّوں میں منقسم کر کے شاہی سیرگاہ میں تبدیل کر دیا گیا پہلے حصّہ میں جو شہر سے قریب تھا ایک خوشنما باغ لگوایا گیا اور پھل دار پودوں اور درختوں کے قطعے آراستہ کیے گئے ۔ دُوسرے حصّے میں دریا کا بہاؤ تبدیل ہو جانے سے ایک قدرتی جھیل بن گئی تھی جس کے پانی سے باغ کو سیراب کیا جانے لگا مگر اس اندیشہ کے مدِ نظر کہ آبپاشی سے جھیل خشک ہو جائے گی اسے ایک گہرے اور چوڑے ناکے کے ذریعے نیلم ندی سے مِلا دیا گیا ۔ تیسرا حصّہ جس کے شمال مشرق میں دریا بہتا تھا بدستور جنگل ہی رہنے دیا گیا جس میں گیدڑ، لومڑیاں اور خرگوش بسیرا لیتے تھے ۔ کبھی کبھار کوئی پہاڑی ریچھ یا سؤر بھی ندی میں بہتا جنگل میں آنکلتا تھا ۔

ہر دَور میں " دشت وچمن " کی آرائش ہوتی رہی ۔ نہ صرف جھیل کے کناروں پر مرغابیوں، راج ہنسوں اور دوسرے آبی پرندوں کی افزائش و پرورش کا انتظام بھی کر دیا گیا بلکہ دشتِ شاہی میں پالتو ہرن، چکارے، نیل گائے اور پارہسے بھی مہیا کیے گئے جن کی حفاظت ونگہداشت کے لیے میر شکار کا عملہ رکھا گیا ۔

" چمن " میں ناشپاتی، سیب، انار، آڑو، امرود، شہتوت، جامن اور آم کے پودے اور درخت حلقہ در حلقہ آراستہ تھے ۔ قلعہ کی فصیل کے ساتھ ساتھ انگور کی بیلیں پانچ چھ فرلانگ کے طول میں پھیلتی چلی گئی تھیں جن کے انگور اپنی شیرینی کے اعتبار سے سارے علاقے میں خاص شہرت رکھتے اور سوغات کے طور پر ہمسایہ ریاستوں میں بھی بھیجے جاتے تھے ۔

قدرتی جھیل " دشت " اور " چمن " کے درمیان حائل تھی ۔ جس کے کنارے پتھروں، چٹانوں اور درختوں پر آبی پرندے سارا سارا دن اُونگھتے، چہچہاتے اور ننھی منّی مچھلیوں کی تلاش میں سطحِ آب پر اُٹھانیں بھرتے تھے ۔ اس جھیل کے قریب ایک خوشنما حویلی کے ساتھ باغبانوں، پرندوں کے نگہبانوں، میر شکار کے ماتحتوں اور دیگر ملازموں کے لیے مختلف حجرے اور مکان بھی تعمیر کر دیئے گئے تھے ۔ کبھی کبھار جب ولی عہد سیر و تفریح کے لیے " دشت " میں آنکلتا اور کسی ہرن، چکارے یا پارہسے کے پیچھے گھوڑا ڈال کر اپنی شہسواری کا مظاہرہ کرتا تو بعد میں اپنی تھکن اُتارنے کی خاطر حویلی میں ضرور آیا کرتا تھا ۔ بعض اوقات شاہی مہمان کو بھی دشت وچمن کی سیر و تفریح کی دعوت دی جاتی

اس پر تعجب نہ کرو ...."

"شہزادہ قاسم بے اختیار ہنس دیا۔

"مرزا ——! اگر تمہیں زمین میں دفن کر دیا جائے تو تمہاری قبر سے تھوہر کے سوا اور کیا اُگ سکتا ہے؟"

"نہیں صاحبِ عالم ——! میری قبر سے عشق پیچاں کی بیل پھوٹے گی۔ نرگس کے پھول کھلیں گے جو اس امر کے شاہد ہوں گے مَیں لحد میں بھی حسینوں کا انتظار کر رہا ہوں۔"

دونوں چلتے ہوئے پیلو کی جھاڑیوں کے پاس آ گئے۔ ایک خادم نے جو ولی عہد کے پیچھے ہی پیچھے لپکتا آیا تھا آگے بڑھ کر خرگوش کو اُٹھا لیا اور بختیار مرزا کہنے لگا۔

"بندوق تو آپ نے اس طرح داغی تھی جیسے کسی شیر یا ہاتھی کا شکار کر رہے ہوں لیکن ہاتھ لگا شیر کی بجائے سوا سیر کا یہ خرگوش"۔

"دشت میں شیر ہاتھی کہاں۔ ورنہ تم خرگوش کی بجائے شیر کو تڑپتے دیکھتے۔"

ابھی شہزادہ نے فقرہ بھی پورا نہ کیا تھا کہ میر شکار نے حاضر ہو کر کورنش کی رسم ادا کی اور عرض گذار ہوا۔

"شہزادہ عالی ——! محل سرا کے بھیل پہرے داروں کا سردار منصور کاکا اسی وقت حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔"

غالباً ولی عہد کی زندگی میں یہ پہلا دن تھا جب شکار گاہ میں اس سے حاضری کی اجازت طلب کی گئی ورنہ جب وہ "دشت وچمن" میں آنکلتا کسی کو اس کی تفریح میں خلل انداز ہونے کا حوصلہ ہوتا نہ اُس کی موجودگی میں کوئی شخص "دشت وچمن" میں داخل ہو سکتا تھا۔

شہزادہ قاسم نے حیرت و تعجب سے میر شکار کی عرضداشت سنی اور تحیّر زا لہجے میں بولا۔

"کیا بھیلوں پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے؟"

"خانہ زاد نے بہت پوچھا کہ وجہ ملاقات کیا ہے مگر منصور نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا اور یہی کہتا رہا اپنی بپتا صاحبِ عالم ہی سے عرض کرے گا —— بہت پریشان اور مضطرب ہے عالی جاہ!"

"اسے حاضر کرو ——!"

چند ہی لمحوں کے بعد بھیل سردار شکور کاکا کا جوان سال بیٹا منصور کاکا جو اپنے

"ہائے ـــــ مرگیا، مار دیا، ظالم نے مار دیا، ہائے ...."

اس اثناء میں شہزادہ قاسم توڑے دار بندوق اُٹھائے انتہائی گھبراہٹ کی حالت میں بھاگتا آیا اور بختیار مرزا کو زمین پر تڑپتے دیکھ کر چلّایا ۔ "ارے بختیار مرزا ـــــ! کیا ہُوا تمہیں؟"

"ہوتا کیا صاحبِ عالم ـــــ! کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری"۔

"مَیں نے خرگوش پر فائر کیا تھا، گولی تمہیں کیسے آ لگی؟"

"محبت کی طرح گولی بھی اندھی ہوتی ہے ۔ چلائی کسی پر جاتی ہے لگتی کسی اور کو ہے ـــــ ہائے مرگیا"۔

پھر بختیار مرزا بَل کھا کر سیدھا لیٹ گیا جیسے سچ مچ اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کرنے والی ہو ۔ اسی لمحے ولی عہد نے چند ہی قدم کے فاصلے پر اس بھورے خرگوش کو بھی تڑپتے دیکھ لیا تھا جو اس کے فائر کا نشانہ بنا تھا ۔ پھر خود بخود شہزادہ کے ہونٹوں پر اطمینان بخش تبسّم بکھر گیا اور وہ معنی خیز انداز میں بولا ۔ "اے مرزا ـــــ! تم تڑپ کیوں رہے ہو؟"

"خوب ـــــ تو حضور گولی چلا کر اپنے شکار کو تڑپنے بھی نہ دیں گے"۔

"لیکن گولی تمہیں کب لگی ہے ۔ ذرا اُٹھ کر دیکھو، میرا شکار تو وہ رہا"۔

یہ کہہ کر شہزادہ نے خرگوش کی طرف اُنگلی اُٹھا دی جو بیلوں کی جھاڑیوں کے پاس تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا ۔ بختیار مرزا نے ایک آنکھ کھول کر خرگوش کی طرف دیکھا پھر اپنے سَراپا پر نظر دوڑائی اور اس اطمینان کے بعد کہ وہ صحیح سلامت ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝ پڑھتا ہُوا اُٹھا اور کپڑے جھاڑتا ہُوا بولا ۔

"خدا کا شکر ہے ۔ مَیں بال بال بچ گیا ورنہ میرا بھی وہی حشر ہوتا جو اس خرگوش کا ہُوا"۔

"مگر تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے تھے؟"

"صنوبروں کی چھاؤں میں بوستان پڑھ رہا تھا"۔ بختیار مرزا نے جواب دیا ـــــ "گل و لالہ اور سنبل و ریحان کے فلسفۂ پیدائش پر غور کر رہا تھا ۔ سعدی کا خیال ہے کچھ گل اندام زیرِ خاک خوابیدہ ہیں ۔ اس لیے اگر زمین سے پھول اُگتے ہیں تو

تک کوئی طاقت ان کی وفاداری کو خرید نہ سکی یہی وجہ تھی شاہی محل کی حفاظت و نگہداشت میں ان پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا۔

ولی عہد توجہ سے منصور کی بات سنتا رہا پھر اس نے پوچھا۔

"مرجینا بیگم نے کس کی اجازت سے حیدری کو جنگل کی بیگار پہ روانہ کیا اور وہ بنجارہ کون ہے جس کی تلاش کو اتنی اہمیت دی گئی؟"

"ہمرے کا کھبر سرکار! ہمار نہ تو کسی بنجارے کو جانت رہے۔ نہ یو سمجھت کہ مرجینا کو کون حکم کرت، پر ہمار سب لوگ آج حیدری چاچا کا سوگ منائے رہیتو۔ مرجینا سے سرکار ہی پوچھ سکت وہ بھلا حیدری چاچا کو کاہے حکم کرت رہی؟"

ولی عہد نے ایک ثانیہ کچھ غور کیا پھر فیصلہ کُن لہجے میں بولا۔

"اس شیر کا شکار کرنے کے لیے ہم خود اپنے بھیل بہادر دل کے ہمراہ جگنا بن جائیں گے لیکن روانگی سے پہلے ہم مرجینا بیگم سے ملاقات ضروری سمجھتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے شکار گاہ سے رُخ موڑا اور محل سرا کی طرف چل دیا۔ میر شکار اور بھیل جوان بگولے کی طرح اس کے آگے آگے اُڑتے چلے گئے ——— بختیار مرزا نے ولی عہد کا عجیب و غریب فیصلہ تعجب سے سنا لیکن وہ بھی چُپ چاپ اس کے ساتھ چلتا رہا۔

ملکہ بیگم کی محرم راز کنیز مرجینا ولی عہد کے کمرۂ خاص میں ساکت و صامت کھڑی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ شہزادہ نے اسے بڑے تحکم کے ساتھ اپنے حضور طلب کیا۔ ورنہ وہ ہمیشہ اس امر کو ملحوظ رکھتا تھا کہ اس کی عزت و تکریم میں فرق آئے نہ کسی وجہ سے اس کی دل شکنی ہو۔

مرجینا نے اسے ماں بن کر پالا، گود کھلایا، جھولا جھولایا، لوریاں دیں اور پھول کی مانند سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ قاسم نے اسی کے آغوش میں آنکھ کھولی، اپنی توتلی زبان میں سب سے پہلے اسی سے باتیں کیں، اسی کے بازوؤں میں ہوش سنبھالا تھا۔ اگر اُسے یہ نہ بتایا جاتا وہ نواب فرخ کا فرزند جگر بند، ملکہ بیگم کا راج دُلارا اور چاندنگر کی سلطنت کا ولی عہد ہے تو وہ اپنے آپ کو مرجینا ہی کا بیٹا سمجھتا۔ وہ اس کی ہر پریشانی پر افسردہ و غمزدہ

باپ شکور کاکا کی وفات کے بعد شاہی خدمت پر مامور تھا مخصوص لباس میں حاضر ہوا اور شہزادہ کے حضور کمر تک جھک گیا۔ اس کے جسم پر لرزش سی طاری تھی۔

"منصور کاکا ——— ! بے وقت حاضری کا مطلب ؟"

ولی عہد کی آواز میں تحکم تھا۔ رُعب تھا، بھیل جوان گھبرا سا گیا پھر کپکپاتی آواز میں عرض گذار ہوا

"سرکار ! ایک جروری خبر لاگے ہے ...."

"بیان کرو۔"

شہزادہ کی زبان سے اجازت پاکر منصور کاکا کچھ سنبھلا اور کہنے لگا۔

"کئی دن ہوئے سرکار ! ہمار حیدری چاچا جنگل سدھار گیئو پتہ چلیو راج محل کی مرجینا بیگم کسی بنجارے کو ملن چاہت رہی اور ہمار حیدری چاچا بَن بَن اسی بنجارے کو ڈھونڈت رہے پر آج سکارے (سویرے) ایک پاسی کھبر لائیو جگنا بَن میں کوئی بھیل سردار مارا گیو جس کے سنگ ایک گھوڑا بھی مرت رہا ——— ہمار کھیال ہے وہ جرور حیدری چاچا ہووے وہی جگنا بن کی اور جات رہے تھے ...."

ولی عہد نے حیرت و تعجب سے یہ سب کچھ سُنا پھر پوچھا "کیا حیدری کو بنجاروں نے قتل کر دیا ؟"

"ناہیں سرکار ——— ! پاسی کہت رہا جگنا بن میں ایک باگھ بسے، جو راہی اُدھر سے نکلے باگھ اس پر گھات لگادے اور حملہ کر کے پھاڑ دیوے ہے۔ حیدری چاچا ہمار باپ بجان اور بھیلوں کا سردار ہووت حجور ! اس کی موت کی کھبر سُنکر سب بھیل سپاہی سَر پیٹت رہے۔ جب تک وہ باگھ بگھیلے کو مار نہ لیویں چین ناہیں کرت۔ میں سرکار سے جگنا بن جانے کی پروانگی لینے آئیو بھیل سپاہی بھی میرے سنگ جات رہے۔ ہمار سب گبھرو بگھیلے کا سکار کرت اور اپنے حیدری چاچا کی میت لادت رہیں ...."

یہ کہتے کہتے بھیل نوجوان کی آنکھیں نم آلودسی ہو گئیں۔ باتوں میں غم لہریں لے رہا تھا۔ ولی عہد محسوس کر رہا تھا جگنا بن میں حیدری چاچا نہیں بھیلوں کی متاع حیات لٹ گئی ہے۔ یہ لوگ بلا کے بہادر اور جانثار تھے ہر خطرناک موقع پر انہوں نے اپنی جان خطرے میں جھونک کر شاہی ارکان کی حفاظت کی تھی۔ ان کی وفاداری شک و شبہ سے بالا تھی۔ آج

شیر کا لقمہ بن گیا۔اس کی موت نے بھیلوں کو بہت غمزدہ اور نڈھال کر دیا ہے۔اُن کا بیان ہے حیدری کو تم نے بھیجا تھا۔تمہیں کسی بنجارے کی تلاش تھی۔"

حیدری کا نام سنکر مرجینا چونکی تھی مگر اس کی موت کی خبر بجلی بن کر گری اور بنجارہ کے ذکر پر تو چہرے کا رنگ متغیّر ہونے لگا۔

"کیا یہ درست ہے صاحبِ عالم! کیا سچ مچ حیدری ہلاک ہو گیا؟"

اس کے لہجے میں کرب و اذیت کی جھلک تھی۔دل میں کوئی ایسا صدمہ گھل رہا تھا جسے ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی۔ولی عہد نے اس کی اضطراری کیفیات کا بغور جائزہ لیا اور کہا۔"منصور کاکا نے مجھے یہی اطلاع دی اور جگنا بن جانے کی اجازت طلب کی ہے بھیل جب تک آدم خور شیر کو ہلاک نہ کر لیں گے انہیں چین نہ آئے گا۔"

پھر ایک لمحہ رُک کر ولی عہد نے اطلاع دی۔

"شیر کا شکار کھیلنے کے لیے اپنے بھیل جانثاروں کے ساتھ مَیں نے خود جگنا بن جانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"نہیں صاحبِ عالم ——— ! اپنی ذات کو کسی خطرے میں نہ ڈالیے۔چاند نگر کی آزادی کے لیے آپ کو یہ فیصلہ تبدیل کرنا ہو گا۔"

"جیجی ——— !" شہزادہ بلند آواز میں چلّایا۔اس کے لہجے میں سرزنش تھی گویا اُسے ایک کنیز کا تحکم آمیز اندازِ لہجہ پسند نہ آیا تھا۔مرجینا نے فوراً معذرت چاہی۔

"کنیز معافی کی خواستگار ہے صاحبِ عالم!"

"مجھے معلوم ہونا چاہیئے وہ بنجارہ کون ہے جس کی تلاش میں حیدری جنگل جنگل گھومتا پھرا۔کیا وہ کوئی مجرم ہے، کوئی لٹیرا ہے، کوئی قاتل ہے جس کی تلاش میں شاہی محل کا ایک پرانا جاں نثار جاں بحق ہوا ———؟"

مرجینا کے ہونٹ کپکپا کے رہ گئے۔"نہیں........ نہیں ...."

"پھر کسی خانہ بدوش کی تلاش کیوں؟"

ولی عہد برافروختہ تھا لیکن فوراً ہی اس نے محسوس کر لیا اسے ایک ایسی عورت سے سخت کلامی کے ساتھ پیش آنا زیب نہیں دیتا جس نے اُسے ماں بن کر پالا اور اپنی گود میں کھلایا تھا؛ اس احساس پر اس کے لہجے میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔"جیجی ——— ! تم سمجھتی

اور ہر خوشی پر شاداں و فرحاں ہو جاتی تھی گویا ایک شمع تھی جو شہزادہ قاسم کے لیے جلتی بجھتی رہتی تھی۔ قاسم بھی ملکہ بیگم کے بعد اسی کا احترام کرتا اور اسے "جیجی" کے محبت آفرین نام سے پکارتا لیکن آج وہی مرجینا ایک ملازمہ کی طرح ولی عہد کے کمرۂ خاص میں طلب کی گئی تھی اس نے آدابِ شاہی کے مطابق شہزادہ کے حضور کورنش ادا کی اور چپ چاپ ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ولی عہد نے اسے دیکھا لیکن اس طرح گویا نہیں دیکھا۔ وہ اس کے چہرے پر نظر نہ جما سکا جس پر ماتا کا نور گھل رہا تھا۔

بھیل سردار کی موت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اگر مرجینا ہی اس کی موت کی ذمہ دار تھی تو ولی عہد کی حیثیت سے قاسم کا فرض تھا وہ اس سے جواب طلب کرے کہ اس نے ایک شاہی خدمت گذار کو کیوں موت کے منہ میں جھونک دیا جو تنہا بیسیوں آدمیوں پر بھاری اور قدیمی جانثار تھا۔ اس کی بے مقصد موت ایک بہت بڑا المیہ تھا جس نے پچاس ساٹھ بھیل پہرے داروں میں صفِ ماتم بچھادی تھی لیکن کوشش کے باوجود مرجینا سے باز پُرس نہ کر سکا۔

کمرہ میں ایک پُراسرار خاموشی دھڑک رہی تھی۔ آخر مرجینا نے خود ہی جراٴت کر کے پوچھا۔ "صاحبِ عالم! آپ نے کنیز کو یاد فرمایا تھا"۔

اب شہزادہ قاسم کے ہونٹ پھڑپھڑائے اور دھڑکتے دِل کے ساتھ بولا۔

"جیجی ——— ! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں"۔

"شوق سے پوچھیئے صاحبِ عالم! کنیز کو جو کچھ معلوم ہو گا عرض کر دے گی"۔

اب ولی عہد کو کچھ حوصلہ ہوا۔ "تمہیں معلوم ہو گا شاہی خدمت گاروں کو جنہیں اعلیٰ حضرت جنت مکانی کی خدمت و اطاعت کا شرف حاصل ہے ملکہ بیگم یا میری اجازت کے بغیر بیگار پر نہیں بھیجا جا سکتا؟"

"کنیز اس دستور کو جانتی ہے صاحب جاہ!"

کسی نامعلوم خوف سے مرجینا کا دِل دھڑکنے لگا۔ اس نے انتہائی کرب و اضطراب کے ساتھ شہزادہ کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اس کے باوجود تم نے بھیل پہرے داروں کے سردار حیدری کو کسی ذاتی کام سے جگنا بن کی طرف روانہ کیا۔ آج خبر آئی ہے حیدری کسی بنجارے کو تلاش کرتا ہوا آدم خور

شہزادہ قاسم دم بخود کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ کیا کرے ؛ یہ تو ظاہر تھا مرجینا کے راز کا حیدری اور کسی خانہ بدوش سے کوئی تعلق تھا مگر یہ معما سمجھ میں نہ آسکا اس نے ولی عہد کو جگنا بن جانے سے کیوں روک دیا ہے حالانکہ وہ اپنی روانگی کے احکام نافذ کر چکا تھا اور بھیل سوار لمبے لمبے بھالے اور توڑے دار بندوقیں اُٹھائے قلعہ کے دروازہ پر تیار کھڑے تھے۔

نہیں وہ جگنا بن کی مہم ملتوی نہیں کر سکتا۔

یہ فیصلہ کر کے قاسم تیزی سے پلٹا اور اپنا لباس تبدیل کرنے لگا۔

ولی عہد کے اچانک سفر کی خبر محل سرا میں آنا فانا پھیل گئی۔

اسی اثنا میں وزیرِ سلطنت جعفر بھی افتاں وخیزاں شہزادہ کی خدمت میں بھاگا آیا جب باریابی کی اجازت ملی قاسم سیر وشکار کا لباس زیب تن کر چکا تھا اور ایک خادم اس کی کمر میں تلوار باندھ رہا تھا۔ جعفر نے گردن جھکا کر تین مرتبہ دائیں ہاتھ کو پیشانی کی طرف جنبش دی اور کورنش بجالانے کے بعد تحیر زا لہجے میں بولا۔ ”خیریت باشد، صاحبِ عالم! یہ اچانک روانگی کیسی ؟“

ولی عہد نے ایک لمحہ توقف کیا پھر اپنی پریشانی ظاہر کر دی۔ ”تم محل سرا کے بھیل سردار حیدری کو جانتے ہو جس نے گونڈ کے علاقہ میں ایک مرتبہ شیر کا ہانکا کرتے اعلیٰ حضرت جنت مکانی کی جان بچائی تھی...... ؟“

”کیوں نہیں صاحبِ عالم ! حیدری کو بھلا کون نہیں جانتا وہ پرانا نمک خوار ہے ——“

”جگنا بن کے جنگل میں اسے ایک آدم خور شیر نے ہلاک کر دیا ہے“۔

یہ خبر سنتے ہی جعفر انتہائے مکاری سے اُچھل کر پیچھے ہٹا جیسے اس نے یہ خبر پہلی مرتبہ سُنی تھی حالاں کہ حیدری کی ہلاکت، بھیلوں کی پریشانی اور قاسم کی روانگی کا حال سُنکر اور ایک خطرناک تدبیر کا خاکہ بُن کر ہی آیا تھا اس وقت اس کی حاضری یقیناً معنی خیز تھی پھر بھی اس نے تعجب و حیرت کا کچھ اس طرح مظاہرہ کیا کہ اس پر حقیقت کا گمان ہوتا تھا کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

کیوں نہیں، اگر حیدری تمہاری ہی وجہ سے ہلاک ہوا تو بھیلوں کو مطمئن کرنا ضروری ہے وہ اس خانہ بدوش کو زمین کی چھاتی سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے جس کی خاطر اُن کا سردار مارا گیا۔ صرف اس کا نام و نشان معلوم ہو جانا چاہیئے "۔

"صاحبِ عالم ——— !"

مرجینا کی آواز جیسے کسی گہرے کنوئیں سے اُبھری تھی لیکن اس کی زبان سے دوسرا لفظ ادا نہ ہو سکا۔ وہ پتھر کی مورتی کی طرح ساکت و صامت ہو گئی۔

قاسم اسے حیرت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔ سوچ رہا تھا شاید مرجینا کسی اہم راز کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ شاید جوانی کے دنوں کی کوئی بھول ——— بولا "جیجی ——— ! اگر کوئی ایسی بات ہے جو مستقبل میں تمہارے وقار اور ہماری عزت و آبرو کے لیے خطرہ بن سکے تو بخدا ——— مَیں ابھی اس خطرے کا سَر کچل دوں گا مجھے تمہاری عزت اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے ———"

مرجینا کے ذہن میں آندھیاں رقص کرنے لگیں۔ بدن پر ٹھنڈی لرزش طاری ہو گئی کیا اس رازِ سربستہ کے انکشاف کی ساعت آ پہنچی جس کو اس نے دل کی گہرائیوں میں دفن کر رکھا ہے ؟

کیا چاند نگر پر آسیائے گردش کی رفتار پھر کوئی مصیبت لانے والی ہے ؟

مرجینا کو اپنے قدموں کے نیچے فرش لٹو کی طرح گھومتا محسوس ہوا۔ ولی عہد کے الفاظ تیر کی مانند دِل میں کھُب گئے تھے مگر اس نے شفقت آمیز نگاہوں سے قاسم کی طرف دیکھا پھر اس کے ہونٹ تھر تھرائے۔

"جانِ مادر ——— ! کنیز نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی جس پر اُسے شرمسار ہونا پڑے مَیں نے زندگی کے ہر موڑ پر شاہی وقار کو ملحوظ رکھا ہے بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتا سکتی ——— اگر آپ جگنا بن کا ارادہ ترک کر دیں تو بہتر ہو گا"۔

یہ کہہ کر تیزی سے مُڑی اور کمرۂ خاص سے نکل گئی۔ اس کی پریشانی اور گھبراہٹ سے صاف ظاہر تھا کوئی نامعلوم صدمہ اس کی رُوح پر زخم لگا کر اُبھرا ہے، کوئی سویا ہوا پرانا غم انگڑائی لے کر جاگ اُٹھا ہے اور وہ اس عقوبت آفریں یاد سے بچنا چاہتی ہے جبھی تو بھیل سردار حیدری کی موت اور خانہ بدوش کے ذکر پر اس کا رنگ متغیر ہوا اور بدن لرزنے لگا تھا۔

ولی عہد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں پھر بھی تمہارے اطمینان کی خاطر صادق کو ہمراہ لیے چلتا ہوں۔ جنگلوں کے سفر میں ایک ایچار رہنا سود مند ہوتا ہے۔"

پھر اچانک شہزادہ کو کوئی بات یاد آگئی۔ وہ پوچھنے لگا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا شہزادی گلیار سے ملاقات کیسی رہی۔ اس کی اچانک آمد کا مقصد کیا ہے۔ شاہی محل میں کیوں نہیں اُتری ——— چاند نگر میں کب تک قیام رہے گا......؟"

جعفر نے اپنی نظریں ولی عہد پر مرتکز کر دیں اور چہرے کے اثرات سے اس کی دلی کیفیات کا اندازہ کرنے لگا۔ شہزادہ کا لب و لہجہ کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ گلیار کی حسین شہزادی کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا ہو۔ یہ لاعلمی تھی یا تجاہلِ عارفانہ ———؟

جعفر نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔ "شہزادی تو اسرار کی گٹھڑی ہے صاحبِ عالم! کسی کروٹ کھلتی ہی نہیں۔"

"کیا مطلب ———؟"

حیرت و استعجاب سے ولی عہد کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ کچھ متفکر سا نظر آنے لگا۔

"جعفر بابا ——— اگلیار کی ریاست کمپنی سرکار کے قبضہ میں ہے شہزادی وزیہ کے آنے کی اطلاع انگریز ریذیڈنٹ نے بھیجی تھی۔ اس کی رہائش کا بندوبست بھی کرنل کلوٹ نے کیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے شہزادی کی آمد بے مقصد نہ ہو ——— میرے بعد کرنل کلوٹ اور شہزادی فوزیہ پر نگاہ رکھو۔"

"مگر نگرانی کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"میں کسی خطرے کی بُو سونگھ رہا ہوں ——— شاید انگریز پھر کوئی ڈراما کھیلنے والا ہے۔"

جعفر دل ہی دل میں ہنس دیا، اس نے سوچا ڈرامہ تو وہ خود کھیل رہا ہے مگر اب اس کے چند منظر تبدیل ہو چکے ہیں اور اس کھیل کا انجام شاید ولی عہد کی عبرت ناک موت پر ہوگا۔ اسے متفکر دیکھ کر جعفر کہنے لگا۔

"مجھے تو کوسوں تک خطرے کی گرد بھی نظر نہیں آتی اگر میرا قیاس غلط نہیں

"اگر خانہ زاد کا قیاس غلط نہیں تو اب حضور آدم خور کو شکار کرنے جگنا بن تشریف لے جا رہے ہیں"۔

"تمہارا خیال غلط نہیں"۔

"لیکن میری رائے میں ولی عہد کا اس مہم پر جانا قرین مصلحت نہیں۔ آپ نے غلاموں کو حکم دیا ہوتا۔ یہ کوئی ایسا معرکہ نہیں جو اُن سے سَر نہ ہو سکے پھر یہ بھی سوچیئے چند روز بعد جلوس ہمایونی کا جشن منعقد ہونے والا ہے۔ دوست ریاستوں کے مہمان اس تقریب میں شریک ہو رہے ہیں۔ ریاست گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ تو چاند نگر پہنچ بھی چکی ——— ان حالات میں دارالحکومت سے آپ کی ایک پہر کے لیے غیر حاضری بھی مناسب نہیں"۔

یہ کہہ کر جعفر نے گردن جھکا دی۔ اپنی طرف سے اس نے خلوص و وفاداری کے اظہار میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ شہزادہ نے اس کے خیالات پر پسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا۔ "بابا ——— ! تمہاری موجودگی میں مجھے دارالحکومت کی کیا فکر ہو سکتی ہے۔ مہمانوں کی دیکھ بھال تم مجھ سے بہتر کر سکتے ہو۔ جگنا بن صرف دو روز کی مسافت پر ہے میں جلد لوٹ آؤں گا"۔

"لیکن میں آپ کو اس طرح بے ساز و سامان اور تنہا ہرگز نہ جانے دوں گا"۔

"پچاس بھیل سواروں کے علاوہ میر شکار بخشی، بختیار مرزا اور چند خادم بھی ساتھ جا رہے ہیں۔ بخشی ہمراہ ہے تو گلال بار اور خرگاہ کا ساز و سامان بھی ساتھ رہے گا پھر تنہائی کیسی ——— ؟

"صاحب عالم دستۂ خاص کو یہیں چھوڑے جا رہے ہیں اور محافظ دستہ کے بغیر بادشاہ اور شہزادے "یکا و تنہا" ہی سمجھے جاتے ہیں"۔

پھر اس کی پیشانی پر سوچ بچار کی لکیریں اُبھریں، بھنویں سکڑ کر باہم دِگر مل گئیں اور خیال انگیز لہجے میں بولا۔

"خانہ زاد کی رائے میں صادق اور اس کے چند جانبازوں کا شریک سفر رہنا بے حد ضروری ہے۔ صادق جنگلوں کا کیڑا ہے وہ رہنمائی کا فرض ادا کرے گا اور اس کے جانباز شاہی سواری کی حفاظت کرنا جانتے ہیں"۔

رُوح سے کم نہ تھا۔ سوچنے لگا شہزادہ ایک بھیانک سازش سے لاتعلقی کا اظہار کر کے اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔ اسی اثنا میں ملکہ بیگم کی جواں سال کنیز شگفتہ دروازے پر نمودار ہوئی اور کورنش کی رسم ادا کر کے پکاری۔

" حضور ملکہ معظمہ دام اقبالہا ولی عہد ذی شان کے قصرِ خاص میں قدم رنجہ فرماتی ہیں .... تخلیہ ...."

ملکہ کی اچانک تشریف آوری کا اعلان سنکر دونوں ایک ساتھ چونکے جعفر نے جُھک کر سلام کیا اور بولا۔" عالی جاہ! مَیں ابھی جاکر صادق کو اس کی نئی ذمہ داری سے آگاہ کرتا اور جانبازوں سمیت قلعہ کے دروازے پر پہنچنے کا حکم دیتا ہوں آپ محل سے نکلیں گے تو اُسے دروازے پر تیار پائیں گے"۔

پھر وہ اُلٹے قدموں باہر نکل گیا۔ دوسرے دروازہ پر کنیز شگفتہ نے فوراً زربفت کا پردہ پرے ہٹا دیا۔ بوڑھی ملکہ بیگم سفید براق لباس پہنے جو اس کی بیوگی کی علامت تھا کمرے میں داخل ہوئی۔ قاسم نے لپک کر ماں کے قدم لیے اور اس سعادت مندی کے بعد تشریف آوری کا مقصد دریافت کیا۔ ملکہ نے تشویش ظاہر کر دی۔

"صاحب عالم! مَیں نے سُنا ہے تم کسی مہم پر نکلنا بن جا رہے ہو کیا یہ خبر درست ہے؟" پھر اس کے لباس کو دیکھ کر خود بخود بولی "یقیناً درست ہے۔ تم شکاری لباس بھی تبدیل کر چکے ہو"۔

شہزادہ قاسم نے اس کے سامنے وہی کہانی دُہرا دی جو مرجینا کو سنا چکا تھا۔ ملکہ بیگم نے حیدری کے قصّے پر بظاہر تعجب ہی ظاہر کیا۔ قاسم نے بتایا۔

" بھیل سپاہیوں کے بقول حیدری نے شمالی جنگلوں کی طرف روانہ ہونے سے قبل کسی خانہ بدوش کا نام لے کر کہا تھا۔ اب وہ اس کو ساتھ لے کر چاند نگر آئے گا ورنہ ڈوب مرے گا۔ بھیل پہرے دار حیدری کے ساتھ پہلے بھی کسی خانہ بدوش کو جنگلوں میں تلاش کرتے رہے تھے لیکن حیدری کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ اُن کا مطلوب کون ہے اور تلاش کس کے حکم سے ہو رہی ہے۔ انہیں اب پتہ چلا کہ ملکہ محل کی کنیز خاص مرجینا کسی خانہ بدوش کی تلاش میں ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں مرجینا ہی اُن کے سردار کی موت کا باعث بنی ہے۔ جب یہ شکایت مجھ تک پہنچی مَیں نے فوراً جیجی کو طلب کیا۔ صرف

تو فوزیہ سلطانہ دراصل ایک حسین مقصد لے کر آئی ہے ..... "

"حسین مقصد ؟"

شہزادہ قاسم کی آنکھوں میں حیرت نے لہرلی۔ جعفر "حسین مقصد" کی وضاحت کرنے لگا۔

"صاحبِ عالم! آئینِ سلطنت کی رُو سے کیا حضور کو جلوس ہمایونی کی تقریب سعید پر اپنی ملکہ کا انتخاب نہیں کر لینا چاہئیے ——— ؟ ممکن ہے میر ولی اللہ نے وہ "گوہرِ نایاب" تلاش کر لیا ہو جو تاجِ سلطانی کی زینت بنے گا۔ قیاس کہتا ہے شہزادی بھی یہی تمنا لے کر آئی ہے "۔

ولی عہد کسی سحر آفریں اور معنی خیز سکوت میں کھو گیا تھا، جعفر کہتا رہا۔

"صاحبِ عالم! وہ کوئی حُورِ فردوس معلوم ہوتی ہے جو شاید بہشتی وادیوں میں بھٹکتی چاند نگر میں اُتر آئی۔ اس کی زلفیں سنبل کی طرح سیاہ اور دھوئیں کی لہروں کی مانند پیچ در پیچ ہیں۔ روئے حسین پر شفق پھولتی اور چاندنی کھیت کرتی ہے۔ غزالانِ دشت کی مانند موٹی موٹی، فتنہ گر سحر طراز آنکھیں عشق و محبت کی پُر اسرار کہانیاں سنا رہی ہیں۔ اس کے عزم و ارادہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے اپنے محبوب کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ ہے اور حصولِ مقصد کے لیے اپنے گورے ہاتھوں پر خون کی مہندی بھی رچا سکتی ہے۔ مَیں نے اس کی آنکھوں میں عشقِ نہایت کی چمک دیکھی ہے ......"

جعفر کی نظریں بدستور ولی عہد کے چہرے پر مرتکز تھیں۔ وہ اپنے معنی آفریں الفاظ کا ردِّ عمل دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے اشارہ کی زبان میں واضح کر دیا تھا کہ وہ ولی عہد اور شہزادی فوزیہ کے درمیان ہونے والی سازش سے آگاہ ہو چکا ہے جو خود اسی کے قتل پر منتج ہونے والی ہے ضروری تھا یہ خطرناک اشارہ ملتے ہی ولی عہد بارود کی طرح بھڑک اُٹھے ——— جنگلی ہرن کی مانند بدکے ——— زخمی سانپ کی مثل تڑپنے اور بل کھانے لگے لیکن شہزادہ قاسم بدستور ساکت و صامت کھڑا تھا جیسے جعفر کے الفاظ اس کے ذہن کے اُوپر سے پرواز کرتے گزر گئے تھے اور وہ اُن کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا۔

بے تعلقی کا یہ عجیب و غریب اور قطعی غیر متوقع ردِّ عمل جعفر کے لیے سوہانِ

کی اور آزادی کی بجھتی ہوئی جوت دوبارہ روشن کر دی ورنہ آج چاند نگر پر انگریز کا تسلّط ہوتا۔ مرجینا کنیز نہیں فرّخ گھرانے کی عزت اور ہماری آزادی کا نشان ہے۔ اگر کوئی بدبخت اس کے دامن پر تہمت لگاتا، اس کی ذات پر حرف گیری کرتا ہے تو تمہیں اس کی زبان کٹوا دینے کا اختیار ہے۔ کیونکہ جس نے تمہیں پالا پوسا۔ گود میں کھلایا، بازوؤں پر جھلایا، لوریاں دیں جس نے تمہارے آرام کے لیے کئی کئی راتیں آنکھوں میں کاٹ دیں وہ مرجینا ہی تھی ——— تمہاری جیجی ——— تم پر میرا کم اس کا زیادہ حق ہے۔"

قاسم نے یہ سب باتیں انتہائی تعجب سے سنیں۔ مرجینا کی یہ حیثیت آج تک اس کی نظروں سے اوجھل تھی جس نے اُسے ملکہ بیگم کے برابر کھڑا کر دیا تھا۔ اس کا ذہن گرداب حیرت میں چکّر کھانے لگا۔ اسی حالت میں ملکہ بیگم کی آواز سُنی۔

"سیر و شکار شہزادوں کی عادت ہے مگر انہیں جنگلوں میں بھٹکتا اور ایسے لوگوں کے لیے فکر مند رہنا جن پر ان کے غلام بھی قابو پا سکتے ہوں زیب نہیں دیتا ——— ولی عہد کی حیثیت سے تمہیں اپنے مرتبہ و منصب کا خیال رکھنا چاہیئے کیوں کہ اب تم چاند نگر کے ہونے والے سلطان ہو۔"

اس نے ملکہ بیگم کی طرف دیکھا اور اس کے الفاظ کو سمجھتے ہوئے بولا۔

"امی حضور ——— ! اگر جیجی کا نام درمیان میں نہ آیا ہوتا تو میں شکار پر نہ جاتا جگنا بن کے سفر کا مقصد آدم خور کی ہلاکت اور اپنے اور اپنے بھیل جاں نثاروں کی غمگساری کے سوا اور کچھ نہیں ———"

ملکہ بیگم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "اگر جانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو جلد لوٹ بھی آنا۔ ان دِنوں تمہارا دارالحکومت میں رہنا بہت ضروری ہے۔ کئی راتوں سے میں ایک ہی قسم کا بھیانک خواب دیکھ رہی ہوں، نجانے کیا ہونے والا ہے۔"

"خواب تو انسان کے اپنے ہی خیالوں کے عکس ہوتے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"نہیں، بعض خواب مستقبل کے پیغام رساں ہوتے ہیں۔"

ملکہ بیگم پُرخیال انداز میں کہنے لگی۔

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چاند نگر پر کوئی بہت بڑی مصیبت آنے والی

وہی اس پُر اسرار معاملہ پر روشنی ڈال سکتی تھی مگر اس نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ اب دو ہی باتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہ خانہ بدوش کوئی بہت بڑا مجرم اور ڈاکو تھا جیجی اس کے جرم سے آگاہ تھی اور اب شاید اخفائے راز کے صلہ میں مجرم سے کوئی اہم کام لینا چاہتی ہے یا پھر یہ دل و نگاہ کی ایک ایسی حکایت ہے جسے حالات نے پروان نہ چڑھنے دیا مگر عرصہ دراز کے بعد بجھی راکھ میں پرانی یادوں کی چنگاری پھر چمک اٹھی اور جیجی نے بھیل سردار کی معرفت چپکے ہی چپکے خانہ بدوش کی جستجو شروع کر دی۔۔۔۔۔۔

اچانک ملکہ بیگم کی آواز گونجی "قاسم ——— !"

اس کے لہجے میں سرزنش تھی لرزش تھی، غصہ و ناراضی کی لہر تھی۔

"میں نہیں جانتی تھی تم اپنی جیجی کے متعلق ایسی گھٹیا باتیں بھی سوچ سکتے ہو جس نے تمہیں ماں بن کے پالا"۔

ملکہ بیگم نے شاید زندگی میں پہلی بار شہزادہ کو اس طرح مخاطب کیا تھا وہ ماں کے غضب آلود تیور دیکھ کر بوکھلا اٹھا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس اُس وقت ہوا جب الفاظ ہونٹوں کی دہلیز عبور کر چکے تھے۔ اب ندامت اور معذرت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے ماں کے پاؤں پکڑ لیے ——— احساسِ ندامت سے آواز بھی تھرتھرا رہی تھی۔

"امی حضور ——— ! اس گستاخی کے لیے معافی کا طالب گار ہوں۔ میں نے صرف لوگوں کے شبہ کا اظہار کیا مگر جیجی کی اعلیٰ حیثیت سے کبھی غافل نہیں ہوا"۔

ملکہ بیگم نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں، کہنے لگی۔

"آسمان پر چمکنے والا چاند اپنے سینے پر ان گنت داغ رکھتا ہے لوگ اس کی روشنی کو دیکھتے ہیں اس کے داغوں کا شمار نہیں کرتے لیکن تمہاری جیجی کا دامن بالکل بے داغ اور ستاروں کی مانند درخشاں ہے۔ اس کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے جس میں دل و نگاہ کی کوئی حکایت، کوئی روایت نہیں، اس نے جوانی کی لذتوں سے اپنا حصہ نہیں لیا صرف چاند نگر کی آزادی سے پیار کیا اور اُس پر زندگی کی ساری خوشیاں، جوانی کی تمام آرزوئیں نچھاور کر دی ہیں ——— وطن کی محبت اس کا پہلا اور آخری پیار تھا ——— وہ مرجینا ہی تھی جس نے بیس برس پہلے اپنی جان خطرے میں ڈال کر تمہاری حفاظت

کھو جاتے ہیں مگر پُل عبور کرنے سے پہلے ہی ولی عہد کی نظروں میں بجلی سی کوند گئی اس نے انتہائے حیرت سے گھوڑے کی باگ کھینچ لی۔ خلافِ توقع شاہی قافلہ نیلم ندی کے جنوبی ساحل پر رُک گیا۔

وہ ایک بجلی ہی تھی ——— جو نیلگوں پیراہنوں میں نیلم ندی کے پُل پر چمکی تھی۔

سترہ اٹھارہ سال کی ایک برق وش، سُرخ و سفید نازنین جس کا حسن و جمال الف لیلہٰ کی طلسمی شہزادیوں کی طرح عقل و ہوش کا رہزن، سر پر سنہری کلغی اور نازک بدن پر لباسِ فاخرہ اس کے اعلےٰ مرتبہ کی غمازی کر رہا تھا بصد شانِ دلبری چوبی پُل سے لہروں کا نظارہ کرتی ہولے ہولے جنوبی ساحل کی طرف آ رہی تھی۔ ساتھ پانچ جوان اور رعنا کنیزیں اور ایک مصاحب بھی تھا جس نے جنوبی ہند کے ریاستی مصاحبوں کی طرح بیضوی پیچ دار پگڑی اور ارغوانی انگرکھا پہن رکھا تھا۔ چاند نگر کے راستے پر متعدد سواروں کو آتے دیکھ کر حسین کنیزیں جنگلی ہرنیوں کی طرح پریشان نظر آنے لگیں لیکن ان کی پری چہرہ مالکہ جس کی شاہانہ تمکنت اس کے رعبِ حُسن میں اضافہ کر رہی تھی بے فکر اور بے نیاز معلوم ہوتی تھی مگر جب پیچ دار پگڑی والے مصاحب نے اُسے بتایا کہ شکاری لباس میں دراصل شہزادہ قاسم اپنے سواروں کے ہمراہ چلا آتا ہے تو اُس کے چہرے کا اطمینان یک لخت گھبراہٹ میں بدل گیا۔ اب وہ پُل سے گزر کر شاہی قافلہ کے لیے راستہ صاف کر دینا چاہتی تھی ۔ اس افراتفری میں شاہانہ تمکنت بھی برقرار نہ رہ سکی تھی۔ خوفزدہ چور نگاہیں بار بار ولی عہد کے چہرے کا طواف کرتی اور لوٹ آتی تھیں۔

قاسم کے ہمراہ شہزادگی و ولی عہدی کی کوئی علامت نہ تھی۔

نہ آفتاب گیر، نہ چتر، نہ کوکبہ۔

نہ چتر توغ ——— نہ تمن توغ ——— جو ولی عہد کے خاص پرچم اور اہم مہمات پر نکالے جاتے تھے۔ اڑھائی فٹ طویل اور ڈیڑھ فٹ عریض ایک سیاہ و سفید تکونی جھنڈی ضرور موجود تھی جسے میر شکار نجشی چاندی کی مُوٹھ والے نیزے پر چڑھائے عقب میں کھڑا تھا۔

شہزادہ کے بدن پر چینی اطلس تھا نہ رومی مخمل، نہ بنارسی کمخواب ———

ہو کیونکہ مَیں کئی رات سے خواب میں چیلوں کو پرواز کرتے دیکھ رہی ہوں۔"

ایک ثانیہ کے لیے شہزادہ قاسم کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار تھرتھرائے۔ چیلیں اور گدھ عموماً مُردار پر پرواز کرتے ہیں۔ کیا چاند نگر میں کوئی خون خرابہ ہونے والا ہے فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولا۔ "سُنا ہے چیل کا جھپٹنا منحوس ہوتا ہے۔"

ملکہ بیگم کو شاید اس مضمون سے دِل چسپی نہ تھی۔ اس نے بات کا رُخ ہی بدل ڈالا۔ "شکار سے واپسی کب ہوگی؟"

"ٹھیک پانچ روز بعد آپ کی قدم بوسی کے لیے قصرِ سفید میں حاضری دوں گا۔"

"خدا حافظ ——— !" کہہ کر ملکہ بیگم ایک رُوح کی طرح چپ چاپ دروازے کی طرف چل دی جیسے کوئی نیند کی حالت میں چلتا ہے۔ شہزادہ قاسم سوچنے لگا آج وہ پہلے سے کہیں زیادہ بوڑھی کیوں نظر آرہی تھی؟

ولی عہد بگولے کی طرح قلعہ کے دروازہ سے نِکلا۔

اس کے عقب میں بختیار مرزا۔ میر شکار بخشی۔ رہنما اور محافظ، میر صادق اس کے دس جانباز۔ شاہی خدام، بھیل سردار منصور اور اس کے چالیس توانا سپاہی کاندھوں پر توڑے دار بندوقیں لٹکائے، ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھامے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے چلے جارہے تھے۔

ولی عہد کی اچانک روانگی نے اہلِ قلعہ کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا کوئی نہ جانتا تھا وہ اچانک کِس مہم پر چل دیا ہے۔ اس سے پہلے جب وہ گھوڑے پر سوار قلعہ کے دروازہ سے باہر نکلتا تو بھیل سپاہی فصیل پر کھڑے ہو کر قرنا پھونکتے اور بڑے کروفر کے ساتھ اس کی روانگی کا اعلان کرتے تھے مگر آج فصیل پر خاموشی تھی۔ دروازے پر وہ بھیل سپاہی جنہیں محل سرا کی حفاظت کے لیے چاند نگر ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا، دو رویہ مودب کھڑے تھے اور ولی عہد اپنے چھوٹے سے قافلہ کے ہمراہ آندھی کے جھونکے کی طرح اُن کے درمیان سے گزر گیا تھا۔

جگنا بن شمالی پہاڑوں کے دامن میں واقع تھا اس لیے گھوڑوں کی باگیں شمال کی طرف اٹھا دی گئیں۔ نیلم ندی کے چوبی پُل کے اس پار شمالی راستے اُونچی نیچی پہاڑیوں میں

در اصل یہ سفر میری مرضی کے.........“

اچانک وہ کہتے کہتے رُک گئی اور چہرے پر گھبراہٹ کا غبار سا بکھر گیا شہزادہ قاسم اس کے الفاظ پر نہ صرف چونک اُٹھا بلکہ شہزادی کی سحر پاش آنکھوں سے جھانکتی حیرت، لہجہ کی بوکھلاہٹ اور آواز کی لرزش پر حیران و ششدر رہ گیا۔

” اگر آپ اپنی مرضی سے نہیں تو کس کی مرضی سے چاند نگر آئی ہیں ؟“

ظاہر ہے چاند نگر کے ہونے والے حکمرانِ اعلیٰ کو اس سوال سے گہری دلچسپی تھی شہزادی اُکھڑے ہوئے لہجے میں اپنے الفاظ کی وضاحت کرنے لگی ۔

” در اصل میری نگران جو میری خالہ بھی ہیں ہر کام میں اپنی مرضی کو ترجیح دیتی ہیں ...... اعلیٰ حضرت نے محض اس شرط پر مجھے سیر و تفریح کی اجازت دی تھی کہ سفر کے دوران اپنی خالہ کی مرضی کی پابند رہوں .... اب مَیں ان کے مشورہ کے بغیر کس طرح قدم اُٹھا سکتی ہوں ....؟“

” مگر آپ کو شاہی مہمان بننے سے روکنے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے ؟“

اس سوال نے شہزادی فوزیہ کو بالکل ہی ہراساں کر دیا۔

” صاحبِ عالم ——! وہ ...... بات ...... در اصل یہ ہے گلیار کمپنی سرکار کی محروسہ ریاست ہے اور ہمیں ریذیڈنٹ کے مشورہ و ہدایت کا خیال رکھنا پڑتا ہے ...... کرنل کلوٹ نے رائے دی تھی چاند نگر میں شاہی محل کی بجائے مجھے کسی غیر سرکاری عمارت میں قیام کرنا چاہیئے ......“

” اوہ ۔ تو آپ ریذیڈنٹ کی مرضی کی پابند ہیں ۔یقیناً کرنل کلوٹ نے سوچ سمجھ کر مشورہ دیا ہو گا “۔

” نہیں آپ غلط سمجھے مَیں ریذیڈنٹ کے مشورہ کی پابند نہیں“۔

ایک لمحہ ٹھہر کر کہنے لگی ۔

” در اصل مَیں نے رہائش کے سوال کو اتنی اہمیت ہی نہیں دی ۔ کیا خبر تھی یہ معمولی سی بات چاند نگر کے وقار کا مسئلہ بن جائے گی ۔ اگر صاحبِ عالم فرمائیں تو مَیں آج ہی محل سرا میں منتقل ہو جاؤں گی “۔

” آپ اِس قدر پریشان کیوں ہو گئیں ۔ گلاب کا پھول جنگل میں کھلے یا گلستان

جو اٹھارہویں صدی کے بادشاہوں، نوابوں اور شہزادوں کا مخصوص لباس تھا۔ سر پہ کلاہِ شاہی نہ پرِ ہما، نہ زرّیں کلغی، گلے میں الماس و یاقوت کا ہار نہ مروارید کی مالا۔ نہ سینے پر کوئی تمغہ و نشان ——— بس بدن پہ ایک چُست شکاری لباس تھا جس پر سُرخ بنات کی صدری اسے دوسروں سے ممتاز کر رہی تھی لیکن مردانہ حُسن اس لباس میں بھی نگاہوں کا مرکز تھا۔

اچانک میر شکار گھوڑے کو ایڑ لگا تا آگے بڑھا اور متوحش حسینہ کے قریب پہنچ کر پُر رعب آواز میں بولا۔ "تم کون ہو جسے اتنا بھی علم نہیں جب ولی عہد ذی شان کی سواری آرہی ہو تو راستہ چھوڑ دینا چاہیے"۔

ان الفاظ کو سنتے ہی حسین دوشیزہ پہلے تو گھبرائی پھر یک لخت برافروختہ ہو گئی ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ پیچ در پیچ پگڑی والا مصاحب لپک کر آگے بڑھا اور ادب سے جُھک کر بولا۔

"ہمیں بے حد افسوس ہے ہم شاہی سواری کو شناخت نہ کر سکے لیکن آپ کو بھی ادب سے گفتگو کرنی چاہیے۔ آپ اس وقت ریاست گلیار کی شہزادی عُلیا بانو فوزیہ سلطانہ سے ہم کلام ہیں"۔

اسی لمحے شہزادہ قاسم خود آگے بڑھا، شہزادی فوزیہ نے شاہی آداب و دستور کے مطابق گردن جُھکا کر تسلیمات کی رسم ادا کی۔ مصاحب حشمت سراج اور پانچوں کنیزیں گھٹنے ٹیک کر زمین بوس ہو گئیں۔

قاسم اس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ خود ایک "سروِ بہاراں" تھا اور چاند نگر کی گُل رُخ امیر زادیاں اس کی تمنّا رکھتی تھیں مگر فوزیہ سلطانہ تو سراپا جمال تھی۔

"شہزادی فوزیہ سلطانہ ...." ولی عہد نے کہا۔ "آپ نے چاند نگر کی دیرینہ روایات کو توڑ دیا ہے شاہی مہمان ہمیشہ محل سرا میں اُترتے ہیں لیکن آپ ......"

شہزادی کے چہرے پر تاسّف کی جھلک نمودار ہوئی جیسے وہ اس امر پر پچھتا رہی ہو کہ چاند نگر میں اسے واقعی محل سرا میں قیام کرنا چاہیے تھا۔ بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ اس نے ولی عہد کی بات کاٹی اور لرزتی آواز میں جواب دیا۔

"میں آپ کے مدارالمہام کو اپنی مجبوریوں سے آگاہ کر چکی ہوں صاحبِ عالم!

(۷)

جگنا بن شمالی سلسلہ ہائے کوہ کی سرسبز ڈھلانوں اور زرد میدانوں میں کوسوں تک پھیلا تھا۔ آج تک اس کے طول وعرض کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔

یہ وسیع و عریض، گھنا اور خوفناک جنگل دراصل خونی درندوں اور جانوروں کی مملکت تھی جہاں چکاروں، بارہ سنگھوں اور پاڑھوں سے لے کر بھیڑیئے، ریچھ، چیتے، شیر اور ہاتھی ہر قسم کے جانور پائے جاتے تھے۔ قرب وجوار میں کئی کئی میل تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا۔ بس جنوب کی طرف بارہ بارہ پندرہ پندرہ کوس کے فاصلے پر چند بستیاں اور گڑھیاں واقع تھیں جہاں چند رانا اور ٹھاکر خاندان صدیوں سے بھیلوں اور گونڈوں، کولیوں اور میگھواڑوں پر حکومت کرتے اور بیگار لیتے تھے۔

یہ بستیاں اور گڑھیاں اگرچہ چاند نگر کی ریاست سے ملحق تھیں اور یہاں چاند نگر ہی کا سکہ چلتا تھا مگر سرحدی علاقہ چونکہ آزاد قبائل پر مشتمل تھا اس لیے رانا اور ٹھاکر حکمران سمجھے جاتے تھے جن کے خاندان سالہا سال سے حکومت کے پردے میں "خدائی" کرتے آرہے تھے۔ اس علاقہ میں زیادہ تر برِ صغیر کی وہ نیچ اور غیر مہذب قومیں آباد تھیں۔

میں بہر حال گلاب کا پھول ہے اور شہزادی شاہی محل میں ٹھہرے یا ریذیڈنسی میں بہر طور شہزادی ہے آج تو ہم شکار پر جا رہے ہیں ۔ چند روز جنگل میں قیام رہے گا ۔ آپ سے واپسی پر ملاقات ہوگی ۔ اگر کرنل کلوٹ مشورہ دے تو جشنِ جلوس تک چاند نگر ہی میں قیام فرمائیے ــــــ"

ولی عہد کی تیکھی نظروں اور کٹیلے فقروں کی چبھن شہزادی فوزیہ کے دل میں اُترتی چلی گئی ۔ اس نے جذبات سے مغلوب ہو کر شہزادہ کی طرف دیکھا اور فیصلہ کن انداز میں بولی ۔

"میں آپ سے ملاقات کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گی ۔ خواہ قیامت تک انتظار کرنا پڑے ۔ خدا حافظ ــــــ!"

ولی عہد نے معنی خیز انداز میں فوزیہ سلطانہ کو الوداع کہی، گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور چوبی پُل گھوڑوں کی ٹاپوں سے بج اُٹھا ۔ ولی عہد کے ہمراہی آندھی کے جھونکوں کی طرح گزرتے چلے گئے ــــــ مگر نیلم ندی کے جنوبی ساحل پر گلیار کی شہزادی ایک سحر زدہ پیکر کی مانند ساکت و صامت شمالی راستوں پر نظریں جمائے کھڑی تھی ۔

پر بیدار ہوتی اور گھر والے حیرت سے دیکھتے رہ جاتے کہ کیا راتوں رات اسے کوئی جن بھوت چھوڑ گیا ہے پھر ماں یا باپ کو سویرے ہی ٹھاکر کا بلاوا آجاتا جسے حویلی کی دہلیز تک آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اسے بڑی آؤ بھگت سے ڈیوڑھی میں بٹھایا جاتا، ٹھاکر اس کا حال دریافت کرتا اور راجپوتی شان کے ساتھ چڑھی مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر بتاتا۔

"ارے بندھوا ——— ! تہار چھوری تو بڑی بھاگوان ہو وے۔ کل رات حویلی میں دیا جلاون کا تیوہار ہو یو۔ لونڈیوں سنگ توری لونڈیا بھی ٹھاکرائن پاس آوت اور دیا جلاوت، ٹھاکرائن کہت رہی' بندھوا کی چھوری کو جوانی سوہات رہی ہے۔ رانی نجر آوے پر لیکھ دیکھو چمار کے گھر جنم لییو۔ پر ہم کہت' کہا بات کرت ہے ٹھاکرائن! لیکھ جنم ناہیں لیوے لیکھ ٹھاکر بنات ہے۔ یو بات رہی رات اور ٹھاکرائن تہار لونڈیا کو اپنے ہی گھر سلا ئیو۔"

چمار غریب حیران و ششدر یہ الف لیلہ کی سی کہانی سنتا پھر ٹھاکر چمڑے کی تھیلی سے چاندی کے روپے نکالتا اور چمار کے ہاتھ پر گن دیتا۔

"لے بندھوا ——— ! دس روپیا لے اور آج ہی لونڈیا کو چاندی کی بالیاں بنات دے اور سن کوئی میگھواڑ گبھرو ڈھونڈت' ہم خود بیاہ کریں توری چھوکری کا ———"

لیجئے! غریب بندھوا کی عزت چاندی کے دس سکوں میں بکی ——— ٹھاکر نے "قارون کا خزانہ" لٹا دیا مگر پاسیوں، کاچھیوں، میگھواڑوں کے لیے جنہیں دن رات کی محنت مشقت کے عوض کہیں مہینوں کے بعد چاندی کے چند سکوں کی صورت دیکھنا نصیب ہوتی اکٹھے دس روپے واقعی "قارون کا خزانہ" ہی ہوتا تھا۔ چاندی کی آگ غیرت کے پانی کو مار دیتی وہ شکوک و شبہات کے ہچکولوں میں ٹھاکر کی کہانی پر اعتبار کر لیتا اور اسے دعائیں دیتا گھر لوٹتا تھا۔

یہ ٹھاکر اور رانا اگرچہ تعلقہ داروں سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے مگر اس علاقہ کے باشندے تو صدیوں سے ذہنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہی تعلقہ دار ان کے مائی باپ اور ان داتا تھے۔ جنگل کے قریب رہتے ہوئے ان میں درندوں کی سی وحشت اور خصلت پیدا ہو چکی تھی۔ بھیڑ بکریوں، گائے بھینسوں اور پاڑھوں چکاروں کے بیچوں بیچ یہ رانا اور ٹھاکر چیتوں اور شیروں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ کبھی کبھار جب کوئی درندہ جگنا بن سے نکل کر چراگاہوں، کھیتوں اور بستیوں کا رخ کرتا، لوگ برچھیاں اور بھالے

جنہیں ہزاروں سال پیشتر آرین حملہ آوروں نے میدانوں سے پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا تھا۔ ان میں کول اور دراوڑ نسلیں بھی تھیں۔ بھیل، پاسی، گونڈ اور چمار بھی تھے۔

اگرچہ برصغیر میں سینکڑوں انقلاب آئے۔ تاریخ نے بیسیوں کروٹیں بدلیں اور لاتعداد خاندانوں نے تخت و تاج کی جنگیں لڑیں مگر ان پسماندہ و درماندہ قبائل کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب ہندوستان کی تاریخ سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی شجاعت کے آخری معرکے رقم کر رہی تھی اور لودھی، افغان اور مغل حشمت و اقبال کے پرچم اُڑا رہے تھے وسطی ہند کے چند راجپوت سردار افغانوں، ترکوں اور مغلوں کی تلواروں سے بھاگ کر شمالی پہاڑوں کی طرف پناہ لینے چلے آئے تھے۔ انہوں نے کسی جدوجہد کے بغیر اس علاقہ کی پسماندہ اقوام کو اپنا غلام بنا لیا اور چھوٹی چھوٹی بستیاں اور گڑھیاں قائم کر کے بیٹھ گئے۔ اس وقت سے اب تک انہی راجپوت راناؤں اور ٹھاکروں کی اولاد اپنے اپنے علاقہ میں حکمران اعلیٰ سمجھی جاتی تھی۔

اس علاقہ میں وسائل حیات کی گردش ہمیشہ کٹھن رہی۔ گذر بسر کا ذریعہ مویشی پالنے، بھیڑ بکریاں چرانے، چراگاہیں لبلنے اور محدود سی زمین پر کھیتی باڑی کرنے کے علاوہ اور تھا ہی کیا؟ اس پر رانا اور ٹھاکر خاندان لوگوں سے شادی بیاہ کے ٹیکس وصول کرتے، بیگار لیتے، زبردستی اناج اور ہر وہ چیز جو اُنہیں بھلی لگتی لے جاتے تھے۔ حتٰے کہ غریبوں کی جوان لڑکیاں بھی "لوٹ کا مال" سمجھ کر اُٹھا لی جاتی تھیں، انہیں احتجاج اور فریاد کا حق بھی نہ تھا ــــــ بھلا راجہ کے سامنے پرجا کا کیا زور چلتا؟ بچارے اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح سُلگتے، ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتے اور آنسو پونچھ کر خاموش ہو رہتے۔ جوان بیٹی کا اغوا غیرت کا خون کھولا دیتا مگر وہ بغاوت و سرکشی کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ کون غریب کا ساتھ دے گا۔ سب یہی کہیں گے۔

"ارے تو میگھواڑ اور پاسی کا چھی ہوئے کے ٹھاکر جی سے بَیر مول لیوے۔ ذات کا چمار اور سرکار سے ٹکر؟ یہ بات ناہیں چلت ہے۔ جائے کر سرکار کے پَیر پکڑ رہیت، کاہے اپنی جان سے دُشمنی کرت رہے۔"

یعنی سرکار عزت بھی لوٹے اور پَیر بھی پکڑوائے۔ ہوس کے اس کھیل میں اس کی جے ہوتی۔ دُوسری تیسری رات مغویہ لڑکی اپنے ہی گھر کے آنگن میں اپنے ہی بستر

تھا جس پر کسی زمانہ میں تجارتی قافلے سفر کرتے تھے لیکن مدتوں سے یہ راستہ اُجاڑ پڑا تھا اور اب اس کے نشان تک غائب ہو چکے تھے۔ درندوں کے خوف سے کوئی قافلہ ادھر سے گزرنے کی جرأت نہ کرتا۔ خانہ بدوش قبائل بھی جو جنگلوں کے باسی کہلاتے جگنا بن سے دُور ہی دُور رہتے تھے۔

کچھ عرصہ قبل ایک مہیب اور خوفناک شیر نے جنگل سے نکل کر نواحی بستیوں میں قیامت سی برپا کر دی تھی۔ وہ سب سے پہلے ان خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر حملہ آور ہوا جو گڑھی بکرم اور چندر انکھی کے درمیانی جنگل میں سالوں سے آباد اور گھوڑے پالتے تھے۔

چند خانہ بدوش لڑکیاں جو کوہستانی ٹیلوں کی ترائی میں بھیڑیں چرا رہی تھیں چیختی چلاّتی ڈیرے کی طرف بھاگیں۔ شیر نے ایک ہی حملہ میں کئی بھیڑیں زخمی کر دیں اور دو تین کو پھاڑ دیا۔ خانہ بدوش برچھے، کلہاڑے لے کر لپکے اور چاروں طرف سے اُس جھنگی کو گھیر لیا جس میں شیر اپنے شکار کو لے کر گھُسا تھا پھر اپنے حلق سے مخصوص آوازیں نکالتے گھیرا تنگ کرتے گئے۔

شیر خوف زدہ ہو کر پلٹا اور جونہی اس کا سنہری جسم نظر آیا ایک ساتھ کئی برچھے بجلی کی طرح کوندے۔ درندہ تڑپ کر اچھلا اور لہرا کر ایک طرف کود گیا۔ اس کی پسلی میں ایک برچھے نے زخم لگایا تھا لیکن زخم کاری نہ تھا۔ تین کلہاڑے بیک وقت بلند ہوئے مگر شیر نے لمبی جست بھری اور اُن کے سروں کے اُوپر سے پھلانگتا نکل گیا۔

آج تک کوئی درندہ خانہ بدوشوں کے گھیرے سے زندہ بچ کر نہ گیا تھا۔ وہ بھی دم بخود رہ گئے۔ کیونکہ ببر شیر غیر معمولی قد و قامت رکھتا تھا۔ ساری عمر جنگلوں میں گھومنے پھرنے کے باوجود انہوں نے اتنا اونچا اور لمبا شیر نہ دیکھا تھا۔ اس کا قد چار فٹ اور طول دس فٹ سے کم ہرگز نہ تھا۔

درندہ زخم کھا کر گڑھی بکرم کی چراگاہوں کی طرف نکل گیا۔

یہ جنگل جس میں خانہ بدوش خیموں کی بجائے گھاس پھوس کے جھونپڑوں میں رہتے تھے کم و بیش ڈیڑھ دو میل کے رقبہ میں پھیلا تھا۔ جگنا بن یہاں سے سات آٹھ کوس دور تھا۔ درمیان میں چند پہاڑیاں، کائی کے میدان اور ندی نالے حائل تھے۔

اس جنگل میں خونخوار درندے نہ تھے شاید انسانوں کی آمد و رفت کے باعث

لے کر دوڑتے، راستوں کی ناکہ بندی کرتے ــــــ مشعلیں جلاتے اور درندے کو مار گراتے یا جنگل کی طرف واپس بھگا دیتے تھے۔

جنوب کی طرف سے کبھی کبھار شکاریوں کے گروہ آتے اور ان بستیوں کے پاسی، کاچھی گوند اور میگھواڑ رہنمائی اور مدد کے لیے ساتھ ہو لیتے۔ یہ مُفت کی بیگار نہ ہوتی، شکاری فی کس ایک اٹھنی روزینہ اور کھانا دیتے تھے۔ جنگل سے قریباً آدھ پون میل ادھر کھلے میدان میں خیمے نصب کرتے، جہاں سے لمبی لمبی گھاس، کائی اور چھتری دار جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ اس میدان میں ایک نالہ شمال سے جنوب کی طرف بہتا جو پہاڑی چٹانوں میں شور مچاتا، جنگل میں پیچ و خم کھاتا اور میدان کے سینہ پہ رقص کرتا لہراتا آگے بڑھ جاتا اور دُور جا کر شمال مغرب سے آنے والے ایک دریا میں گرتا تھا۔

جنگل اور میدان کے درمیان اُونٹ کے کوہان کی طرح زمین اُبھر کر ایک منڈیر کی شکل اختیار کر گئی اور جنگل کے ساتھ ساتھ کئی میل تک چلی گئی تھی۔ دُور سے یہ ایک سر سبز دیوار ہی نظر آتی تھی۔ کائی اور گھاس کے جنگل میں کہیں کہیں ٹنڈ منڈ درخت بھی تھے یہ قطعہ چوہوں، سانپوں، نیولوں، گوہوں، سانڈوں، گرگٹوں اور اسی نوع کے رینگنے والے جانوروں کی جنّت تھی۔

چھتری دار جھاڑیوں میں خرگوش بھی پھُدکتے اور گھاس کترتے تھے۔ ہرن، چکارے پاڑھے اور بارہ سنگھے بھی چرتے نظر آتے تھے مگر جب جنگل کا بادشاہ شکار یا قیلولہ کی نیت سے اِدھر کا رُخ کرتا، آن کی آن میں گھاس کا جنگل خالی ہو جاتا۔ جانور چوکڑیاں بھرتے اور آندھی کے جھونکوں کی مانند اُڑتے چلے جاتے حتّٰی کہ خرگوش اور نیولے بھی جھاڑیوں میں دبک جاتے، چاروں طرف وحشت انگیز، ہولناک سنّاٹا برسنے لگتا جیسے یہاں کبھی زندگی کے آثار ہی نہ تھے۔

جگنا بن میں شیر دہاڑتے، ہاتھی چنگھاڑتے، گیدڑ ہوانکتے، بھیڑیے غرّاتے اور چلّاتے تھے۔ کبھی کبھار درندوں کی آوازیں نواحی بستیوں اور گڑھیوں میں بھی سُنی جاتی تھیں مگر درندوں کی ہمسائیگی نے اس علاقہ کے باشندوں کو بھی جانوروں کی طرح نڈر بنا دیا تھا۔

جگنا بن کے ساتھ ساتھ ایک راستہ اگلے وقتوں سے مشرق سے مغرب کی طرف جاتا

شام کے اندھیرے پھیل رہے تھے گڑھی کے لوگ برچھیاں، بھالے اور مشعلیں لے کر نکلے، انہوں نے تلاؤ کو گھیر لیا۔ مشعلوں کی تھرتھراتی، کپکپاتی شعاعیں چاروں طرف سے ہولے ہولے آگے بڑھنے لگیں۔ باؤلی کے قریب انہوں نے درندے کے غرانے کی آوازیں سُنیں، شاید وہ اپنے شکار کو ادھیڑنے میں مصروف تھا مگر مشعلوں کی روشنی جب باؤلی کے کنارے پر تھرتھرائی شیر ایک خوفناک گرج کے ساتھ اُچھل کر باہر نکلا اور خوفناک آنکھوں سے اِرد گرد پھیلے مشعل بردار انسانوں کو گھورنے لگا۔

اتنا قد آور اور طویل ببر دیکھ کر لوگ شاید حیرت و دہشت سے آگے نہ بڑھے مگر آدم خور خطرے کو بھانپ کر ایک آدمی پر لپکا اور اسے زخمی کر کے صاف نکل گیا۔ اگرچہ کئی بھالے اس کے تعاقب میں لپکے لیکن ایک بھی کارگر نہ ہوا۔

شیر نے گڑھی بکرم سے بندھیل گاؤں کا رُخ کیا۔ لوگ زخمی کو اُٹھا کر لوٹ آئے۔

گڑھی کے ٹھاکر ادھے راؤ نے اپنی توڑے دار بندوق سنبھالی اور دوسرے روز چالیس مردوں کو ساتھ لے کر جو برچھی بھالے سے مسلح تھے گڑھی سے نکلا اور بندھیل گاؤں کی طرف چل دیا۔ ادھر بھی راستہ میں ایک جنگل پڑتا تھا۔ پاسیوں، کاچھیوں اور گوندوں نے جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا مگر آدم خور کا کوئی نشان نہ مل سکا۔ تیسرے پہر ایک کاچھی خبر لایا کہ اس نے مہرولی کی جھیل کے درختوں میں شیر کو دیکھا ہے۔

مہرولی جھیل یہاں سے ایک ڈیڑھ کوس پر تھی۔ اودے راؤ اپنے ہمراہیوں سمیت اس طرف چل دیا۔ اس نے دو فرلانگ ادھر ہی پانچ مورچے لگائے خود ایک مچان باندھ کر بیٹھ گیا اور پندرہ آدمیوں کو ہانکے کے لیے بھیج دیا کہ شیر کو مچان کی طرف گھیر لائیں۔ ہانکا کرنے والے پرہ باندھ کر لوہا بجاتے اور "ہو..... ہا..... ہو" کرتے ایک کنارہ سے آگے بڑھے۔ نصف میل کا طویل رتسہ گھاس اور کائی میں سرسرانے لگا۔ آدم خور نے ایک کھڈ سے سر اُبھار کر کائی میں سرسراتی لہر دیکھی جو دمبدم آگے رینگتی آرہی تھی پھر گھاس میں چلتا مچان کی طرف بڑھا۔

سُورج غروب ہونے ہی نصف پہر باقی تھا۔ سنہری دھوپ لمبی لمبی گھاس اور کائی پر چمک رہی تھی، ہولے ہولے اس کی تمازت گھٹ رہی تھی۔ شام کا ملگجا اندھیرا اترنے ہی والا تھا۔ جب ایک گوند نوکر نے مچان پر سے لہراتی گھاس پر نظر ڈالی اور ٹھاکر کو بتایا

وہ جگنا بن کی طرف بھاگ گئے تھے، لومڑیاں، گیدڑ، ہرن، نیل گائے اور خرگوش آئے دن بنجاروں کا شکار ہوتے تھے۔

خونخوار درندہ نے پھر اِدھر کا رُخ نہیں کیا۔ بنجاروں نے چاروں طرف حفاظتی مچان باندھ لیے جن پر تین تین چار چار جوان برچھے لیے دن رات پہرہ دیتے۔ غالباً شیر نے بھی اپنے خطرناک حریف کی سفاکانہ قوت کو بھانپ لیا تھا۔ وہ گڑھی بکرم کی چراگاہوں میں گھومتا ہُوا کھیتوں کی طرف ہو لیا۔

پہلے روز ایک گھوسی اس کا شکار ہُوا، دوسرے دِن ایک کسان لقمہ بنا، تیسرے دِن اس نے کھیتوں میں ایک عورت کو ہلاک کیا۔ پھر تو روز ہی کوئی نہ کوئی آدمی غائب ہونے لگا حتیٰ کہ جب سترہ اٹھارہ بوڑھے بچّے اور جوان جن میں تین عورتیں بھی تھیں حیرت انگیز طور پر "اغوا" ہو گئے تو گڑھی میں دہشت و سراسیمگی پھیل گئی۔ ضعیف الاعتقاد لوگ کسی آدم خور بلا کے تصوّر سے کانپنے لگے۔ دروازے سرِ شام بند ہونے لگے۔ لوگوں نے گڑھی سے نکلنا چھوڑ دیا۔

زیادہ حادثات اس کچّے تلاؤ کے آس پاس ہوئے جو گڑھی سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر درختوں کے ذخیرہ میں واقع تھا۔ یہاں پتھروں کی ایک پرانی باؤلی بھی تھی جس نے گرد و غبار اور خس و خاشاک کے تودوں کی وجہ سے ایک گڑھے کی شکل اختیار کر لی تھی۔

شیر نے اسی باؤلی کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ سارا دن چُپ چاپ باؤلی میں پڑا رہتا اور جونہی شام کا اندھیرا پھیلنے لگتا اپنی کمین گاہ سے نکل کر شکار کی تلاش میں چل دیتا ——— پھر کوئی نہ کوئی بدقسمت اس کا لقمہ بن ہی جاتا تھا۔ شیر اپنے شکار کو منہ میں دبا کر باؤلی میں چلا آتا یہی وجہ تھی سترہ اٹھارہ افراد کی پُراسرار گمشدگی کے باوجود شیر کسی کو نظر نہ آیا تھا۔

انسانوں کے علاوہ گائیں، بچھڑے اور بھیڑ بکریاں بھی غائب ہوتی رہیں اور لوگ خوف و دہشت سے لرزنے لگے۔

ایک روز چندرا مکھی کا ایک گوالا اپنی گائے کو لے کر گڑھی کی طرف آ رہا تھا جونہی وہ کچّے تلاؤ کے پاس آیا آدم خور نے درختوں کے جھنڈ سے نکل کر ناگہاں حملہ کر دیا۔ گوالے کی قسمت اچھی تھی وہ تو جان بچا کر بھاگ آیا لیکن اس کی گائے شکار ہو گئی۔ یہ پہلا آدمی تھا جس نے شیر کو کچے تلاؤ کے جھنڈ میں گھستے دیکھا تھا۔

پروہت نے دیو مالا کی کہنہ مذہبی حکایات کا ورق الٹا اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو بتایا کہ کئی سورما مہابیر رشی شیروں اور چیتوں کا جنم لیتے رہے ہیں بلکہ اُتر کے پربتوں میں مشہور یوگی گنگو جی نے تین مرتبہ ہاتھی کے رُوپ میں جنم لیا تھا۔ کہتے ہیں گنگا ہاتھی ہی جس کا نام گنگو جی کی نسبت سے مشہور ہوا انہی کی رُوح تھی۔ اس ہاتھی نے دو صدیاں پہلے جنگل سے نکل کر بے شمار بستیوں کو تاراج کیا اور بیسیوں لوگوں کی جانیں لی تھیں۔ برہمن اور پروہت "گنیش دھاری" اور "گنگو چاری" کہہ کر اس کی پوجا کرنے لگے تھے۔

گڑھی بکرم کے باشندوں نے ان حکایات کو پوری عقیدت سے سنا۔ پروہت کہنے لگا۔

"گنگوا ہاتھی کی طرح اس شیر کی چمتکار بھی ضرور کسی دیوتا کے کرودھ کی علامت ہے کوئی نہ کوئی قہر آنے والا ہے"۔ حالانکہ آدم خور مجسم قہر بنا پھرتا تھا۔

جب لوگوں نے ٹھاکر اودھے راؤ کو ان خبروں سے مطلع کیا وہ بستر پر تڑپ اٹھا اسے بھیل سردار اور اس کے گھوڑے کی ہلاکت کی خبر بھی سنائی گئی۔ ٹھاکر شیر کی طرح گرجا اس نے کہا۔

"پروہت کہا بات کرے، مُورکھ ناہیں جانت دیوتا ماس نہ کھاوت ہیں، پر یہ باگھ آدمیوں کو کھاوے ہے..... بھلے ہمری ٹانگ ٹھیک ہووت تو ہم آپ سکار کرت ہیں اس کھوُنی کا......."

پھر ایک لمحہ خاموش رہ کر ٹھاکر کو جیسے کوئی بات یاد آ گئی تشویش انگیز لہجے میں بولا۔

"ارے ساوُجی! بہت مندا ہویو، وہ بھیل سوار چاند نگر سے آوت اور کسی بنجارے کو ڈھونڈت رہن تھا ——— تو جاکر اس کا مُردہ اُٹھائے لا، چاند نگر کی سرکار کو کھبر لاگیو تو کہا کھبر ہمرے ہی سر کھوُن لگا دیوے......."

دوسرے پہر ساوُجی حیران و پریشان واپس آیا اس نے بتایا کہ بھیل سردار کی لاش غائب ہے۔ شاید آدم خور اُسے اُٹھا کر لے گیا ——— ٹھاکر اودھے راؤ نے خبر سنی تو کسی فکر میں ڈوب گیا۔ ساوُجی نے پوچھا۔

"کا سوچت ہو ٹھاکر ———! بھلا ہمری اور چاند نگر کی کہا لڑائی ———؟"

مگر ٹھاکر اودھے راؤ نے کوئی جواب نہ دیا۔

کہ ہانکا کرنے والوں کے رستہ کی لہر تو دُور اور بہت لمبی ہے لیکن یہ نصف فرلانگ کے فاصلہ پر پیدا ہونے والی لہر کیسی ہے ؟ اودھے راؤ نے بندوق سنبھالی' لہراتی اور جھولتی گھاس پر شست باندھی لیکن دشمن نظر نہ آیا وہ تو جیسے کوئی چھلاوہ تھا۔ سانپ کی مانند کائی میں رینگتا نہ جانے کدھر سے اچانک پہلو کے ٹیلے پر نمودار ہوا جو مچان سے پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ گوندنو کر نے فوراً توجہ دلائی۔ ٹھاکر بجلی ایسی تیزی سے مڑا مگر جب تک وہ شست لیتا۔ شیر نے کچلیاں چمکا کر ٹیلے سے جست بھری اور ہوا میں اڑتا سیدھا مچان پر آیا۔ فائر بھی ہوا' سنسان فضا بھی دھماکے سے کانپ اُٹھی لیکن درندے کا بال بھی بیکا نہ ہو سکا۔ اودھے راؤ کا نشانہ بھی خالی گیا اور شیر کے کودتے' بندوق سمیت مچان سے بھی گرا۔ اس کے ساتھ گوندنوکر بھی زمین پر آ رہا لیکن نیزہ بردار پاسی جو درخت کے تنے سے لگ کر کھڑا تھا شیر کے پنجوں میں آگیا۔ ایک دو لمحے لرزہ خیز غراہٹیں اور پاسی کی روح فرسا چیخیں گونجیں پھر آدم خور نے شکار کو دانتوں میں دبا کر چھلانگ لگائی اور لمبی کائی میں غائب ہو گیا۔

ٹھاکر اودھے راؤ فضا میں اُڑتے پرندوں کو مار گراتا تھا' گڑھی میں اس کے نشانہ کی دھوم تھی مگر زندگی میں پہلی مرتبہ اسے شکست و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مزید چرکا یہ لگا کہ مچان سے گر کر پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چلنے پھرنے سے بیکار ہو گیا۔ ایک پاسی کو بھینٹ چڑھا کر اور ایک ٹانگ سے معذور ہو کر وہ ناکام و نامراد گڑھی میں لوٹ آیا۔

اس مہم کے بعد کچھ دن گڑھی بکرم کے نواح میں سکون رہا اور کوئی حادثہ نہ ہوا۔ لوگ جو آدم خور بلا کے خوف سے گھروں میں دبک گئے تھے پھر باہر نکل آئے۔ البتہ شام سے بہت پہلے گھروں کو لوٹ آتے۔ حادثوں کی خبریں اب بندھیل گاؤں سے آنے لگیں۔ پانچویں چھٹے روز گڑھی بکرم کے آس پاس پھر خوف و ہراس پھیل گیا مگر لوگ ہوشیار ہو چکے تھے۔ مسلح ہو کر نکلتے اور آدم خور کو گڑھی سے دُور بھگا آتے تھے۔ کسی آدمی کا بھالا ، برچھا اسے زخم نہ لگا سکا۔ جس سے لوگوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

ایک روز گڑھی بکرم اور چندا مکھی کے درمیان جنگل کنارے ایک نالے کے پاس کسی بھیل سردار کو خون میں لت پت دیکھا گیا' چند ہی قدم کے فاصلے پر اس کا گھوڑا بھی مرا پڑا تھا۔ اس واقعہ سے گڑھی میں پھر سراسیمگی پھیل گئی۔ نجانے پروہت کو کیا سوجھی کہنے لگا' اس آدم خور شیر میں ضرور کسی دیوتا کی آتما ہے۔ ورنہ وہ ٹھاکر اودھے راؤ کی گولی سے نہ بچتا بلکہ الٹا ٹھاکر ہی زخمی ہوا ———— یہ بات چل نکلی' پھر دھرم پرش

کے خیمے سامنے کھڑے کیے گئے ۔ درمیان میں گھوڑے باندھنے کے لیے بڑی بڑی چوبی میخیں گاڑ دی گئیں ——— یہ ایک ریاستی امیر کی بارگاہ کا نقشہ تھا۔ سراپردہ کے صحن میں شہزادہ نے مچان باندھنے کا حکم بھی دیا ۔

پڑاؤ ڈالتے ہی چند بھیل سواروں کو اِدھر اُدھر روانہ کر دیا گیا کہ وہ آدم خور کے متعلق معلومات حاصل کر سکیں ۔ شام سے قبل معلوم ہو گیا۔ شیر آج کل اسی علاقہ میں گھومتا ہے جہاں پڑاؤ ڈالا گیا ۔ ولی عہد نے ہدایت کر دی رات کو پڑاؤ کے چاروں طرف آگ روشن کی جائے اور اگر درندہ آئے تو اس پر حملہ نہ کیا جائے ۔ صرف نگاہ رکھی جائے مگر گھوڑوں کی حفاظت ضروری ہے ۔

لوگ اس عجیب و غریب اعلان پر حیران و ششدر رہ گئے ۔

بھیل اِدھر اُدھر بکھر کر حیدری کے متعلق معلومات حاصل کرتے رہے ۔ گڑھی بکرم کے ٹھاکر کو جب پتہ چلا کہ چاند نگر کے بھیل کسی امیر کی قیادت میں آدم خور کا شکار کھیلنے آئے ہیں تو اس نے اپنے نائب ساؤجی کو بھیجا تاکہ وہ نہ صرف حیدری کی ہلاکت کے متعلق وضاحت کرے بلکہ سردار کو گڑھی میں قیام کی دعوت دے مگر شہزادہ نے ادھے راؤ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد صاف الفاظ میں جواب دیا کہ وہ آرام کرنے نہیں شکار کرنے آیا ہے ۔ اس نے ٹھاکر کی عیادت پوچھی اور ساؤجی کے ہاتھ اس کے لیے ایک توڑے دار بندوق تحفہ میں بھیجی ساؤجی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خوشی خوشی لوٹ گیا ۔

صادق کا خیال تھا، شیر کو پڑاؤ میں آنے کا موقع نہ دیا جائے بلکہ ولی عہد جانبازوں کو ساتھ لے کر خود اس کے ٹھکانے پر حملہ کریں ۔

"مگر مصیبت ہے اس کا ٹھکانہ کسی کو معلوم نہیں"

صادق کو بختیار مرزا کی یہ بات شاید بری لگی ۔ اس نے ناک بھوں چڑھائی اور تنک کر بولا۔ "ٹھکانہ ڈھونڈنے ہی سے معلوم ہو گا ۔ آدم خور کو اتنا موقع ہی نہ دینا چاہیے کہ وہ کسی پر حملہ کر سکے"۔

"لیکن ہمیں تو آرام کا موقع دو ۔ ابھی سفر کی تھکان بھی نہیں اتری جسم ٹوٹ رہے ہیں ۔ چار دن کا سفر ڈیڑھ دن میں طے کرنا لڑکوں کا کھیل نہیں ......"

صادق نے فوراً بختیار مرزا کی بات کاٹی ۔

ولی عہد قاسم اپنے قافلہ کے ہمراہ سیدھا گڑھی بکرم کی طرف آیا تھا۔ وہ پاسی جس نے منصور کاکا کو بھیل سردار کی موت کی خبر دی تھی قافلہ کے ساتھ ہی تھا۔

چاند نگر کی شاہی فوج کے جسیم پلے ہوئے گھوڑے جو ہوا سے باتیں کرتے تھے، چھپے نہ رہ سکے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ آدم خور شیر کو ہلاک کرنے کیلئے چاند نگر سے فوجی سوار آئے ہیں۔ خبر کچھ غلط بھی نہ تھی۔ ولی عہد کا مقصد شیر کا شکار ہی تھا مگر نجانے کیا مصلحت تھی۔ اس نے اپنے ہمراہیوں کو تاکید کر دی کہ اس سفر میں کوئی شخص اسے شاہی القابات سے یاد نہ کرے۔ مقصد یہی تھا کسی کو اس کی شاہی حیثیت کا علم نہ ہونے پائے۔

جگنا بن کی سمت وہ ایک شکاری بن کر آیا تھا۔

پاسی رہنما انہیں بندھیل گاؤں اور گڑھی بکرم کے درمیان مہرولی جھیل کے ساتھ ساتھ لے کر چلا جہاں ٹھاکر اودھے راؤ نے مچان سے گر کر چوٹ کھائی اور ایک گوند نوکر کو بھینٹ چڑھایا تھا۔ گھوڑے اگرچہ اسی نوے میل کا سفر کر چکے تھے پھر بھی تازہ دم معلوم ہوتے تھے۔ بگولوں کی طرح چھوٹے چھوٹے جنگلوں، چراگاہوں اور کھیتوں سے گزرتے رہے۔

تیسرے پہر وہ ٹھیک اس نالے پہ کھڑے تھے جہاں حیدری کی لاش دیکھی گئی تھی۔ منصور کاکا نے اس کے گھوڑے کو شناخت کر لیا جسے گدھ نوچ رہے تھے۔ بوڑھے حیدری کا ایک بازو بند بھی پڑا مل گیا لیکن یہ بات حیران کن تھی اس کی لاش کہاں غائب ہو گئی —— ہو سکتا ہے کوئی درندہ ہی گھسیٹ کر لے گیا ہو۔

نالے سے چند ہی قدم کے فاصلہ پر وہ جنگل شروع ہوتا تھا جس کے اندر خانہ بدوشوں کی بستی آباد اور گڑھی بکرم کم سے کم چار کوس پر تھی۔ اگرچہ منصور کاکا اور میر شکار بخشی نے یہی مشورہ دیا کہ انہیں شکاریوں کی حیثیت سے گڑھی میں قیام کرنا چاہیئے۔ ٹھاکر اودھے راؤ کی حویلی بہت وسیع ہے مگر شہزادہ نے جنگل کی طرف ہٹ کر پڑاؤ ڈالنے اور گلال بار نصب کرنے کا حکم دیا۔

چند ہی لمحوں کے اندر جنگل میں منگل ہو گیا۔ میر شکار کے آدمیوں نے لکڑی کی خیمہ گاہ کھڑی کر دی۔ جس کی ہیئت کسی حویلی کے مشابہ تھی۔ سو گز طول اور سو گز عرض میں چاروں طرف "چوبی قناتیں" بالکل کسی حویلی کی دیواروں کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔ گلال بار کے دائیں بائیں اور عقب میں بھیل سواروں کی چھولداریاں نصب ہوئیں۔ صادق اور اس کے جانبازوں

"صادق! کیا تم نہیں چاہتے تمہیں سپہ سالار بنا دیا جائے؟"
اس نے حیرت و تعجب سے اپنی پلکیں بار بار جھپکائی تھیں جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔
"کیوں نہیں ——— حیدر جنگ مجھ سے زیادہ بہادر نہیں"۔
"لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جب ولی عہد قاسم شمالی جنگلوں سے لوٹ کر نہ آئے۔ اس کی موت کے بعد کمپنی سرکار چاند نگر کے تخت و تاج کے لیے میرے علاوہ کسی دوسرے آدمی کا انتخاب نہیں کر سکتی ———"
اس کے ساتھ جعفر نے اشرفیوں کا توڑا اور زہر میں بجھا ہوا ایک خنجر صادق کی طرف بڑھا دیے تھے۔
"تم اُن جنگلوں سے واقف ہو جہاں سے آدمی لوٹ کر نہیں آسکتا۔ ولی عہد کو انہی جنگلوں کی طرف لے جاؤ اگر وہ کسی درندے کا لقمہ نہ بن سکے تو یہ لو خنجر ——— مجھے تمہارے نشانے پر اعتماد ہے"۔
صادق کی آنکھیں کسی بھیڑیے کی مانند چمک اٹھی تھیں۔
اور اب چاند نگر سے کوسوں دور صادق اپنے "شکار" کو خیمہ گاہ سے باہر نکالنے کے لیے دام بچھا رہا تھا۔
"صاحب عالم ——— ! درندہ ابھی نئے شکاریوں سے بے خبر ہے۔ اسی بے خبری میں اسے مار لینا آسان ہے۔ اگر وہ خبردار ہو گیا تو شاید مشکل سے ہاتھ لگے درندے بھی چھٹی حس رکھتے ہیں اور خطرے کو بھانپ کر نکل جاتے ہیں"۔
مگر بختیار مرزا کی چھٹی حس جنگل میں پڑاؤ ڈالتے ہی بیدار ہو چکی تھی۔ صادق کی کینہ توز نگاہوں نے اسے ہوشیار کر دیا تھا۔ اب اس نے بھی پینترا بدلا۔
"بے شک ——— بے شک بے خبری کی حالت میں حملہ بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن درندے کی چھٹی حس ...."
"میں بے خبری میں حملہ پسند نہیں کرتا خواہ وہ آدم خور درندے پر ہو۔ میں نے شیرنی ماں کا دودھ پیا ہے اپنے دشمن کو للکار کر ماروں گا......"
صادق کا منہ لٹک گیا اور بختیار مرزا اُچھل کر مؤدب کھڑا ہو گیا۔ پھر گردن جھکائے

"اگر آرام کرنا تھا تو آپ شکار پہ آئے ہی کیوں تھے؟"

"کہتے ہو تو آج رات آرام کر کے صبح لوٹ جاؤں گا مگر اس حالت میں آدم خور شیر تو کیا میں کسی مریل سی گیدڑی کا بھی شکار نہیں کر سکتا ——— تم صاحب عالم کو لے جاؤ اور جھونک دو کسی کچھار میں"۔

یہ بات سن کر صادق کا رنگ متغیر ہو گیا، پھٹی پھٹی نظروں سے بختیار کو دیکھنے لگا۔ تینوں گلال بار کے ایک آراستہ کمرے میں بیٹھے تھے۔ میر شکار بخشی خیمہ گاہ میں بھیل سواروں کو مناسب جگہوں پہ آگ روشن کرنے کی ہدایات دینے نکل گیا تھا۔ شاہی خدام خیموں کے درمیان شام کے کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ انہوں نے نیل گائے اور دونوں ہرن آگ پر چڑھا دیئے تھے جنہیں راستہ میں شکار کیا تھا۔

سپاہی چھولداریوں کے باہر گھاس پر لیٹے بدن سیدھے کر رہے تھے۔ وہ بھیل سوار بھی لوٹ آئے جو ولی عہد کی ہدایت پر اِدھر اُدھر معلومات حاصل کرنے گئے اور اس وقت بھوک اور تھکاوٹ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ البتہ شاہی خدّام جاق و چوبند اور بھاگ دوڑ میں مصروف تھے اُنہیں حکم تھا سورج غروب ہوتے ہی شام کا کھانا لگا دیا جائے۔

سورج کی بنفشی اور کیسری شعاعیں درختوں کی چوٹیوں پہ رنگ بکھیر رہی تھیں اور خورشید کا قرص شعلے اُگلتا مغربی پہاڑوں کے عقب میں اُتر رہا تھا۔ اسی جھٹپٹے میں آدم خور اپنی کمین گاہ سے نکل کر شکار کی تلاش میں پھرتا اور بستیوں کا رُخ کرتا تھا۔ خطرہ کے پیشِ نظر منصور کاکا نے چند بھیل سواروں کو طلایہ گردی پہ مقرر کیا تھا۔ جو ایک فرلانگ کے فاصلہ سے خیمہ گاہ کے اِرد گرد گھوم رہے تھے۔ بالخصوص آج رات جب اکثر سپاہی تھکن سے چُور تھے وہ بہت محتاط رہنا چاہتا تھا۔

صادق کے جانباز بھیلوں سے الگ تھلگ ہی تھے۔ ان کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں ——— بھیلوں کے عروج سے پہلے یہی جانباز چاندنگر کے قلعہ اور محلّات کی حفاظت کرتے مگر آج کل بھیل اس خدمت پہ مامور تھے۔ غالباً نفرت کا سبب یہی تھا ——— یا پھر ممکن ہے وزیرِ سلطنت جعفر نے چاندنگر سے روانگی کے وقت انہیں بھی سفر کی غرض و غایت سے آگاہ کر دیا ہو۔ روانگی سے قبل اس نے صادق سے بڑا دلچسپ اور معنی خیز سوال کیا تھا۔

گلال بار کے اردگرد متعدد مشعلیں روشن تھیں جن میں سڑتی جلتی چربی " تڑ تڑ ......" کی آواز میں جل رہی تھی ۔ غلام پیشہ میں نوکروں اور حاجبوں کے خراٹے گونج رہے تھے جیسے برساتی مینڈک ٹرّا رہے ہوں ۔ ہر سمت غنودگی اور غفلت کی لہر رواں تھی ۔ صرف گلال بار کے دروازے پر دو بھیل جوان کاندھوں پر توڑے دار بندوقیں رکھے اور لمبے لمبے بھالے تھامے چل پھر رہے تھے مگر ان کے قدموں کی چاپ اس قدر مدھم تھی کہ چند گز کے فاصلہ ہی میں تحلیل ہو کر رہ جاتی تھی ۔ شاید اس احتیاط کا مقصد یہ رہا ہو کہ ولی عہد کی نیند میں خلل نہ پڑ سکے ۔

تاریک رات کے اندھیروں میں جنگل " بھائیں بھائیں" ـــــــ " سائیں سائیں" کر رہا تھا ۔ جھینگروں اور مینڈکوں کی مسلسل " جھیں جھیں " ٹیں ٹیں " کی موسیقی رات کی دہشت خیزی میں اضافہ کر رہی تھی ۔ چاروں طرف ہُو کا عالم طاری تھا لیکن خیمہ گاہ میں صرف صادق کے جانباز شاید ابھی تک نہ سو سکے تھے کیونکہ ان میں بعض کروٹیں بدل رہے تھے ۔ بعض گھوڑوں کے زینوں اور نمدوں سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور بار بار چھولداریوں کے غرفوں سے باہر جھانک رہے تھے ۔

نصف رات کے بعد جب گلال بار کے اردگرد پہرہ دینے والے بھیل سپاہیوں کی رفتار بھی بدل گئی اور نیند کے خمار سے ان کے قدم لڑکھڑانے لگے ۔ ایک پہرے دار تھک کر اس اونچے اور بھاری پتھر پر بیٹھ گیا جو چوبی سراپردہ کے دروازہ سے چند قدم کے فاصلہ پر ایستادہ تھا ۔ پتھر پر بیٹھنے کے بعد اس نے تین چار مرتبہ سر اٹھا کر دیکھا، دُور سے طلایہ گرد گھوڑوں کی ہلکی ہلکی ٹاپیں سنائی دے رہی تھیں اور اندھیرے میں ان کے متحرک سائے بھی سیاہ دھبوں کی صورت نظر آ رہے تھے ۔ بھیل پہرے دار نے مطمئن ہو کر گردن جھکالی پھر وہ پتھر پر بیٹھے بیٹھے نیند کی جھونک لینے لگا ۔

دوسرا محافظ بدستور گھوم رہا تھا لیکن اس اطمینان کے ساتھ کہ اس کا ساتھی دروازے کی طرف بیٹھا ہے وہ گلال بار کے عقبی گوشے کو ناپنے لگا ۔

رات کے وحشت خیز سناٹے میں شمالی پہاڑوں کی سرد ہوائیں سنسنا رہی تھیں ـــــ دُور جنگل میں درختوں کے پتے بھیانک تالیاں بجا رہے تھے ۔ خیمہ گاہ کی خاموش فضا میں شعلوں کی چیخ تھی یا مشعلوں میں جلتی چربی کی تڑ تڑ ۔

ہاتھ کو پیشانی کی طرف جنبش دیتا ہوا بولا۔

"صاحبِ عالم! آپ نے وہ بات کہی ہے جس پر سینکڑوں شیر قربان ہو سکتے ہیں چاند نگر کی طرح اگر میں بھی کسی زہرہ نگر، زحل گڑھ، عطارد آباد یا مشتری پور کا ولی عہد ہوتا تو پوری سلطنت حضور کے اس ایک فقرے پر نچھاور کر کے بن باس لے لیتا ــــــ بہادر دل کو بہادر دشمن سے بہادروں کی طرح للکار کر لڑنا چاہیے ــــــ"

قاسم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی مگر صادق کے چہرے پر جھنجلاہٹ اور ناکامی کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔ ولی عہد نے فیصلہ سنایا۔

"آج رات ہم آرام کریں گے۔ کل شکار کے لیے نکلیں گے۔"

چوبی سراپردہ کے دروازے پر مطبخ کا داروغہ صادق سے ٹکرا گیا۔ وہ ایک بگولے کی طرح تیزی کے ساتھ شاہی گلال بار سے نکل رہا تھا اور اپنی تجویز کی ناکامی پر کسی زخمی بھیڑیے کی طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ داروغہ مطبخ گلال بار کے دروازے پر متحیر و ششدر کھڑا اسے دیکھتے ہی رہ گیا اور گلال بار کے آراستہ کمرے میں بختیار مرزا کہہ رہا تھا۔

"صاحبِ عالم ــــــ! آج رات ہوشیار رہیئے گا۔ مجھے صادق کی آنکھوں میں بے اعتمادی کی جھلک نظر آرہی ہے۔"

اسی لمحے داروغہ مطبخ نے اطلاع دی کہ خاصہ تیار ہے۔

خیمہ گاہ میں جگہ جگہ الاؤ دہک رہے تھے۔ شعلوں کی تھرتھراتی روشنی خیموں اور چھولداریوں کے حاشیوں پر منعکس ہو رہی تھی۔

تین تین سواروں کی چار ٹکڑیاں خیمہ گاہ سے صرف نصف فرلانگ کے فاصلہ پر طلایہ گردی کی خدمت انجام دے رہی تھیں انہیں حکم تھا اگر وہ درندے کو دیکھ لیں تو ایک طرف ہٹ جائیں اور اسے آنے دیں، وہ اس حکم کی نوعیت سمجھنے سے قاصر تھے ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں خیموں کے اندر سنی جا سکتی تھیں لیکن خطرہ کے باوجود سفر کی تھکاوٹ نے سپاہیوں پر غفلت کی نیند طاری کر دی تھی۔ ممکن ہے آدم خور کے ڈر سے چند سپاہی جاگ بھی رہے ہوں مگر چاروں طرف ایک وحشت ناک سناٹا ہونک رہا تھا۔ اس سناٹے میں جلتی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز بھی بھیانک معلوم ہو رہی تھی۔

درمیان میں چھ سات فٹ چوڑا سراچہ تھا جس میں دونوں سمت تین فٹ چوڑی صندل کی پانچ پانچ محرابیں ستونوں پر کھڑی تھیں۔ یہ ایک قسم کی غلام گردش تھی لیکن اس ترتیب سے آراستہ کی جاتی کہ دائیں بائیں کی محرابیں خوابی کمروں میں کھلتی تھیں۔

سراچہ کے فرش پر کھڑے ہو کر ایک لمحہ اُس نے دائیں سمت دیکھا بختیار کے کمرہ میں مسہری پر کوئی شخص کمبل اوڑھے کروٹ بدل کر لیٹا تھا۔ بائیں کمرے میں ولی عہد کی مسہری بھی نظر آ رہی تھی اگرچہ وہ سراچہ ہی میں کھڑے ہو کر خنجر پھینک سکتا تھا جو انتہائی مہلک زہر میں بجھا ہوا تھا اور جس کی معمولی خراش بھی انسان کی زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی لیکن یہاں سے حملہ کرنے میں خطرہ صرف یہ تھا کہ ولی عہد کی چیخ سُن کر بختیار مرزا اور بوڑھا مصاحب اسے سراچہ ہی میں گھیر سکتے اور جوابی حملہ کر سکتے یا روشنی میں اسے پہچان سکتے تھے۔ وہ اس قسم کا کوئی خطرہ مول نہ لینا چاہتا تھا —— پھر افراتفری اور جلدی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آج رات موت کے ہاتھوں نے جواں سال ولی عہد کو تھپک تھپک کر سلایا تھا پھر جوانی کی نیند ویسے ہی قیامت ہوتی ہے۔ صورِ محشر سُن کر بھی آنکھ نہیں کھلتی۔ صادق بڑی سرعت کے ساتھ دبے پاؤں سراچہ سے نکلتا چلا گیا اور ایک بڑے کمرہ سے ہوتا بائیں جانب اس گلی میں آ گیا جو "مہتابی" کے ساتھ ساتھ ولی عہد کی خواب گاہ تک پہنچتی تھی۔

حملہ کے بعد وہ یہاں سے بہ آسانی فرار ہو سکتا تھا۔ "مہتابی" دو قدم پر تھی۔ جس سے گزر کر وہ بیرونی دیوار پھلانگنے میں کامیاب ہو جاتا۔ ولی عہد کی چیخ کے ساتھ ہی تمام جانباز خیموں سے نکل کر گلال پر ٹوٹ پڑتے اور صادق ان میں شامل ہو کر فرضی قاتل کو تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتا۔ بھاگ دوڑ ہوتی اور اس ہنگامے میں کسے پتہ چلتا کہ خنجر کس نے پھینکا بھاگ دوڑ کا نتیجہ آخر یہی نکلتا کہ قاتل فرار ہو گیا۔

خواب گاہ کا دریچہ اسی گلی میں کھلتا تھا جس میں وہ خنجر بکف کھڑا تھا۔

اس نے زہر آلود خنجر کے قبضہ پر ہاتھ کی گرفت مضبوط کی اور دوسرے ہاتھ سے دریچے کا باریک ارغوانی پردہ ایک طرف سرکا دیا۔ کمرۂ خواب میں صرف ایک مدھم سی قندیل روشن تھی۔ جس کی سسکتی نیم مُردہ سی روشنی میں ولی عہد کی مسہری صاف نظر آ رہی تھی شومئی قسمت سے دریچے کی سمت مسہری کا پردہ بھی کھلا ہوا تھا مگر لیٹنے کے انداز سے صادق نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ برگشتہ قسمت شہزادہ کا سینہ دریچہ ہی کی جانب ہے اور

——— اچانک جانبازوں کے خیموں میں پُر اسرار سی حرکت ہوئی پھر ایک سایہ خیموں کی اوٹ سے نکل کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ گھوڑوں کی طرف لپکتا چلا گیا اور تھان کی اوٹ میں دُبک کر بیٹھ گیا۔ چند ثانیے بعد اس نے پھر لہر بھری اور سیدھا گلال بار کی چوبی فصیل کی طرف آیا، چند قدم کے فاصلہ پر پہنچ کر اس نے ایک لمبا نیزہ بڑی پھرتی سے زمین میں گاڑ دیا اور اس کے دوسرے سرے کو پکڑ کر بندر کی طرح ایسی کلانچ بھری کہ دوسرے لمحے وہ گلال بار کی راہداری میں گرا۔ نیزہ بھی اس کے ساتھ ہی چوبی دیوار پھاند آیا تھا لیکن لکڑی سے ٹکرا جانے کی وجہ سے کھڑکھڑاہٹ کی ہلکی سی آواز پیدا ہوئی جسے سُن کر اونگھتے پہریدار نے ہڑبڑا کر گردن اُٹھائی اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

آواز چوبی سراپردہ ہی کی طرف سے آئی تھی لیکن وہاں تو اب کچھ بھی نہیں تھا۔ پُراسرار سایہ دُوسری طرف پھلانگ چکا تھا ——— پہریدار نے جھرجھری لی اور بھالا تھام کر پھر ٹہلنے لگا البتہ جانبازوں کے خیموں سے کئی آنکھیں شاہی خواب گاہ کی طرف جھانک رہی تھیں۔

سراپردہ کے اندر پھلانگنے والا سایہ جانبازوں کے سردار صادق کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ جونہی وہ بانسی نیزے کے سہارے کود کر رہداری میں گرا وہیں دُبک گیا۔ چند لمحے اسی طرح بے حس وحرکت زمین پر پڑا رہا۔ پھر اُٹھ کر دبے پاؤں رہداری میں چلنے لگا۔ بہر حال اتنا اطمینان تو ضرور تھا کہ اس کی ایک آواز پر دس بندوقوں کی شعلہ بار نالیں ولی عہد کی خوابگاہ کے گرد تن جائیں گی۔

صادق سرِشام ہی گلال بار کے سب کمرے دیکھ چکا تھا۔ اس چوبی سراپردہ کے اندرونی حصّہ میں بختیار مرزا اور ایک بوڑھے خادم کے علاوہ اور کوئی متنفس نہ تھا۔ صادق یہ بھی جانتا تھا۔ بوڑھا خادم کہاں سو رہا ہے۔ بختیار کس کمرے میں آرام کرے گا۔ ولی عہد کی آرام گاہ کون سی ہے۔ بلّی ایسے نرم قدموں سے چلتا وہ ڈیوڑھی کے دروازے پر آیا۔ ہلکے ہلکے خراٹوں سے صاف ظاہر تھا کہ بوڑھا خادم خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا ہے۔ صادق دبے پاؤں ڈیوڑھی سے گذر گیا۔

اندر جگہ جگہ قندیلیں روشن تھیں، ان کی روشنی میں صادق نے اپنے خنجر کی دھار دیکھی عہد کی خواب گاہ کی طرف رینگ گیا۔ بختیار مرزا کا کمرۂ خواب اس کے بالمقابل تھا اور

صادق کے خنجر پھینکنے کے بعد جب گلال بار سے ایک لرزہ خیز چیخ بلند ہوئی تو طے شدہ تجویز کے مطابق دس کے دس جانباز جو اس چیخ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے لپک کر خیموں سے نکلے تاکہ شاہی خواب گاہ کی طرف بھاگیں لیکن خیموں سے نکلتے ہی انہیں معلوم ہُوا کہ وہ سب کے سب نیزوں کی زد میں ہیں۔ منصور کا کا بیس بھیل جوانوں کے ہمراہ ان کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ بھیل سردار کے حکم پر جانبازوں سے ہتھیار چھین لیے گئے۔

آن کی آن میں پوری خیمہ گاہ میں ہلچل مچ گئی۔ وہ سپاہی اور خادم جنہیں جگانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی آنکھیں ملتے خود جاگ اُٹھے اور شاہی بارگاہ کی طرف لپکے۔ منصور کا کا جانبازوں کو گرفتار کرنے کے بعد گلال بار ہی کی طرف آیا۔

صادق کی گفتگو سے بختیار مرزا نے سرِشام ہی آنے والے خطرے کو بھانپ لیا اور حفاظت کا بندوبست کر لیا تھا۔ منصور کا کا کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ آج رات اس کے بہادروں کو ایک پل کے لیے بھی غافل نہ ہونا چاہیے اور جونہی کوئی خطرہ محسوس کریں جانبازوں کو فوراً حراست میں لے لیں۔ خود بختیار مرزا اور ولی عہد نے اپنے بستروں پر تکیوں کے مصنوعی آدمی سُلائے اور سراپردہ کی چوبی چھت پر آ بیٹھے۔ صادق کے علاوہ اُنہیں شیر کے حملہ کا بھی خطرہ تھا۔ شیر تو نہ آیا لیکن صادق بختیار مرزا کی کمند میں آ پھنسا۔

خنجر مارنے اور کمند پھینکنے میں بختیار مرزا حیرت انگیز مہارت رکھتا تھا اس نے شہزادہ سے شرط لگائی تھی اگر آج رات ولی عہد پر حملہ ہُوا تو حملہ آور کو زندہ گرفتار کر لے گا۔ اگر کمند کا حلقہ اس کی گردن میں نہ پڑ سکا تو اندھیرے میں اُڑتا ہوا خنجر اس کے جسم میں ترازو ہو جائیگا اس نے حملہ آور کو زندہ ہی کمند میں جکڑ لیا تھا۔ اس واقعہ کا سب سے دلچسپ پہلو یہ تھا۔ بختیار مرزا نے اس وقت تک کمند نہیں پھینکی جب تک صادق نے ولی عہد کی مسہری پر خنجر نہ پھینکا۔

ریشمی ڈوریوں میں جکڑے ہوئے تمام جانباز ولی عہد کی بارگاہ کے سامنے سر نہوڑائے کھڑے تھے اور سب سے آگے صادق تھا جس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

بھیل سپاہیوں کے لمبے لمبے بھالے جن کے پھل قندیلوں اور مشعلوں کی لرزیدہ روشنیوں میں مچھلیوں کی مانند چمک رہے تھے ابھی تک ان پر تنے تھے۔ ولی عہد ذیشان اور بختیار مرزا سراپردہ کے چوبی دروازے پر کھڑے تھے اور چند بھیل سرداروں کے علاوہ جو بدستور خیمہ گاہ کے اردگرد گشت میں مصروف تھے شاہی قافلہ کے تمام افراد بارگاہ کے سامنے حاضر تھے۔

اس کے دِل کو بڑی آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

اسی لمحے ایک ہلکا سا کھٹکا ہُوا اور صادق تڑپ کر پیچھے ہٹا۔ بِلّی کی سی تیز نظریں جو اندھیرے میں بھی اپنے شکار کو دیکھ لیتی ہیں اِدھر اُدھر دوڑیں لیکن وہاں تھا ہی کیا؟ جنگل کا پراسرار وحشی سنّاٹا ہونک رہا تھا۔ کھلے دریچے کے فریم میں کھڑے ہو کر اس نے خنجر تولا۔ ولی عہد کے دِل کا نشانہ بنایا، بازو لہرایا اور پوری قوت سے خنجر پھینک دیا جو عین دل کے مقام میں گڑ گیا۔

ولی عہد کے جسم کو حرکت ہوئی۔ ساتھ ہی ایک دلدوز چیخ پرہول خاموشیوں کا سینہ چیرتی اُبھری لیکن چیخ کی آواز سُن کر صادق تصویرِ حیرت بن گیا کیونکہ یہ چیخ ولی عہد کی خواب گاہ سے نہیں بلکہ گلال بار کی چوبی چھت سے بلند ہوئی تھی۔

صادق نے بوکھلا کر گردن اُوپر اٹھائی اور اسی لمحے ایک ریشمیں کمند نے اس کی گردن میں حلقہ ڈال دیا پھر بجلی ایسی تیزی سے حلقہ کھینچ کر تنگ ہُوا اور کمند میں جکڑا تڑپتا مچلتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہوا صادق خود بخود اوپر اُٹھتا چلا گیا۔ جیسے کہ اندھیرے میں بختیار مرزا کی آواز گونجی۔

"صاحبِ عالم! آپ کا مجرم حاضر ہے"۔

جواب میں ولی عہد کی آواز سنائی دی۔

"اس بدبخت کو نیچے لے چلو"۔

دونوں اس مچان پر کھڑے تھے جو گلال بار کے صحن میں باندھی گئی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے ولی عہد نے حکم دیا۔

"منصور کا کا ——— ! جانبازوں کو گرفتار کر لو۔ خبردار ——— ! کوئی بھاگنے نہ پائے"۔

دُور سے بھیل سردار نے اطلاع دی۔

"حکم کی تعمیل ہو رہی صاحبِ عالم ——— ! کوئی مائی کا لال بھاگ نہ سکے ہے"۔

پھر مچان پر مشعل کی روشنی تھرتھرائی اور ولی عہد جس نے ہاتھوں میں بندوق تھام رکھی تھی تیز تیز قدموں سے چوبی زینہ اُترنے لگا۔

یہ سب کچھ حیرت انگیز اور خلافِ توقع تھا۔

اپنے سردار کی طرح سب نمک حرام خاموش رہے۔ شاید انہیں اس بات کا واقعی علم نہ رہا ہو کہ سازش کا اصل سرغنہ کون ہے وہ تو چند اشرفیوں کے مول بکے تھے اور ان کا کام صرف یہ تھا اگر صادق پر کوئی مصیبت آپڑے تو اسے موت کے حلقہ سے نکال لے جائیں۔ خنجر زنی کی خدمت وہ تنہا سرانجام دینا چاہتا تھا۔

چند لمحوں کی اضطراب انگیز اور پریشان کن خاموشی سے تنگ آکر ولی عہد کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔

"ان نمک حراموں کو لے جاؤ اور ہمارے فیصلے کا انتظار کرو۔ طلوعِ آفتاب کے ساتھ انہیں پھر ہمارے حضور میں پیش کرو۔ خبردار ——— ! تم میں کوئی غافل نہ ہونے پائے۔ ان پر کڑا پہرہ رکھو"۔

یہ حکم دے کر وہ بختیار مرزا کے ساتھ چوبی سراپردہ میں لوٹ گیا۔

صبح جب سورج نے مشرقی پہاڑوں سے سر ابھارا اور کیسری شعاعیں درختوں کی چوٹیوں شاخوں اور اونچی اونچی پہاڑیوں پر سنہری سرخیاں بکھیرنے لگیں منصور کاکا مجرموں کو بارگاہ کے دروازے پر لایا۔ تمام لوگ ہتھیار سجائے جانبازوں کے اردگرد کھڑے تھے۔ ولی عہد بختیار مرزا کے ہمراہ باہر آیا اور اس نے آتے ہی نمک حرام اور غدار صادق کی گردن مار دینے کا حکم نافذ کیا۔

فوراً ہی منصور کاکا کی تلوار حرکت میں آئی اور دوسرے لمحے صادق کا سر اس کے کندھوں پر جھول گیا۔ دوسرے وار میں گردن کٹ کر دُور جا پڑی۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور سربریدہ لاش خاک و خون میں تڑپنے لگی۔ صادق کے ساتھیوں نے یہ عبرتناک حشر دیکھا تو بید مجنوں کی طرح کانپنے اور تھرتھرانے لگے پھر ولی عہد نے دوسرا حکم سُنایا۔

"اس لعین کا سر نیزے پر چڑھا کر خیمہ گاہ کے وسط میں گاڑھ دو، اسے ہم اپنے ساتھ چاندگر لے جائیں گے۔ سربریدہ لاش کتوں اور جانوروں کے لیے دُور پھینک دو۔ نمک حرام جانبازوں کو ہر روز بیس بیس کوڑے لگاتے رہو ان کی غداری اور نمک حرامی کا فیصلہ ہم دارالحکومت پہنچ کر سنائیں گے"۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑا اور سراپردہ کے اندر چلا گیا۔ لوگوں نے محسوس کیا اس کے سینہ میں ایک آزاد و خود مختار بادشاہ کی رُوح بیدار ہو چکی ہے جو مجرموں کو کڑی سزائیں دیتا اور وفاداروں پر انعام و اکرام کی بارش کرتا ہے۔

اچانک بختیار مرزا کی آواز بلند ہوئی۔ اس نے جانبازوں کے سردار صادق کو مخاطب کیا تھا۔

"بدبخت! تو صاحبِ عالم کی حفاظت و رہنمائی کے لیے آیا تھا یا خنجر زنی کرنے؟"

پھر اس نے خنجر کی طرف انگلی اُٹھائی جو ایک چوبی سٹول پہ رکھا چمک رہا تھا۔

"یقیناً تو خنجر زنی کے لیے آیا اور مہلک ترین زہر میں بجھا ہوا یہ پیش قبض چاندنگر ہی سے لے کر چلا، تو چاہتا تھا صاحبِ عالم آج ہی رات تیرے نمک حرام جانبازوں کے ہمراہ شکار کے لیے نکلیں پھر تو کسی بھی موقع پر اُنہیں ہلاک کرنے کی کوشش کرتا لیکن جب آج رات آرام کی ٹھہری تُو نے سراپردہ ہی میں خنجر زنی کا منصوبہ تیار کر لیا۔ خون تیری آنکھوں میں سرِ شام ہی اُتر آیا تھا اور ایک ایسے شخص کو جو خون کے جوش میں اندھا ہو رہا ہو رنگے ہاتھوں پکڑ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ کیا اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے؟"

صادق مہر بہ لب کھڑا کانپتا رہا۔ سپہ سالاری کے وہ تمام سبز باغ جن کی جھلک جعفر نے دکھائی تھی اچانک اُجڑ گئے تھے۔ تخت کی بازی موت کے تختہ میں بدل گئی تھی۔ وہ اپنی صفائی میں کیا کہتا خاموش و دم بخود کھڑا رہا۔

"خاموشی جُرم کو نہیں چھپا سکتی۔"

یہ آواز ولی عہد کی تھی۔ اس نے انتہائی خشونت اور تحکّم کے لہجے میں پوچھا۔

"بتاؤ وہ بدبخت کون ہے جس نے تمہیں قتل کی ترغیب دی۔"

صادق نے شاید نہ بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اس مرتبہ بھی خاموش رہا اور ولی عہد گرجتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم وزیرِ سلطنت جعفر کے نائب ہو۔ اسی نے اصرار کیا تھا۔ ہم تمہیں اپنے ہمراہ لے چلیں خنجر بھی اسی نے مہیّا کیا ہو گا؟"

بے اختیار صادق نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ پھر اس کے ہونٹ کپکپائے۔

"نہیں .... نہیں ...."

"تو پھر اور کون ہے؟"

صادق نے دوبارہ خاموشی اختیار کر لی۔ مغضوب الغضب شہزادہ جانبازوں سے مخاطب ہُوا۔

"کیا بتا سکتے ہو ہمارے قتل کا منصوبہ بنانے والا کون ہے؟"

بختیار مرزا ہمراہ تھا۔ میر شکار پانچ چاق و چوبند سواروں کے ساتھ تیار کھڑا تھا۔ ولی عہد نے رکاب میں پاؤں ٹکاتے ہی گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آٹھ سواروں پر مشتمل یہ چھوٹا سا قافلہ گرد و غبار اُڑاتا جنوب مشرق کی سمت روانہ ہوا۔

کریروں کا جُھنڈ خیمہ گاہ سے نصف پون کوس کے فاصلے پر تھا۔ ولی عہد نالے کے ساتھ ساتھ بگولے کی مانند اُڑتا جُھنڈ کے قریب پہنچا۔ ڈیڑھ دو فرلانگ اِدھر اس نے بھاگتے بھاگتے میر شکار کو اشارہ کیا اور اُسے پانچوں سواروں سمیت ایک طرف چھوڑ کر خود بختیار مرزا کے ہمراہ جُھنڈ کے اُوپر سے چکر کاٹتا ہُوا عین جنوب کی سمت پہنچ گیا۔ ٹاپوں کی آواز سُن کر درندہ ہوشیار ہو گیا تھا۔ وہ رعد آفریں آواز میں دھاڑتا، گرجتا درختوں کے درمیان ایک ٹیلے پر نمودار ہوا ولی عہد اور بختیار مرزا کی نگاہیں ایک ساتھ اس پر پڑیں۔ چار فٹ اُونچا اور دس فٹ لمبا ببر جس کے بھاری سَر پہ لہراتی سنہری پشم زرد دھوپ میں سونے کی مانند چمک دمک رہی تھی، بہت برافروختہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے موٹے سر کو دائیں بائیں حرکت دی۔ نتھنے سکیڑ کر کچلیاں چمکائیں۔ سرخ سرخ جبڑے پھیلائے۔ پھر لمبی جست بھری اور ولی عہد پر جھپٹا مگر جونہی پنجوں کے بل اچھل کر فضا میں لہرایا بیک وقت دو فائر ہوا اور خوفناک درندہ لڑھکنی کھا کر جھاڑیوں میں گرا پھر اس کی ہول انگیز آوازوں سے کریروں کے جُھنڈ میں جیسے زلزلہ سا آ گیا۔ وحشی درندے کی لرزہ خیز دھاڑیں سُن کر دونوں گھوڑے بدکے اور کنوتیاں بدل بدل کر ایک طرف بھاگے مگر فوراً ہی ان کا رُخ موڑ دیا گیا۔

آدم خور زخمی ہو کر گرا تھا۔ گھوڑوں کے بدکنے کی وجہ سے اسے سنبھلنے کا موقع مِل گیا۔ چند لمحے جھاڑیوں میں طوفان سا برپا رہا پھر خونی دھاڑیں، غراہٹوں میں تبدیل ہو گئیں۔ جب ولی عہد اور بختیار گھوڑے موڑ کر جھاڑیوں کی طرف بڑھے وہاں پُراسرار سکوت چھا چکا تھا۔ ولی عہد نے سرگوشی کی۔

"شاید دم توڑ چکا ہے"۔

پھر بندوقیں پشتوں پہ لٹکا کر لمبے لمبے نیزے تھام لیے گئے۔ دونوں گھوڑے مختلف سمتوں سے ان گھنی جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے جہاں درندہ زخم کھا کر گرا تھا۔

وہ لمحہ انتہائی خطرناک تھا جب یک لخت جھاڑیوں میں پھر زلزلہ آ گیا اور زخمی شیر لرزہ خیز گرج کے ساتھ اُچھل کر شہزادہ پر جھپٹا، خوف زدہ گھوڑا اُچھلا اور ہنہنا تا پچھلی ٹانگوں

(۸)

سُورج مشرقی پہاڑوں کی برف پوش وادیوں پر چمک رہا تھا۔ پُروا چل رہی تھی اور شہزادہ قاسم نے جو بہت برافروختہ نظر آرہا تھا ابھی ابھی ایک بھیل قاصد کو ضروری پیغام دے کر چاند نگر کی طرف روانہ کیا تھا۔ یہ پیغام وزیرِ جنگ میر ولی اللہ کے نام تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ مدار المہام جعفر اور اس کے جانبازوں پر کڑی نگاہ رکھے۔ وہ پلٹا ہی تھا کہ ناگہاں میر شکار بخشی ہانپتا، کانپتا بارگاہ میں داخل ہوا اور کورنش ادا کر کے کپکپاتی آواز میں بولا۔ "صاحبِ عالم! خانہ زاد نے تھوڑی دیر پہلے ایک ببر شیر کو کریدوں کے جھنڈ کی طرف بڑھتے دیکھا ہے۔ شاید وہ نالے پر پانی پینے آیا ہے ......"

ولی عہد تڑپ کر مڑا۔

"پانچ سوار لے کر بارگاہ سے باہر ہمارا انتظار کرو۔ تم ہمارے ساتھ چلو گے۔ منصور کاکا سے کہو وہ اپنے آدمیوں کو خیمہ گاہ کے اردگرد پھیلا دے ———— بس جاؤ ————"

بخشی اُنہیں قدموں لوٹ گیا۔ ولی عہد نے مرصّع چغہ اُتار دیا اور بوڑھے خادم نے اسے ارغوانی صدری پہنائی پھر وہ اپنی شمشیرِ خاص لگائے اور بندوق اُٹھائے تیزی سے باہر آیا

دبک گئے۔ آن کی آن میں جنگل پر سناٹا چھا گیا۔ سدِ سبز پر پہنچ کر جگنا بن میں گھسنے کی بجائے اس نے مغرب کی طرف رُخ کیا اور بے تحاشا اُڑتا چلا گیا۔ موت بدستور اس کے تعاقب میں تھی۔ قاسم گھوڑے کو ایڑ لگاتا، فضا کا سینہ چیرتا فاصلہ کم سے کم کرتا چلا آ رہا تھا۔ قدیم الایام راستے پر ایک میل بھاگنے کے بعد آخر ایک موڑ پر اس نے درندے کو جا لیا۔ اب اُن کے درمیان پندرہ بیس گز سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ وہ موڑ کاٹنے ہی والا تھا کہ شہزادہ نے پوری طاقت کے ساتھ عقب سے نیزہ پھینکا جو اس کے پیٹ میں کھُبتا چلا گیا۔ ببر نے دھاڑ کر لہر بھری اور پلٹ کر حملہ کرنا چاہا لیکن جونہی وہ گھوما کسی سمت سے ایک برچھا بجلی کے کوندے کی مانند لپکتا ہوا آیا اور اس کے حلق میں گڑ گیا۔ درندہ چھ سات فٹ فضا میں اُچھل کر گرا اور تڑپنے لگا۔

اِدھر شہزادہ قاسم گھوڑے کی باگ کھینچ کر شیر کے پاس رکا۔ اُدھر درختوں کا موڑ کاٹ کر ایک اجنبی سوار سر پر آ پہنچا ——— برچھا غالباً اسی نے پھینکا تھا ——— آدم خور ببر خون میں نہایا ہوا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

شہزادہ نے اجنبی سوار کو حیرت و تعجب سے دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں، آنکھیں چار ہوئیں اور قاسم نے محسوس کیا اس کی آنکھوں سے سحر و طلسم کی کرنیں سی پھوٹ رہی ہیں اس نے اپنے چہرے پر سُرخ پٹکا لپیٹ رکھا تھا مگر سُرخ پٹکا کے درمیان سے اس کی سحر انگیز غزالی آنکھیں جو اپنے آخری گوشوں تک وا تھیں اسرارِ عشق کی کہانیاں سُنا رہی تھیں۔ شہزادہ مسحور و متحیّر کھڑا اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"میرے شکار پر برچھا تم نے پھینکا تھا؟"

"بے شک ——— یہ جرأت مَیں نے کی تھی"۔

فضا میں جادو کی گھنٹیاں سی بج اُٹھیں، کتنی سریلی اور مترنم آواز تھی ——— یہ آواز جادو کی لہر بن کر اس کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"کون ہو تم ....؟"

شہزادہ کی آواز میں ایک نامعلوم سی لرزش تھی ——— گھوڑا ابھی تک ہانپ رہا تھا اور خود اس کا سانس بھی پھولا ہوا تھا لیکن آواز کی لرزش اس کی نئی پریشانی کی خبر دے رہی تھی۔ جواب میں اجنبی سوار نے ہاتھ بڑھا کر اس شفق کو ہٹا دیا جس نے چاند کو چھپا رکھا تھا

پر الف ہو گیا۔ اگر شہزادہ شہسواری میں طاق نہ ہوتا تو یقیناً زمین پر لڑھک جاتا لیکن اس نے لگام پر گرفت مضبوط رکھی اور اسے پوری قوت سے موڑ کر نیزہ سنبھالا۔

شیر فضا میں تیرتا ہوا گھوڑے پر آیا۔ قاسم نیزہ لہرا چکا تھا۔ لمبا چمک دار پھل درندے کی چھاتی میں زخم لگا کر نکلا۔ خون کی دھار پھوٹی اور وہ موجِ گرداب کی طرح لہر لیتا گھوم کر گرا جھاڑیوں میں لوٹ لگا کر پھر اچھلا اور غراتا ہوا نالے کی طرف بھاگا۔ خون کی لکیر اس کے ساتھ ہی ساتھ چلی گئی۔ شہزادہ نے مخصوص آواز میں گھوڑے کو للکارا، ایڑ لگائی اور دیوانہ وار شیر کے پیچھے لپکا۔ اس نے بختیار مرزا کو ہدایت کی کہ دائیں سمت سے آگے بڑھے۔

زخمی شیر جھاڑیوں کو پھلانگتا پندرہ سولہ فٹ چوڑے نالے کے کنارے ابھرا پھر ایک ہی جست میں نالہ پار کر گیا۔ خون کے قطرے پانی میں گرے اور گھل مل گئے۔ قاسم نیزہ تانے پیچھے ہی پیچھے آیا۔ کنارے پر پہنچ کر اس نے گھوڑے کو بلکاری ماری، ایڑ لگائی اور چمکار کر چھوڑ دیا۔ گھوڑا اچھل کر لہرایا اور عقاب کی مانند اڑان بھرتا دوسرے کنارے جا اترا، جانور نے اگلے قدموں پر ٹھوکر کھائی۔ شہزادہ پشت پر اچھلا مگر فوراً ہی گھوڑے کی باگ موڑی اور کنارے سے صاف نکال لے گیا۔

زخمی درندہ سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر برق رفتاری سے جگنابن کی طرف بھاگا جارہا تھا اس پر شکاری کی دہشت طاری تھی اور جلد از جلد اس کی زد سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اپنے بھاری اور طویل جسم کے باوجود تیر کی طرح اڑتا جاتا تھا۔ اگر قاسم کا گھوڑا ٹھوکر نہ کھاتا تو شاید وہ درندے کو جا لیتا لیکن گھوڑا سنبھالنے میں شیر کو ایک فرلانگ تک نکل جانے کا موقع مل گیا۔

بختیار مرزا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ میر شکار بخشی اور پانچوں سواروں کو ساتھ لے کر شہزادہ کے پیچھے ہو لیا۔

خوفزدہ درندہ گڑھی بکرم کے پہلو سے گزرا۔ گڑھی کے متعدد لوگ نیزے اور برچھیاں سنبھالے بستی سے نکل آئے تھے لیکن کسی کو اس کا تعاقب کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ شیر نے بھی ان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے سے نکلتا چلا گیا پھر لوگوں نے ایک خوفناک سوار کو اس کے تعاقب میں بگولے کی طرح گزرتے دیکھا۔

آدم خور چراگاہوں سے نکل کر جونہی گھاس کے جنگل میں پہنچا، ہرن، چکارے، پاڑھے، بارہ سنگھے چوکڑیاں بھرتے اپنی کمین گاہوں کی جانب بھاگے، خرگوش اور لومڑ جھاڑیوں میں

کریروں کے جھنڈ میں گھیر لیا تھا۔ یہ زخم کھا کر جگنابن کی طرف بھاگا پھر اس طرف ہو لیا۔"

"روہی نالہ ———"

خانہ بدوش نازنین نے زیرِ لب دہرایا۔ یقیناً وہ اس نوجوان کی بہادری اور دلیری پہ حیران تھی جو دس بارہ کوس سے تنہا ایک غیر معمولی درندے کا تعاقب کرتا آ رہا تھا پھر اس کے سرخ ہونٹ تھرتھرائے۔

"بہت بہادر ہو تم ...."

شہزادہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہادر میرا نام ہے"۔

خانہ بدوش لڑکی اب اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"چاند نگر میں کیا کرتے ہو"؟

"شاہی فوج کا سپاہی ہوں"۔ اس نے یہ بہانہ پہلے ہی سوچ لیا تھا کیوں کہ چاند نگر کے سپاہیوں کو شکار کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔

غالباً وہ اپنی شاہی حیثیت کا اظہار کر کے خانہ بدوش لڑکی کو متوحش نہیں کرنا چاہتا تھا پھر وہ اس کے ساتھ ایسی بے تکلفی سے ہرگز گفتگو نہ کرتی مگر وہ حیران تھا خانہ بدوش ایسی شائستہ گفتگو کب کرتے ہیں۔

"شکار کی تربیت حاصل کرنے آئے ہو"؟

"نہیں، شکار کرنے۔ اس ببّر نے گڑھی بکرّم کے علاقہ میں تباہی پھیلا رکھی تھی۔ چند روز ہوئے چاند نگر کا ایک بھیل سردار اس کا شکار ہوا۔ چاند نگر کے بھیلوں میں تہلکہ مچ گیا اور ان کا سردار جو شاہی مقرب بھی ہے اپنے سواروں کو لے کر آدم خور کے شکار کو نکلا۔ میں اسی کے ساتھ آیا ہوں"۔

"مگر تم تو بھیل نہیں"۔

"میں تو ایک سپاہی ہوں"۔ پھر قاسم کچھ سوچ کر بولا "لیکن تم......... میرا مطلب ہے تم اس جنگل میں تنہا........."

خوب صورت لڑکی ایک ثانیہ کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔

"میں خانہ بدوشوں کے سردار جگو کی بیٹی ہوں۔ میرا بچپن انہی جنگلوں میں گزرا

اور شہزادہ گھوڑے کی پیٹھ پر اچھل کر رہ گیا ——— وہ سچ مچ ایک لڑکی تھی۔ چاند کا ٹکڑا ——— نہیں چاند ——— جس کی پیشانی پر ہلال کا ایک ہلکا سا نشان تھا ——— جس کی عمر انیس بیس سال کے درمیان رہی ہوگی مگر وہ کتنی دلیر اور بہادر تھی، اس کا پھینکا ہوا برچھا عین نشانے پر بیٹھا اور ایک انگل تک درندے کے حلق میں کھب گیا تھا ——— وہ کون ہے اور اس خطرناک جنگل کے کنارے کنارے یکّا و تنہا کہاں سے چلی آتی ہے ——— ؟

اس کے بدن پر خانہ بدوش لڑکیوں کا مخصوص لباس تھا اور کانوں میں چاندی کی بڑی بڑی گول مدوّر بالیاں جو رخساروں سے چھو رہی تھیں وہ بھی حیرت پاش نظروں سے شہزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں ——— کون ہو تم ؟"

"میں ——— شہزادی ہوں۔"

شہزادی ——— کس ملک کی شہزادی ——— ؟"

خانہ بدوش لڑکی کے ہونٹوں سے بے اختیار ہنسی کا فوارہ اُبل پڑا اور شہزادہ کو یوں لگا جیسے پاس ہی پھولوں کی چھاگلیں بج اُٹھی ہوں۔

"میں کسی ملک کی شہزادی نہیں بلکہ میرا نام شہزادی ہے۔"

"بڑا خوب صورت نام ہے۔"

"مگر ——— تم کون ہو ؟"

"ایک شکاری ———"

"کہاں سے آئے ہو ؟"

"چاند نگر سے۔"

چاند نگر کا نام سن کر خانہ بدوش حسینہ کا چہرہ چمک اُٹھا۔

"اکیلے ہی ——— ؟"

"نہیں ——— ساتھی پیچھے رہ گئے تھے بس آتے ہی ہوں گے۔

"معلوم ہوتا ہے اس درندے کا بہت دُور سے پیچھا کرتے آ رہے ہو۔ شاید یہ پہلے ہی زخمی تھا۔"

"ہاں ——— میں نے آج سویرے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اسے ردّ ہی نالہ پر

"نشانہ یقیناً قابلِ تعریف ہے ——" بختیار مرزا نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے ولی عہد کی طرف دیکھا —— "برچھا شیر کے سینے میں اور تیرِ نظر آپ کے دِل میں —— وار بھی کاری معلوم ہوتا ہے ......"

شہزادہ ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ خانہ بدوش حسینہ خفگی آمیز لہجے میں بولی۔

"شاید تم خانہ بدوش لڑکیوں کی عادت سے واقف نہیں۔ وہ اس قسم کی گفتگو پسند نہیں کرتیں ......"

"عادت بدل بھی سکتی ہے ...... میرا مطلب ہے، دوسری ملاقات پر تم یہی گفتگو پسند کرو گی"۔

"شہزادی غصہ میں سُرخ ہو گئی —— اس کا ہاتھ کمر میں لٹکتی ہوئی تلوار کے دستہ پر رینگ گیا۔ مگر شہزادہ فوراً بول اٹھا

"تمہیں اس جھکّی کی باتوں سے ناراض نہیں ہونا چاہیئے اگر واقعی کبھی دوبارہ ملاقات ہوئی تو تم اس کی باتوں سے محظوظ ہو سکو گی ......"

خانہ بدوش حسینہ نے کچھ ایسی نظروں سے بختیار مرزا کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ "جا چھوڑ دیا ......"

غالباً مرزا نے بھی اس کی نگاہوں کی زبان سمجھ لی تھی۔ اس نے گردن جھکائی اور کہا۔

"جان بخشی کا شکریہ شہزادی صاحبہ!"

بے اختیار شہزادی کے ہونٹوں پر دِل نواز تبسّم بکھر گیا —— اسی لمحے دُور درختوں کے موڑ سے ایک بارہ سنگھا چوکڑیاں بھرتا نکلا۔ ایک ادھیڑ عمر خانہ بدوش جس نے شہزادی کی طرح چہرے پر پٹکا لپیٹ رکھا تھا —— اس کے پیچھے ہی پیچھے نمودار ہوا —— وہ یقیناً سردار جگو کے علاوہ اور کوئی نہ تھا ...... وہ اس عمر میں بھی صحت مند، توانا اور چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔ رنگ آج بھی تانبے کی طرح دمک رہا تھا —— بازوؤں میں جوانی کا کس بل اور آنکھوں میں چیتے کی سی تندی اور وحشت موجود تھی۔ خانہ بدوش نازنین شکار اور شکاری کو دیکھ کر چونک اُٹھی —— اور گھوڑے کی پیٹھ پر اچھل گئی۔

ہے ۔کئی سال پہلے بابا مجھے گڑھی رسبود لے گیا تھا۔ وہیں مَیں نے پرورش پائی۔ آج ہی ہم اس علاقے میں آئے ہیں ۔"

" مگر تمہارا بابا کہاں ہے ؟"

" مَیں بابا سے بچھڑ گئی ہوں ...."

اس نے اندازِ دلربائی کے ساتھ بالوں کی اس شریر لٹ کو پرے ہٹایا ۔ جو اس کے شہابی مکھڑے پر بکھر گئی تھی پھر کہنے لگی ۔

" کوسی ندی عبور کرنے کے بعد مَیں نے ایک بڑا ہی خوب صورت بارہ سنگھا دیکھا ۔ جی میں آئی کمند پھینک کر اسے زندہ گرفتار کرنا چاہیے ۔ بابا نے بہت روکا مگر مَیں نے گھوڑا اس کے تعاقب میں ڈال دیا ۔ وہ دو اڑھائی میل تک میرے آگے آگے بھاگتا آیا ایک مرتبہ کمند میں آتے آتے رہ گیا ۔ پھر اس نے کنی کاٹی اور جنگل میں جا گھسا ۔ مَیں ہولے ہولے چلنے لگی کہ بابا بھی آجائے مگر اچانک یہ ببر نظر آیا جو تم پر حملہ آور ہُوا تھا ۔ میں نے برچھا ہی کھینچ مارا ۔ اتفاق ہے وہ نشانے پر بیٹھا ۔"

" نہیں ، یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا ۔ تمہارا نشانہ فی الواقع بہت اچھا ہے ۔"

ابھی شہزادہ کی بات جاری تھی کہ عقب سے ٹاپوں کی آواز بلند ہوئی ——— اس نے گردن پھیر کر دیکھا ۔ بختیار مرزا سرپٹ چلا آتا تھا بخشی اور پانچوں سوار کم و بیش نصف میل دور ہوں گے ۔

بختیار مرزا نے آتے ہی سب سے پہلے لڑکی پھر آدم خور کی لاش کو دیکھا اور پلکیں جھپکاتا ہُوا ولی عہد کے قریب آیا جیسے پوچھ رہا ہو ۔ صاحبِ عالم ! یہ قصّہ کیا ہے ؟

ولی عہد نے خود بھی موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا تھا ۔ وہ خانہ بدوش حسینہ سے مخاطب ہو کر بولا ۔

" یہ میرا دوست گلباز ہے ۔ میرے ساتھ شاہی فوج میں ملازم ہے ۔"

بختیار نے پھر پلکیں جھپکائیں ——— اب ولی عہد اس کی طرف متوجہ تھا ۔ اس نے بتایا یہ لڑکی خانہ بدوشوں کے سردار جگو کی بیٹی ہے ۔ نام شہزادی ہے ۔ نیزے کا زخم کھا کر بپھرا ہُوا درندہ مجھ پر حملہ کے لیے پلٹا تھا کہ شہزادی نے برچھا پھینک کر اس کا کام تمام کر دیا ——— ایسا نشانہ مَیں نے آج تک نہیں دیکھا ۔"

آدم خور کی ہلاکت کی خبر پَر لگا کر گڑھی بکرم میں پہنچی۔ پھر چندر امکھی، بندھیل گاؤں اور ارد گرد کی بستیوں اور گڑھیوں میں پھیلتی چلی گئی۔

شہزادہ کے حکم سے ببّر کی لاش گڑھی بکرم کے قریب اس سہ راہے میں لٹکا دی گئی جہاں سے چندر امکھی اور بندھیل گاؤں کو راستے نکلتے تھے۔ بیسیوں لوگ آدم خور کو دیکھنے آئے ——— جس نے قریباً دو ماہ تک تباہی پھیلا رکھی تھی۔ چاروں طرف چاند نگر کے سواروں کا چرچا تھا ——— ٹھاکر ادھے راؤ کی ٹانگ ٹھیک ہو گئی تھی اور اب وہ لکڑی کے سہارے چل پھر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

"ابے کہار گیو یہ پروہت، سالا کہت رہے اس بگھیلے کے بھیتر کنے دیوتا کی آتما چمتکار کرے۔ یوہ تو چاند نگر کے سیروں نے مار لیو نہیں تو ہمار یدھ ہو یو تھا"

بظاہر ولی عہد کی آمد کا مقصد پورا ہو گیا تھا ——— اور بھیل سواروں کی محبت و عقیدت دو چند ہو گئی تھی ——— لیکن ان کے جوان سردار منصور کو ابھی تک آدھے حیدری چاچا کی لاش کا کوئی کھوج نہ مل سکا تھا ——— عام خیال یہی تھا کوئی درندہ اُسے گھسیٹ کر لے گیا ہو گا ——— سوگوار بھیل سپاہی واپسی کے لیے تیار بیٹھے تھے مگر شیر کی ہلاکت کے دوسرے روز بھی ولی عہد نے واپسی کے متعلق کوئی حکم نافذ نہ کیا تھا ——— وہ گلال بار میں پڑا شطرنج کھیلتا ——— موسیقی سے جی بہلاتا یا سرا پردہ کے دریچوں میں کھڑا بیکراں فضاؤں اور خلاؤں میں گھورتا رہا۔ صرف بختیار مرزا اس کے پاس تھا۔ اس نے توجہ دلائی۔

"صاحب عالم! اب چاند نگر کو واپسی میں دیر نہ ہونی چاہیے ——— جشن وجلوس کی تاریخ نزدیک ہے۔ پھر آپ اس دشمن کو کیوں بھول گئے جس نے ان جنگلوں تک تعاقب کیا اور آپ کو زہر آلود خنجر سے شکار کرنا چاہا ...."

مگر ولی عہد نے سُنی ان سُنی کر دی ——— پھر ہولے ہولے چلتا دریچے کے پاس آیا اور سُرخ ململ کا پردہ ہٹا کر جنگل کی طرف جھانکنے لگا .... سورج ڈھل چکا تھا اور سائے آہستہ آہستہ طویل ہو رہے تھے۔ دور درختوں کے عقب میں نیلے پربتوں پر سفید سفید دُھند سی اُڑتی نظر آ رہی تھی جیسے دھواں پھیل رہا ہو ——— وہ بختیار مرزا کی طرف مڑے بغیر کہنے لگا۔

'یہ تو وہی چیتل ہے جو جنگل میں جا گھسا تھا.......'

خوف زدہ جانور جو بے تحاشا اسی رُخ بھاگا آرہا تھا بیک وقت رتین سواروں کو دیکھ کر دُور ہی سے ٹھٹکا، مڑا اور طرارہ لے کر دائیں سمت گھاس کے میدان میں نکل گیا ——— سردار جگو بھی کمند اُٹھائے اس کے پیچھے تھا اور اس کے انداز سے صاف معلوم ہوتا تھا وہ اسے دوڑا دوڑا کر تھکا دینا چاہتا ہے۔ وہ بھی تیس چالیس گز کے فاصلہ سے بجلی کے کوندے کی مانند لپکتا چلا گیا ——— خانہ بدوش حسینہ نے یکے بعد دیگرے اُنہیں رُخ کاٹتے دیکھا تو کہنے لگی۔

"بابا اسے گرفتار کیے بغیر نہ چھوڑے گا ——— اب میں بھی جاؤں گی"۔

یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جنوبی میدان کی جانب باگ اُٹھا دی۔ گھوڑا اشارہ پاتے ہی ہوا ہو گیا اور وہ دونوں حیران و ششدر اُسے دیکھتے ہی رہ گئے ——— جیسے کوئی پرندہ اچانک ہاتھوں سے نکل کر فضا میں اُڑ جائے۔

سردار جگو اور چیتل دونوں کائی کے پودوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں روپوش ہو چکے تھے! دُور ——— سبز میدان کے حاشیے پر صرف شہزادی کا سُرخ آنچل پہاڑی عقاب کی مانند اُڑا جا رہا تھا۔

اچانک ولی عہد نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

'عجیب لڑکی تھی، آندھی کی طرح آئی اور بگولے کی مانند چلی گئی'۔

'لیکن اپنا برچھا یہیں چھوڑ گئی کہ حضور اس سے کھیلتے اور اپنا دِل بہلاتے رہیں"۔

قاسم نے اس کی بات پر دھیان ہی نہ دیا ——— وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگر قیاس واقعی مشاہدے کی ترجمانی کرتا ہے تو چاندنگر کا ولی عہد محبت کی پہلی بے قراری سے آشنا ہو چکا تھا اور خانہ بدوش حسینہ کی سحر انگیز آنکھیں اب تصور کے اندھیروں میں بھی اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ خود تو چلی گئی لیکن اس کے دِل کو محبّت کی خلش ضرور سونپ گئی تھی۔

اچانک مشرق کی سمت دھول اُڑتی نظر آئی ——— میر شکار بخشی اپنے سواروں کے ہمراہ چلا آتا تھا۔

بھی ساتھ لے جانے پر رضامند نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا تھا۔ ہم صرف سیر و تفریح کے لیے جا رہے ہیں۔ خبردار ——— ! کوئی سپاہی ہمارے پیچھے نہ آئے ———"

میر شکار کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بھیل سردار شش و پنج میں بتلا ہو گیا۔

برِ صغیر کے شمال میں بلند پہاڑوں کا وہ سلسلہ جو قراقرم کی بلندیوں سے شمال مشرقی ایجنسی تک شرقاً غرباً ہزاروں میل میں پھیلا ہے۔ ڈھلانوں کے قریب گھنے جنگلوں اور خوف ناک وادیوں پر مشتمل تھا۔ بعض جگہ پہاڑ چٹیل اور سنگلاخ تھے لیکن اکثر مقامات پر درختوں کا گھنا سلسلہ ہزاروں فٹ کی بلندیوں تک چلا گیا تھا ——— پہاڑوں کے دامن میں بھی جنگل میلوں تک میدانی علاقوں میں پھیلتے چلے گئے تھے۔ جہاں درندوں کا راج تھا۔

چاند نگر سے ایک سو میل شمال کی جانب جنگلوں کے کئی سلسلے پھیلے تھے۔ جن میں بعض آٹھ آٹھ دس دس میل تک طویل تھے لیکن سب سے خوفناک اور پرخطر جگنا بن تھا۔ جس کے طول و عرض کا تخمینہ بھی حیرت انگیز تھا ——— کیونکہ ایک فرانسیسی دشت نورد کے بقول یہ خطرناک جنگل ستر اسی میل طویل اور تیس پینتیس میل عریض رہا ہوگا لیکن ضروری نہیں کہ یہ تخمینہ درست ہو ——— کیوں کہ مشرق کی سمت دشوار گزار راستوں کی وجہ سے اس جنگل میں جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

شہزادہ قاسم نے جگنا بن سے دس بارہ کوس ادھر رو ہی نالہ پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ کچھ فاصلہ سے جو جنگل قریباً دو میل تک شمال مشرق کی سمت نکل گیا۔ دراصل جگنا بن ہی کا ایک حصہ تھا۔ لیکن درمیان میں چونکہ سات آٹھ میل کا میدان حائل تھا جو جھاڑیوں، کانٹے اور لمبی لمبی گھاس سے اٹا پڑا تھا۔ لہذا اس نے ایک الگ تھلگ جنگل کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ولی عہد نے پڑاؤ سے نکل کر اسی جنگل کا رخ کیا تھا۔

کل ہی سے جب آدم خور کو شکار کر کے لوٹا تھا ——— اس کی طبیعت بے چین اور اداس تھی اس کے دل میں ایک عجیب سی ہلچل بپا تھی۔ تصور اسے بار بار اس خانہ بدوش حسینہ کے تعاقب میں لے نکلتا تھا۔ جس کے نورِ جمال کی ایک ہی جھلک دیوانہ کر گئی تھی۔

وہ جانتا تھا اس پاگل پن سے کچھ حاصل نہ ہوگا کہاں ایک وارث تخت و تاج

"کہتے ہیں ان پربتوں پر ہرنوں اور چیتلوں کی ڈاریں پھرتی ہیں ...."

بختیار مرزا نے چونک کر دیکھا۔

"یہ پربت یہاں سے بہت دُور ہیں صاحب عالم ——— پھر ہم تو آدم خور شیر کو ہلاک کرنے آئے تھے ——— آج بھیلوں نے اس کی کھال بھی کھینچ لی ہو گی —"

"ہم اس علاقہ کے چیتل اور چکارے ضرور گرفتار کریں گے ——— اور انہیں چاندنگر لے جائیں گے ———"

"یا وحشت ——— !"

بختیار مرزا کی بات مُنہ ہی میں رہ گئی ——— شہزادہ تیزی سے مُڑا پھر اس نے گونگ پر ضرب لگائی ——— دوسرے لمحے بوڑھا حاجب سر جُھکائے دروازے پر حاضر تھا۔ ولی عہد نے حکم دیا۔

"میر شکار بخشی سے کہو ہمارے گھوڑے پر زین کس دے۔ ہم ابھی شکار کے لیے جائیں گے۔ بختیار مرزا بھی ہمارے ساتھ ہو گا۔"

تیسرے پہر جب سورج مغربی ابر پاروں کے درمیان آنکھ مچولی کھیل رہا تھا اور شمالی ہوائیں جنگلوں میں سرسرانے اور پھنکارنے لگی تھیں۔ ولی عہد بختیار مرزا کے ہمراہ خیمہ گاہ سے نکلا ——— اور ان کے گھوڑے شمال مشرق کی سمت جنگل کی طرف روانہ ہو گئے .... کوئی غلام، کوئی سپاہی اور محافظ ان کے ساتھ نہ تھا۔ بھیل سردار نے حیرت و تعجّب سے میر شکار کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کہاں جاوت ہیں سرکار اس سمے ؟"

"کیا خبر ——— مجھے تو حکم مِلا تھا، شکار کے لیے دو گھوڑے تیار کر دیئے جائیں۔"

"پر سکار کو اکیلے جات رہے، کوئی پہرے دار بھی ساتھ نہ ہووے۔ بنوں میں پگ پگ کھترہ سِسکاری لیوے ہے۔"

پھر منصور کاکا نے پلٹ کر ایک بھیل سپاہی کو حکم دیا کہ اس کے گھوڑے پر نمدہ کس دیا جائے وہ سرکار کے پیچھے جائے گا۔ میر شکار جلدی سے آگے بڑھا۔

"کیا تمہارا خیال ہے مَیں نے پہریداروں کے متعلق نہ پوچھا ہو گا مگر سرکار کسی کو

ولی عہد کو جنگل میں گھستے دیکھا تو ہرن کا خیال چھوڑ کر وہ بھی اسی طرف لپکا۔

جنگل خاصا گھنا تھا۔ شہزادہ بڑی مہارت اور چابک دستی سے گھوڑے کو مڑتے تڑتے درختوں کے درمیان خلا سے گزارتا چلا گیا مگر تین چار فرلانگ کے بعد اسے مجبوراً رکنا پڑا۔ آگے گھنے درختوں کی ایک دوسری سے گلے ملتی شاخوں اور گھنی جھاڑیوں نے راستہ روک لیا تھا۔ اس ذخیرے کے پرے قریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر کھلے میدان کے آثار نظر آرہے تھے لیکن ذخیرے کو عبور کرنے کے لیے طویل چکّر کاٹنا پڑتا تھا۔

چیتل تو نکل ہی گیا اور اب اس کی تلاش بے سود تھی مگر شہزادہ کا خیال تھا اس جنگل کی عقبی وادی میں یقیناً ہرنوں کی ڈاریں ملیں گی۔

بختیار بھی آپہنچا۔ پھر وہ دونوں ذخیرے کے ساتھ ساتھ چلتے اس جگہ آگئے جہاں سے بہ آسانی آگے بڑھ سکتے تھے۔ جنگل میں خرگوشوں اور لومڑیوں کے علاوہ اور کوئی جانور دکھائی نہ دیا۔ جنگل کے وسط میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا جہاں انہوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا——— اچانک درختوں کے درمیان کہیں سے گانے کی سُریلی آواز ابھری اور چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت سی لڑکیاں مل کر گا رہی ہوں اور ان کی ہم آہنگ آواز ہوا کے دوش پر اڑتی جنگل کی فضا میں جادو جگا رہی ہے۔

وہ محسوس کرنے لگے گویا خواب دیکھ رہے ہوں یا بھٹکتے ہوئے کسی دشتِ طلسم میں آنکلے ہوں۔ جہاں نادیدہ پریاں رقص و نغمہ سے ملکۂ طلسمات کا دل بہلا رہی ہیں۔ جنگل کے آس پاس کئی میل تک آبادی کے آثار نہ تھے۔ شمالی سمت نشیبی وادی میں بھی جو پہاڑی ڈھلان کی مانند غالباً کئی کوس تک چلی گئی تھی انہیں کوئی بستی یا چراگاہ نظر نہ آئی تھی بلکہ سات آٹھ میل پرے جگنا بن کا مہیب اور خطرناک سلسلہ شروع ہوتا تھا پھر اس جنگل میں متعدد ہم آہنگ سُریلی آوازیں اگر کسی سحر و طلسم کا اعجاز نہیں تو اور تھا کیا——؟

بختیار مرزا نے مضحکہ خیز انداز میں اپنی آنکھیں ملیں پھر دیدے نچا کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اس کی متلاشی نگاہیں مایوس لوٹ آئیں۔ حدِ نظر تک جنگل میں کسی جانور کا وجود بھی دِکھائی نہ دے سکا۔ انتہائی تعجّب سے صرف اپنے شانے سکیڑ کر رہ گیا۔

پُروا کے دوش پہ اُڑتی اور فضا کے سینے میں تیرتی، لہراتی، رقص کرتی آوازیں طلسمی زیر و بم کے ساتھ ان کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی جیسے شگوفوں کا سینہ چاک

اور کہاں ایک خانہ بدوش لڑکی ــــــــ یقیناً سلطنت کی رتبہ اور حکومت کی مصلحتیں ان کے درمیان ناقابلِ عبور خلیجوں کی طرح حائل رہیں گی ــــــــ گہری، وسیع دعریض ندی کے کناروں کی مانند وہ ہمیشہ دُور ہی دور رہیں گے ــــــــ اور کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے ۔ اس کے باوجود شہزادہ ایک پل کے لیے اس کے خیال سے غافل نہ ہو سکا تھا ۔ اس کے سینے میں ایک نامعلوم سی خلش ــــــــ ایک لذت آفریں چبھن، ایک میٹھی سی کسک انگڑائیاں لے رہی تھی ۔ جو خون میں رچ بس کر اس کے سارے جسم میں دوڑنے لگی تھی ــــــــ اور اب بیٹھے بیٹھے ہرنوں کے شکار پر نکل آیا تھا ۔ بیس سال کی عمر میں اس نے بیسیوں ہرن، چکارے اور بارہ سنگھے شکار کیے تھے ــــــــ ان کی کھالیں اپنے قصر میں سجائی تھیں ــــــــ لیکن آج وہ شکار کی نیت سے نہیں ــــــــ چکاروں اور بارہ سنگھوں کو زندہ گرفتار کرنے کے ارادے سے نکلا تھا ــــــــ

بختیار مرزا اس کا مصاحب بھی تھا، بے تکلف دوست بھی ۔ اس نے شہزادہ کی دیوانگی کا مضحکہ اڑایا اور یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہوا میں تلواریں مارنے سے کچھ حاصل نہیں اگر اس نے کوئی چیتل پکڑ بھی لیا تو کیا وہ اسے "شہزادی" کا پتہ بتا سکے گا ؛ لیکن ولی عہد نے ان باتوں کی طرف دھیان ہی کب دیا ، وہ تو اپنے خیالوں میں مگن تھا ۔

ہرن اور چکارے عموماً گھاس کے جنگل میں پھرتے اور نالے پر پانی پینے آتے تھے ۔ وہ گھنے درختوں کو دائیں سمت چھوڑتے رو ہی نالہ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے مگر نصف میل چلنے کے بعد نالہ جنگل ہی کی سمت مڑتا نظر آیا ۔ دوسرے کنارے پر ایک وادی نشیب میں واقع تھی جو ہری بھری دوب سے اٹی پڑی تھی ۔ نالہ عبور کر کے وہ نشیب میں اُترتے چلے گئے ۔ اندازہ غلط نہیں تھا، وادی میں دُور چند خوب صورت چیتل گھاس چر رہے تھے ۔

کمندیں سنبھال کر وہ دو مختلف سمتوں سے ان کی طرف لپکے مگر ٹاپوں کی آواز سُن کر جانور بدکے اور جدھر کسی کا منہ اُٹھا چوکڑیاں بھرتا ہوا ہو گیا ۔ شہزادہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک چیتل کے سر پر جا کر کمند پھینک دی ۔ چیتل اگر فوراً ہی جنگل کی طرف نہ مڑ جاتا تو کمند کے حلقہ میں آچکا تھا ۔ ایک ٹیلے کو پھاند کر وہ کوندے کی مانند لپکتا چلا گیا اور جنگل میں جا گھُسا ۔ شہزادہ بھی اس کے تعاقب میں گھوڑا اُٹھائے لے گیا ۔ بختیار مرزا نے

جھانجھنوں کی آواز موسیقی بکھیرتی ہوئی اُبھری۔

"بہادر ——— ؛"

اس کے سُرخ ہونٹوں پر پھُولوں کی چھاگل سی بج اُٹھی

شہزادہ گھوڑے سے اُتر کر اس کے قریب آگیا۔ شہزادی کے لبوں پر تبسّم کی لہر تھرتھرائی اور وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"کیا آج پھر کسی شیر کا پیچھا کر رہے ہو ؟"

"بہادر تو خاموش رہا لیکن گلباز نے ذو معنی الفاظ میں جواب دیا۔

"نہیں، آج ہم ایک ہرنی کی تلاش میں آئے ہیں مگر اس جنگل میں تو لومڑیاں ہی ملیں، ہمیں دیکھتے ہی بھاگ جاتی ہیں، بزدل کہیں کی"۔

شہزادی لومڑیوں کی طنز پر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کسی خوش فہمی میں نہ رہنا میری سہیلیاں تمہاری خاطر تواضع کے لیے ہتھیار لینے گئی ہیں بس آتی ہی ہوں گی"۔

گلباز نے تعجّب سے پلکیں جھپکائیں۔

"کیا تمہارے یہاں مہمانوں کی خاطر تواضع ہتھیاروں سے کی جاتی ہے ؟"

"واہ جان نہ پہچان مَیں تیرا مہمان"۔

"مگر جان پہچان تو ہو چکی تھی۔ آج ہم مہمان بن کر آئے ہیں"۔

"تمہیں کیا معلوم کہ مَیں اس جنگل میں رہتی ہوں ؟"

"یہ شہزادہُ عالی سے پوچھو جو مجھے کھینچ لائے ارے ......"

پھر فوراً ہی وہ اپنی حماقت پر بوکھلا گیا۔ "شہزادہ عالی" کے الفاظ بلا اختیار زبان سے ٹپک پڑے تھے۔ خانہ بدوش حسینہ کی پیشانی پر حیرت کی لکیر کھنچ گئی۔

"شہزادہ عالی .... ؟"

"میرا مطلب ہے .... محبت .... یعنی دِل کا شہزادہ۔ بادشاہ شہنشاہ وغیرہ جو بھی آئے کہہ لو .... ہاں وہ کیا کہتے ہیں۔ سلطنتِ عشق کا جہانگیر ملکِ محبّت کا شاہجہان اور ...."

"کیا بات ہوئی ؟" خانہ بدوش لڑکی جھنجھلائی۔

کر کے خوشبوؤں کا کارواں محوِ پرواز ہوتا ہے جیسے کسی آن دیکھے معبد میں پُر اسرار گھنٹیاں بج رہی ہوں یا آسمانی رقاصہ زہرہ اپنے پاؤں میں ستاروں کی جھانجھنیں باندھے ناچ رہی ہو۔

یہ سحر آفریں آواز کیسی تھی ؛

یک لخت بختیار مرزا نے دُور بانسوں کے جھُنڈ کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور ولی عہد نے باگ اُٹھادی ۔ گھوڑوں نے ایک ہی جست میں چشمہ عبور کیا اور بانسوں کے جھُنڈ کی جانب اُڑتے چلے گئے ۔ ڈیڑھ دو فرلانگ کا چکّر کاٹ کر وہ ایک پُر بہار وادی میں جا پہنچے جہاں جنگلی نسترن کی جھاڑیوں اور جھاؤ کے درختوں کے درمیان نرم نرم گھاس کے ایک شاداب قطعہ پر دس بارہ خانہ بدوش لڑکیاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ناچ رہی تھیں ۔ ان کے لبوں پر ایک پہاڑی گیت کی دلکش لے مچل رہی تھی ۔

شہزادہ نے ٹھٹک کر گھوڑے کی باگ کھینچ لی ۔ ہونٹوں پر ایک تحیّر زا سسکاری تڑپی اور فرطِ حیرت سے آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں ——— خانہ بدوش لڑکیوں میں اس نے شہزادی کی جھلک دیکھ لی تھی جو سُرخ لہنگا پہنے اور پاؤں میں چاندی کی جھانجھنیں باندھے ان کے درمیاں رقص کر رہی تھی ———

ٹاپوں کی آواز سُنتے ہی لڑکیوں نے بدحواس ہو کر اجنبی سواروں کی طرف دیکھا۔ جو رہزنوں کی طرح ناگہاں درختوں کی اوٹ سے نمودار ہوئے تھے ۔ ان کے ہونٹوں پر گیت کی لے ٹوٹ گئی ۔ پاؤں کی گردش تھم گئی ۔ رقص کا دائرہ ٹوٹ گیا ۔ وہ خوف و دہشت سے چیختی چلّاتی ایک طرف بھاگ نکلیں اور جھاؤ کے درختوں کے پیچھے غائب ہو گئیں ۔ صرف شہزادی ششدر کھڑی اُنہیں دیکھتی رہی ۔

اس کی آنکھوں سے سحر و طلسم کی وہی شعاعیں پھُوٹ رہی تھیں جو شہزادہ قاسم کے سینے میں اُتر گئی تھیں ——— حسنِ نہایت کی وہ تجلّی جو عقل و ہوش کو پھُونکتی چلی گئی تھی پھر اس کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی ۔ چاند نگر کے وارثِ تخت و تاج نے محسوس کیا اس کے بدن میں بجلیاں سی کوند رہی ہیں ۔ نبضوں میں فرحت زا " ٹھنڈی آگ " دوڑنے لگی ہے اور اس ناگہانی ، غیر متوقع ملاقات نے اس پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیّت طاری کر دی ہے ۔

خانہ بدوش حسینہ ہولے ہولے چلتی سواروں کی طرف بڑھی اس کے پاؤں میں

کھڑی ہو گئی تھی ۔ خانہ بدوش حسینہ اسے دیکھتے ہی بولی ۔

"یہ میری سہیلی چمکی ہے ۔ سردار سلیمان کی بیٹی ——— چمکی آجاؤ ۔"

" چمکی گھبراتی، ہچکچاتی آگے بڑھی ۔ ہاتھ میں چوڑے پھل کی کلہاڑی چمک رہی تھی ۔

جب قریب آئی تو بختیار مرزا خوف زدہ لہجے میں کہنے لگا ۔

" چمک دمک تو واقعی خوب ہے لیکن یہ کلہاڑی کیوں اٹھالائی کیا مسواکیں کاٹنے آئی ہے ؟"

چمکی نے قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھا ۔

"مسواکیں نہیں تمہاری ناکیں کاٹنے آئی ہوں ۔ کون ہو تم ؟"

" زبان بھی خوب چلتی ہے ۔"

اس پر چمکی برافروختہ ہو گئی ۔ کڑک کر بولی ۔

"اے ——— جان پیاری ہے تو جدھر سے آئے ہو ادھر ہی لوٹ جاؤ ۔ ورنہ ...."

"چمکی ———!"

شہزادی کی آواز گونجی، پھر اس نے تیز نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ پوچھا ۔ چمکی نے بتایا

" گومی، رابی، رومہ، ساراں اور نومی یہاں سے سیدھی ڈیرے پر گئیں اور انہوں نے سردار کو بتایا کہ دو شکاریوں نے شہزادی کو گھیر لیا ہے ...."

" یہ تو بہت برا ہوا ۔"

یہ کہہ کر شہزادی یک لخت ولی عہد کی طرف گھوم گئی ۔

" بہادر ——— ! تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ ۔ اگر کسی خانہ بدوش نے دیکھ لیا تو واپس نہ جا سکو گے ۔"

" مگر ہم نے خانہ بدوشوں کا کیا بگاڑا ہے ؟"

شہزادی کی حسین اور سیاہ آنکھوں میں خوف کی لہر چمک رہی تھی ۔ آواز کی لرزش دلی اضطراب کا پتہ دے رہی تھی ۔

" تم نہیں جانتے، یہ جنگل خانہ بدوشوں کا گھر ہے ۔ کوئی غیر آدمی ان کے گھر

"بات یہ ہوئی کہ تم شہزادی، یہ شہزادہ۔ تم جنگل کی رانی، یہ بے ملک کا نواب"۔
شہزادی بے اختیار مسکرادی اور ولی عہد کی طرف دیکھنے لگی۔
"تم ٹھیک کہتے تھے تمہارا دوست واقعی دلچسپ آدمی ہے"۔
"مگر میں آدمی کب ہوں"۔
"پھر کیا ہو؟"
"ایک نوجوان ...."

اس جواب پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی آواز دور تک کھنکتی چلی گئی جیسے جھانجھنیں ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ کر اِدھر اُدھر بکھر گئی ہوں۔ جب ہنسی تھمی، شہزادہ نے اس کی جادوگر آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"کیا تم اِسی جنگل میں رہتی ہو؟"

شہزادی نے بتایا"۔ سردار جگو کا قبیلہ بہت وسیع اور دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے کئی گروہ ہیں۔ ہر گروہ کا ایک الگ سردار ہے جو جگو سے ہدایت حاصل کرتا ہے۔ اس جنگل میں بھی ایک گروہ کئی سال سے ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔ گڑھی رنبور جانے سے پہلے سردار یہیں رہتا تھا مگر اس کے بعد سردار سلیمانؔ پورے قبیلہ پر حکومت کرتا تھا۔ شمالی جنگلوں میں رہنے کے باوجود جہاں بھیلوں، گونڈوں، پاسیوں، کاچھیوں، کولیوں اور میگھواڑوں کی اکثریت ہے اور راجپوت بھی انہی کی بولی بولتے ہیں مگر خانہ بدوش وسطی ہند کی زبان بولتے ہیں۔ احکام بڑے سخت ہیں۔

شہزادہ اور بختیار تعجب سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ جگو کا قبیلہ کئی ہزار افراد پر مشتمل تھا اور اس اعتبار سے شہزادی واقعی اسم بامسمیٰ تھی۔ اس کا باپ ہزاروں خانہ بدوشوں پر حکومت کرتا تھا۔ اسی اثنا میں جھاڑیوں کی اوٹ سے ایک خانہ بدوش لڑکی کا چہرہ نمودار ہوا جو چھپ کر صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی بختیار کی ہوشیار نگاہوں نے فوراً اسے دیکھ لیا اور ہاتھ لہرا کر بے تکلفی سے بولا۔
"آؤ ——— آؤ ——— شرمانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم کوئی غیر تھوڑے ہیں"۔

شہزادی اور ولی عہد کی نظریں ایک ساتھ لڑکی پر پڑیں جو جھاڑی کے عقب میں

وہ یوں اُچھل گئی جیسے سچ مچ اسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

"کیا وہ کل بھی آنے کی جرأت کریں گے؟"

"چمکی! کس غلط فہمی میں مبتلا ہو وہ اتنے بہادر ہیں کہ تمہیں رات کو ڈیرے سے اُٹھا کر بھی لے جائیں"۔

اس کے جواب میں چمکی کا قہقہہ کانچ کی طرح ٹوٹ کر بکھرا اور ہنسی دُور تک اُڑتی چلی گئی مگر دوسرے لمحے اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ شہزادی کہہ رہی تھی۔

"وہ چاند نگر کی شاہی فوج کے سپاہی اور موت کے شکاری ہیں۔ جگنا بن کا آدم خور تنہا بہادر نے مارا تھا ——"

چمکی اسے حیرت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

قبیلے کا سب سے بہادر جوان کاشو جس نے ایک مرتبہ پہاڑی ریچھ سے لڑتے ہوئے اس کے جبڑے چیر دیئے تھے۔ دس خانہ بدوش بہادروں کو جلو میں لیے آندھی کی طرح اُڑتا چلا آیا۔

سب کے سب چوڑے پھل کے کلہاڑوں سے مسلح اور سخت مشتعل تھے۔ بالخصوص کاشو کی آنکھوں میں تو کوندے لپک رہے تھے اور وحشی درندوں کی مانند غراتا۔ جوش و غصہ میں کانپتا، زلزلے اور طوفان کی مانند آ رہا تھا۔ ڈیرے کے چوگرد پھیلی کچی دیوار سے گزر کر تیزی سے بانسوں کے جھنڈ کی طرف لپکا۔ گل و نسترن کی وادی جہاں خانہ بدوش لڑکیاں سیر و تفریح کے لیے نکل جاتی تھیں۔ اسی سمت تھی لیکن ابھی وادی سے نصف پون فرلانگ دور ہی تھا کہ نگاہوں کے سامنے بجلیاں سی کوندگئیں اور ٹھٹک کر رک گیا۔ شہزادی اور چمکی بالکل اس کے قریب آ پہنچی تھیں۔

کاشو کی آواز بادل کی مانند گرجی۔

"کہاں ہیں وہ آدمی ——؟"

شہزادی نے بڑی بے پروائی سے پوچھا۔

"کون آدمی؟"

"وہی شکاری جو گھوڑوں پر سوار وادی میں آ پہنچے تھے"۔

میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی لڑکیوں کو غیر مردوں سے ملنے نہیں دیتے۔ بس تم چلے جاؤ......"

"مگر ہم تو کفن ساتھ لے کر آئے تھے"۔

یہ بختیار کی آواز تھی۔ شہزادی مضطرب لہجے میں بولی۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں گلباز——! اپنے دوست کو لے کر نکل جاؤ۔ گومی اور رابی انہیں یقیناً اپنے ساتھ لے کر آ رہی ہوں گی وہ کلہاڑی کی زبان سے گفتگو کرتے ہیں"۔

"پھر تو میں ان کا انتظار کروں گا"۔

شہزادہ کے لہجے میں سکون اور ٹھہراؤ تھا۔ خانہ بدوش حسینہ تڑپ کر رہ گئی۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں اگر انہوں نے مجھے تم سے گفتگو کرتے دیکھ لیا تو میری شامت آجائے گی۔ تم تو شاید لڑتے مرتے نکل ہی جاؤ...... لیکن نہیں وہ موت کی طرح نہایت خاموشی سے گھیرا ڈالتے ہیں...... ابھی وقت ہے میری خاطر نکل جاؤ"۔

"پھر ملاقات کب ہو گی؟"

شہزادی ایک ثانیہ خاموش رہی پھر انگلی سے ایک طرف اشارہ کرتے مدھم آواز میں بولی۔

"کل —— اس تلاؤ کے پاس میں تمہارا انتظار کروں گی"۔

شہزادہ ایک ہی جست میں گھوڑے پہ تھا۔ بختیار مرزا نے چمکی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"چمکی ——! تم بھی ضرور آنا کل میں تمہاری قسمت کا حال بتاؤں گا مگر کلہاڑی ساتھ نہ لانا"۔

دوسرے لمحے وہ بھی گھوڑے کی پشت پر نظر آیا۔

دونوں بجلی کے کوندوں کی طرح لپکتے چلے گئے اور بانسوں کے جھنڈ کی بجائے اس تلاؤ کی طرف لپکے جو اس وادی کے نشیب میں واقع تھا۔ شہزادی تھوڑی دیر کھڑی انہیں دیکھتی رہی پھر تیزی سے ایک طرف چل دی۔ چلتے چلتے چمکی نے پوچھا۔

"یہ کون لوگ تھے؟"

"کل انہی سے پوچھ لینا——"

"گڑھی میں رہ کر مزاج بگڑ گیا ہے"۔ دوسرا کہنے لگا ——— "یہاں رہی تو آٹھ دس روز میں تیر کی طرح سیدھی ہو جائے گی۔ اگر وہ سردار کی بیٹی ہے تو کاشو بھی کم نہیں ——— ایسا گبھرو پورے قبیلے میں نہیں ملے گا۔ سردار جگو بھی اسے بیٹوں کی مانند عزیز سمجھتا ہے ...."

کاشو نے فخر سے سر اٹھایا لیکن اس کا ذہن فکر و اندیشہ کا بوجھ محسوس کر رہا تھا ڈوبے ڈوبے تشویش انگیز لہجے میں بولا۔

'یہ بات نہیں بالی ——— ! مجھے تو کچھ دوسرے ہی تیور نظر آ رہے ہیں۔ سوچتا ہوں کہیں وہ شکاری شہزادی سے ملنے تو نہیں آئے تھے؟'

"کیا بات کرتے ہو کاشو !" بالی نے اپنا صحت مند چوڑا سینہ تان کر جواب دیا۔ "کس مائی کے لال میں حوصلہ ہے کہ وہ شیروں کی کچھار میں پاؤں بھی رکھ جائے، شہزادی کل تو آئی ہے یہاں اسے کون شکاری ملنے آئے گا۔ میرا خیال ہے چاند نگر کے بھیل سوار بھٹکتے ہوئے آ نکلے ہوں گے۔ وہ قریب ہی تو خیمہ زن ہیں ———"

"ہو سکتا ہے میرا وہم غلط ہو مگر بالی ! دل یونہی خطرے کی آواز نہیں دیتا، کوئی بھید ضرور ہے"۔

بالی بھی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"شہزادی پر خفیہ نگرانی رکھو سارا بھید کھل جائے گا"۔

کاشو اچھل گیا۔

"ٹھیک ہے ——— میں آج ہی اس کی نگرانی شروع کر دوں گا"۔

کاشو نے بالی کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا پھر تیزی سے مڑا اور آندھی کے لڑکھڑاتے جھونکے کی مانند خانہ بدوشوں کے ہمراہ اس پتلی سی پگ ڈنڈی پر ہو لیا جو مڑتے تڑتے درختوں کے درمیان ناگن کی طرح بل کھاتی ڈیرے میں چلی گئی تھی۔

دور شام کے اندھیروں میں چولہوں اور تنوروں کے دھوئیں کی بلند ہوتی لہریں جنگل میں زندگی کا اعلان کر رہی تھیں۔

دوسرے روز شہزادہ قاسم اور بختیار مرزا سرِ شام ہی خیمہ گاہ سے نکلے اور جنگل

"شکاری تھے ——— جدھر سے آئے اُدھر کو چلے گئے"۔

"وہ وادی میں کیوں آئے تھے ؟"

شہزادی نے قہر آلود نظروں سے اس کی طرف دیکھا ——— پھر جواب دیا۔

"مَیں نہیں جانتی ——— تمہیں مِل جائیں تو پوچھ لینا"۔

کاشو نے اس کی طنز کو بھانپ لیا ——— لیکن بدستور اسی لہجے میں بولا۔

"اُنہوں نے تمہارا راستہ کاٹا تھا ——— تم سے اُلجھنے کی کوشش کی تھی ؟"

"کاشو ——— ! تم جانتے ہو مجھ سے اُلجھنے کا انجام کیا ہُوا کرتا ہے۔ کیوں اس قدر چمک رہے ہو، شکاری تو جا چکے"۔

کاشو نے شعلہ افگن آنکھوں سے دیکھا۔

"اگر وہ جانہ چکے ہوتے تو ان کی لاشیں گرادیتا۔ مجھ سے اُلجھے اور نمٹے بغیر کوئی شخص تمہارا راستہ نہیں کاٹ سکتا"۔

"کیوں ———؟"

"یہ سردار کا فیصلہ ہے"۔

"زبان بند رکھو———"

یہ کہہ کر شہزادی نے چمکی کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے کترا کر نکل گئی۔ کاشو اور اس کے ساتھی دیکھتے ہی رہ گئے آج تک قبیلے کی کسی لڑکی نے کاشو کے ساتھ توہین آمیز سلوک نہ کیا تھا۔ لیکن شہزادی سردار جگو کی بیٹی تھی اور کاشو جو اس کا اُمیدوار بھی تھا خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

شام نے جنگل پہ تاریک مٹیلے پَر پھیلا دیئے تھے۔ کوہستان کی خنک اور ٹھنڈی ہَواؤں کی لہر دمبدم تیز ہورہی تھی۔ اس سرد اور تاریک جھٹپٹے میں سردار جگو کی آفریدہ جمال لڑکی کسی باوقار شہزادی کی طرح آنچل اُڑاتی درختوں اور شاخوں کی اوٹ میں غائب ہو رہی تھی۔ کاشو ابھی تک گُم سُم کھڑا تھا۔ گویا اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ اچانک ایک ساتھی نے خطرے کا اظہار کیا۔

"لونڈیا تو پُٹھے پہ ہاتھ نہیں رکھنے دیتی۔ بہت تیز ہے۔ نجانے سردار اُسے کیا پڑھا سِکھا لایا ہے"۔

میں اپنے معیّن راستوں پر گردش کر رہے تھے لیکن ان کی مدہم سی روشنی میں جنگل کے راستوں کا تعیّن کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہی تھا ——— اندھیرے میں درختوں کی شاخیں سانپوں کی مانند جھول رہی تھیں جن سے قدم قدم پر اُلجھنا پڑتا تھا۔ شاید اندازہ ہی تھا یا بھیل سردار نے واقعی کوئی کھوج، کوئی سراغ پا لیا تھا۔ افریقی چیتے کی طرح بُو سونگھتا، اندھیرے کے سینہ میں نظریں گاڑتا کوئی آہٹ اور آواز پیدا کیے بغیر وہ جنگل میں گھستا چلا گیا۔

گھوڑے کی باگ اور نیزے پر اس کی گرفت مضبوط تھی اور تنہا ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

چاروں طرف ہولناک، دہشت انگیز سناٹا طاری تھا۔

شمال کی طرف اُونچے اُونچے سر بفلک پہاڑ اپنے پتھریلے سینے میں ابتدائے آفرینش کے سینکڑوں راز چھپائے اَن گنت صدیوں سے موت کے دیوتاؤں کی طرح ساکت وصامت، مہر بہ لب کھڑے تھے ان پہاڑوں کی ازلی خاموشیوں کی گود میں پرورش پانے والا پُراسرار سناٹا دامنِ کوہ کی مہیب وادیوں اور میلوں تک پھیلے بھیانک جنگلوں پر موت کی طرح حکمرانی کرتا تھا۔

اُونچے کوہستانوں کے عظیم اور طویل سلسلہ سے اٹھارہ بیس میل دُور اس جنگل پر بھی وہی ہیبت آفرین اور بھیانک سناٹا طاری تھا جس نے انسانی تاریخ پر ہمالیہ کی عظمت وہیبت کی مہریں ثبت کی تھیں۔ ہر سمت ہُو کا عالم تھا۔ شمالی ہَواؤں کی طوفانی سرسراہٹیں اور لاتعداد جھینگروں کی "جھائیں ...... جھائیں ......" کی مسلسل آوازیں اندھیرے کی وحشت اور سناٹے کی دہشت میں اضافہ کر رہی تھیں۔ ایک نامعلوم سے خوف نے جنگل کی تاریکی میں کئی بھیانک رُوپ دھار لیے تھے۔ اگر جھاڑیوں میں کوئی چوہا یا خرگوش بھی پھدکتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے کوئی درندہ اپنے شکار پر جھپٹ پڑتا ہو۔

شہزادہ قاسم اور بختیار مرزا چیتے کی سی ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ درختوں کے درمیان چلتے، جھاڑیوں سے بچتے اس چشمہ پر آ پہنچے جو خانہ بدوشوں کے مسکن کی حد سمجھا جاتا تھا۔ یہیں سے بانسوں کے جھنڈ کی طرف ایک پتلی سی پگ ڈنڈی جاتی تھی۔

کی طرف ہو لیے۔ آج بھی کوئی غلام، سپاہی اور محافظ ساتھ نہ تھا۔ بھیل سردار منصور اور میر شکار بخشی نے انہیں رخصت کیا، ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ پھر منصور سرگوشی کرتے بولا۔

"آج سرکار اس سمان جات رہے، رات ہو گیو کہا سکار اندھیرے میں کھیلا جائیو۔"

"اندھیرے میں جوان شکار کھیلنے نہیں خود شکار ہونے جایا کرتے ہیں۔"

میر شکار کی بات سُنکر بھیل سردار دم بخود رہ گیا۔

"کہا بولو ہو میر جی!"

"کوئی حسین شکار معلوم ہوتا ہے منصور کاکا!"

منصور ایک لمحہ کچھ سوچتا رہا پھر فکر مند آواز میں کہنے لگا۔

"پر اس جنگل بھیتر کون راج کماری بسے ہے جس سے سرکار ملن جات ہیں۔ کوئی اور ہی بھید ہووے۔"

دونوں مصاحب اپنا اپنا خیال ظاہر کرتے خیمہ گاہ میں لوٹ آئے بخشی تو چھولداریوں کے ساتھ ساتھ چلتا شاہی سراپردہ کی طرف نکل گیا جہاں مشعلیں روشن ہو چکی تھیں مگر بھیل سردار اصطبل کے قریب ہی رُک گیا جب میر شکار پندرہ سولہ قدم آگے جا چکا تو منصور بلی ایسی پھرتی کے ساتھ تھان کی طرف لپکا اس نے "پلانوں" کے ڈھیر سے ایک نمدہ اٹھایا اور آگے بڑھ کر ایک سیاہ گھوڑے پہ کس دیا پھر نیزہ کھینچ کر اچھلا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

سایوں میں چھپتا، سپاہیوں کی نظروں سے بچتا وہ آہستہ آہستہ کنارے کی طرف کھسکتا رہا۔ طلایہ گرد سوار اس کے حکم سے سرِ شام ہی نصف پون فرلانگ کے فاصلہ سے خیمہ گاہ کے چوگرد گھومنا شروع کر دیتے تھے۔ منصور ایک اونچی جھاڑی کی اوٹ میں کھڑا ان کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ برچھی کی آواز پیدا کرتے آگے بڑھ گئے، اس نے گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگائی اور نالہ عبور کر کے جنگل کی جانب ہو لیا۔

کائنات پہ کثیف اندھیرے کا غلاف چڑھا تھا اور اس وحشت خیز، تاریک سناٹے میں "بھائیں بھائیں" کرتا جنگل ہول پیدا کر رہا تھا۔

آسماں پہ ستاروں کی قندیلیں جھلملا رہی تھیں۔ رات کے راہی بے کراں خلاؤں

یہ کہہ کر اس نے بھی خنجر پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور گھوڑا نشیب میں ڈال دیا۔
جنگل کا یہ حصّہ زیادہ تر جھاڑ، جنگلی بیریوں اور کریروں پر مشتمل تھا۔ کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر وہ جھیل نما تالاب آیا۔ جس کے کناروں پر صنوبروں نے سایہ ڈال رکھا تھا۔ خانہ بدوش غالباً پینے کا پانی اسی تالاب سے حاصل کرتے تھے۔ کیونکہ قاسم نے کل ہی دیکھ لیا تھا اس کے اِرد گرد پتھروں کی دو ڈھائی فٹ اونچی باڑھ باندھی گئی تھی تاکہ مویشی اور جنگلی جانور پانی آلودہ نہ کر سکیں۔
تلاؤ ایک گہرے نشیب میں واقع تھا۔ یہ نشیب چشمہ کے کنارے ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ یہاں چاروں طرف گہرا، پُر اسرار سناٹا مسلط تھا۔ جس میں جھینگروں کی موسیقی خوف کی لہر بن کر دوڑ رہی تھی اور پانی کی سطح پر ستاروں کے عکس جگنوؤں کی طرح تھرتھرا رہے تھے۔
گھوڑے بختیار کی حفاظت میں چھوڑ کر اور اسے ہوشیار و مستعد رہنے کی تاکید کر کے شہزادہ ہولے ہولے صنوبروں کے جھنڈ کی طرف چل دیا۔ جونہی وہ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکلا جنوب مشرقی کنارے پر ایک سایہ نظر آیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔
وہ سایہ سردار جگو کی آفریدۂ جمال لڑکی شہزادی کے علاوہ کسی کا نہ تھا۔
غالباً خانہ بدوش حسینہ نے بھی اپنے مہمان کو دیکھ لیا تھا۔ تیزی سے اُسی کی طرف لپکی پھر دوسرے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر اور جسموں میں احساسِ کیف کی ایک عجیب سی لرزش تھی۔ شاید دونوں ہی ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں سن رہے تھے۔ خاموشی کی مہر آخر شہزادی نے توڑی ساتھ ہی اس کے جسم میں اضطرابِ مسرت کی لہر دوڑ گئی۔
"بہادر........! تم سچ مچ بہادر ہو۔"
قاسم اس کا نازک ہاتھ تھامے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ "کیا تمہیں یقین تھا میں آؤں گا؟"
"اگر یقین نہ ہوتا تو یہاں کیوں آتی ——— ؟"
پھر یک لخت اداس اور نڈھال سی نظر آنے لگی۔ اس نے بتایا۔
"کاشو کل سے میری ٹوہ میں رہتا ہے۔ میں اپنے آس پاس پُر اسرار سایوں کو

جو اندھیرے میں سانپ کی مانند لیٹی تھی لیکن بانسوں کے جھنڈ کی سمت بڑھنے کی بجائے وہ چشمے کے ساتھ ساتھ مغرب کی جانب چلنے لگے۔

گھوڑوں کی رفتار مدہم تھی، شاید اسی لیے ٹاپوں کی آواز بلند نہ ہوئی۔ جانور بار بار کنوتیاں بدلتے اور چپ چاپ چلے جاتے تھے۔

شہزادہ خطرے سے غافل نہ تھا۔ اس کا خیال تھا ممکن ہے کل کے واقعہ کے مدِ نظر خانہ بدوش آج محتاط ہی رہے ہوں اور درختوں کی اوٹ یا جھاڑیوں میں چھپ کر جنگل کی نگرانی کر رہے ہوں۔ اسی لیے انہوں نے تلاؤ پر پہنچنے کے لیے ایسا راستہ اختیار کیا تھا جو جھاڑیوں اور گھنے درختوں سے دُور ہی تھا۔ کل جب شہزادی سے رخصت ہوئے تو تلاؤ کے راستے ہی لوٹے تھے گویا یہ راستہ دیکھا بھالا تھا۔ چشمہ کے کناروں پر بعض جگہ لمبی لمبی گھاس اور کائی کے ذخیرے تھے مگر ان کی تیز نگاہیں اس اندھیرے میں بھی دُور تک دیکھ سکتی تھیں۔

چشمہ کے کنارے کنارے ڈیڑھ دو فرلانگ چلنے کے بعد جب وہ شمالی مشرق کی طرف مڑے تو اچانک بختیار مرزا نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور سرگوشی کرتے بولا۔

"صاحبِ عالم ——— ! شاید ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے"۔

قاسم نے بھی گھوڑا روک لیا تھا۔ اس نے تشویش انگیز نگاہوں سے اپنے عقب میں دیکھا مگر کچھ بھی نظر نہ آسکا۔

"تمہارا وہم ہے۔ کسی کو تعاقب کرنے کی ضرورت کیا تھی؟"

"پھر ہم اس قدر محتاط کیوں ہیں؟ آخر کوئی خطرہ تو ضرور ہے"۔

"تم میرا مطلب نہیں سمجھے ..... اگر ہم دیکھ لیے جاتے تو اندھیرے سے آنے والا تیر کمان سے نکل چکا ہوتا"۔

بختیار مرزا نے اپنے نتھنے سکیڑ کر فضا میں سونگھا۔

"میں خطرے کی بُو سُونگھ رہا ہوں۔ یقیناً ہم دیکھ لیے گئے ہیں۔ ابھی ابھی میں نے اپنے عقب میں آہٹ سنی ہے ..... میری چھٹی حس جاگ رہی ہے"۔

قاسم نے ایک لمحہ غور کیا پھر کہنے لگا۔

"ابھی تک ہم پر حملہ نہیں ہوا۔ اگر ہم دیکھ بھی لیے گئے ہیں تو گھبرانے سے فائدہ؟ تلاؤ یہاں سے دُور نہیں .... تم ہوشیار رہو، خنجر سنبھال لو"۔

یہاں بھی اس کی چھٹی حس پُوری طرح بیدار تھی اور وہ نتھنے سکوڑ سکوڑ کر فضا کو سونگھ رہا تھا۔ جیسے خطرہ پھول کی باس بن کر اس کے نتھنوں سے آٹکرائے گا مگر دُور دور تک کسی خطرے کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ جنگل کا روایتی سناٹا ہونک رہا تھا۔ سوچنے لگا کہیں چشمہ پر کسی وہم نے اسے شُبہ میں نہ ڈال دیا ہو۔ یہی سوچتا ہُوا پلٹا تھا کہ اچانک قریب ہی کہیں کھٹکا ہُوا پھر یوں لگا جیسے کوئی جھاؤ کی جھاڑیوں کے درمیان ہولے ہولے حرکت کر رہا ہو وہ اُچھل کر مڑا شبہ حقیقت کا رُوپ دھارنے لگا۔

پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر تلاؤ کے قریب جھاڑیاں پھر سرسرائیں۔ اس نے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ بندوق کندھے سے اتاری پھر خنجر کو انگلیوں میں تولتا دبے پاؤں جھاڑیوں کی طرف لپکا "لیکن یہ کیا حماقت ہے میں کھڑا ہوں اور اگر واقعی کوئی دُشمن گھات لگا رہا ہے تو مجھے بہ آسانی نشانہ بنا سکتا ہے"۔ اس خیال کے آتے ہی فوراً گھاس پر لیٹ گیا اور کہنیوں کے بل رینگنے لگا۔ چاہتا تھا خنجر یا گولی چلانے کی بجائے چھلانگ لگا کر دشمن پر جا پڑے اور اسے دبوچ لے۔

چند ہی لمحوں میں رینگتا ہُوا جھاڑیوں کے پاس جا پہنچا۔ شاید دُشمن ابھی تک بے خبر اور اس سے چار پانچ قدم کے فاصلے پر دبکا پڑا تھا۔ بختیار مرزا یہاں سے بہ آسانی اس پر چھلانگ لگا سکتا تھا لیکن ادھر مرزا جست بھرنے کے لیے اُٹھا ادھر اسی لمحے کوئی جھاڑیوں میں تن کر کھڑا ہو گیا اور اس کی کلہاڑی کا پھل کوندے کی طرح چمکا، لپکا اور ساتھ ہی آواز آئی۔

"کون ہو تم ——؟"

بختیار مرزا اس کی آواز پہچان کر اپنے ہی زور میں لڑھک کر جھاڑیوں میں گرا۔ چمکی ہاتھ میں کلہاڑی تھامے اس کے سر پر کھڑی تھی —— وہ کولہے کو مسلتا ہولے ہولے اُٹھا۔

"اری چمکی —— تم ہو؟"

چمکی نے بھی بہادر کے ساتھی گلباز کو پہچان لیا تھا۔ کلہاڑی کے پھل کی مانند چمک کر بولی۔ "کیوں —— تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟"

اب وہ بالکل لڑکی کے قریب کھڑا تھا اور بندوق پھر کندھے پر ڈال لی تھی۔

"چمکی! آج گھر جا کر اپنا صدقہ ضرور اُتارنا"۔

"کیوں۔ مَیں کیوں صدقہ اتاروں؟"

"شکر کرو قسمت اچھی تھی۔ میری گولی سے بچ گئی ہو ورنہ مَیں تو تمہیں لومڑی سمجھ

حرکت کرتے دیکھتی ہوں۔ آج بھی جب ڈیرے سے نکلی کوئی شخص میرا تعاقب کر رہا تھا۔ کوشش کے باوجود کسی کی شکل نہ دیکھ سکی۔ بس چلتے چلتے یوں لگا۔ جیسے چند نامعلوم آنکھیں مجھے گھور رہی ہوں۔ میں بے مقصد اِدھر اُدھر پھرتی رہی پھر ڈیرے کو لوٹ گئی۔ جب میں جھونپڑوں کے درمیان سے گزر رہی تھی پُراسرار تعاقب آپ ہی آپ ختم ہو چکا تھا۔"

قاسم حیرت و تعجب سے اس کی بات سنتا رہا۔ "پھر تم یہاں کس طرح پہنچی؟"

"جانوروں کے خطرے کی وجہ سے ڈیرے کے اِرد گرد ایک کچی دیوار کھڑی کر دی گئی ہے جس میں چار دروازے ہیں کسی نے مجھے دروازے سے گزرتے نہیں دیکھا کیونکہ میں دیوار پھاند کر یہاں پہنچی ہوں۔"

"مگر یہ کاشو کون ہے؟ کیا قبیلے کے کسی آدمی کو سردار کی بیٹی سے اُلجھنے کا حوصلہ ہو سکتا ہے؟"

"کاشو سردار کے سب سے عزیز اور وفادار دوست جندو کا بیٹا ہے جو چند سال پہلے فوت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کاشو کی تربیت اور پرورش بابا نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ بابا ہی کے پیار نے اسے گستاخ بنا دیا ہے ......"

"اس کا مطلب ہے کاشو تم پر اپنا حق سمجھتا ہے؟"

شہزادی خاموش ہو گئی پھر اس نے جواب دیا۔

"جندو چاچا مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔ میں چھوٹی ہی تھی جب اس نے بابا سے مجھے اپنے بیٹے کے لیے مانگا تھا لیکن بابا نے کہہ دیا وہ مجبور ہے اس کی خواہش پوری نہیں کر سکتا ——— وقت خود شہزادی کی قسمت کا فیصلہ کرے گا۔"

یہ کہہ کر خانہ بدوش حسینہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی اور قاسم کا دل پہلو میں تیزی سے دھڑکنے لگا۔

بختیار مرزا نے گھوڑوں کے رسّے ایک درخت کے تنے سے باندھ دیئے اور بندوق کندھے پر لٹکا کر خنجر بکف دبے قدموں اِدھر اُدھر پھرنے اور کسی خطرے کی ٹوہ لینے لگا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

نجانے اسے یہ شبہ کیسے ہو گیا تھا کہ چشمہ پر کوئی پُراسرار ہستی اُن کا تعاقب کر رہی تھی

وہ کب اپنے خیمے اُٹھالیں اور کدھر نکل جائیں "۔

قاسم نے ہاتھ بڑھا کر اس کی سیاہ زلفوں میں شانہ کیا۔

"تم کہیں بھی چلی جاؤ، جنگل کی ہوا تمہاری زلفوں کی خوشبو میرے پاس پہنچا دے گی اور مَیں تمہیں ڈھونڈ لوں گا ——"

"بہادر ——!"

فرطِ محبت سے شہزادی کی آواز لرز رہی تھی۔ قاسم نے از خود رفتگی کی حالت میں اسے سینے سے چمٹا لیا اور بولا۔

"مَیں کل پھر آؤں گا —— یہیں —— اسی وقت ——"

"ہوشیار رہنا بہادر! مَیں تمہیں خطرے سے آگاہ کر چکی ہوں۔ اس جنگل میں درندوں سے زیادہ خطرناک آدمی رہتے ہیں "۔

"گھبراؤ نہیں، مَیں بھی شکاری ہوں "۔

پھر خانہ بدوش حسینہ نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی۔ شاید یہ جمکی کے لیے اشارہ تھا پھر تیزی سے پتھروں کی باڑھ کے ساتھ ساتھ ایک طرف لپکتی چلی گئی۔ شہزادہ اس سے رخصت ہو کر گھوڑوں کی سمت چلا۔ بختیار مرزا اس کا منتظر تھا اور جمکی جا چکی تھی۔

اچانک تلاؤ کے اس پار اندھیرے میں ایک خوفناک نسوانی چیخ اُبھری۔ وہ دونوں اُچھل کر رہ گئے۔ آواز یقیناً شہزادی کی تھی۔ قاسم کے کلیجے میں چھریاں سی اُتر گئیں مگر وہ لمحہ تو قیامت کا تھا جب بختیار کی نظر عقبی جھاڑیوں کی طرف اُٹھی اور جھاڑیوں میں اس نے متعدد کلہاڑوں اور برچھوں کو چمکتے ہوئے دیکھ لیا جو ہولے ہولے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ بوکھلا سا گیا۔

"صاحبِ عالم! دشمن نے ہمیں گھیر لیا"۔

شہزادہ نے بھی خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ دونوں بجلی ایسی تیزی کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہوئے تیس چالیس قدم کے فاصلے پر جھاڑیوں میں بھونچال سا برپا تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد کافی معلوم ہوتی تھی۔ انھوں نے اس صفائی سے گھیرا ڈالا تھا کہ کوئی سوار زخم کھائے بغیر ان کے حلقہ کو پھلانگ بھی نہیں سکتا تھا۔ قاسم نیزے پر ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے سرگوشی کے لہجہ میں بولا۔

کہ بندوق داغنے ہی والا تھا"۔

چمکی یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہوگئی اور کلہاڑی لہرا کر کہنے لگی۔

"کسی دھوکے میں نہ رہنا میں نے تم جیسے کئی گیدڑ مارے ہیں"۔

جواب ترکی بہ ترکی تھا بختیار کھسیانہ ہوکر بولا۔

"پھر مجھے بھی مار دو۔ میں کسی گیدڑ سے کم نہیں"۔

چمکی نے حیرت پاش نظروں سے اُسے دیکھا۔ "تم مرنا کیوں چاہتے ہو؟"

"آہ ـــــ کیا بتاؤں"۔ وہ گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔ "مولوی کہتا ہے اگر تم مر گئے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ کوئی تمہارا جنازہ بھی نہیں پڑھائے گا کیونکہ کنوارے ہو۔ اب میں کیا کروں۔ کچھ عرصہ ہوا ایک لڑکی ملی لیکن وہ آٹھوں پہر ہاتھ میں چھرا رکھتی تھی۔ اس کا باپ قصائی تھا۔ تمہیں دیکھ کر اُمید پیدا ہوئی کہ شاید میرے دل کی مراد بر آجائے لیکن تم کلہاڑی لیے پھرتی ہو"۔

چمکی نے گھبرا کر کلہاڑی پرے ہٹالی۔ "میں تمہارا دل نہیں دکھاؤں گی"۔

شہزادی اور قاسم صنوبروں کے نیچے بیٹھے راز و نیاز کی باتوں میں مصروف تھے، کہ اچانک شہزادی کہنے لگی۔

"اب چلنا چاہیے بہادر ـــــ! بہت دیر ہوگئی۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو قیامت ٹوٹ پڑے گی"۔

قاسم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ان جنگلوں میں شکار کھیلنے آیا تھا خود شکار ہوگیا ہوں"۔

"مگر انجام بھی سوچ لیا ہے؟"

"انجام کی پروا نہیں"۔

خانہ بدوش حسینہ کے چہرے پر بیک وقت اضطراب و اطمینان کی کیفیتیں اُبھریں وہ جذبۂ عشق کو بھڑکاتے ہوئے بولی۔

"یہ بھی جانتے ہو۔ خانہ بدوشوں کی اپنی کوئی منزل نہیں ہوتی وہ ہواؤں کی طرح آزاد اور اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ آج یہاں، کل وہاں، سردار کے علاوہ کوئی نہیں جانتا

بختیار مرزا نے اپنا گھوڑا سنبھال لیا مگر خانہ بدوش اس کے سر پر پہنچ چکے تھے پھر ایک برچھا اُڑتا ہوا آیا اور اس کے پہلو کے کنارے پر لگا - اس نے فوراً ہی برچھا حملہ آوروں پر دے مارا۔ برچھا ایک خانہ بدوش کی گردن پر پڑا اور شہ رگ کاٹتا ہوا نکل گیا۔ وہ خود معمولی سا زخمی ہو چکا تھا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر لڑکھڑاتے ہوئے باگ بلندی کی طرف موڑ دی ——— خانہ بدوش اس کے پیچھے بھاگے چلے آ رہے تھے۔

کاشو نے قہر آلود نظروں سے شہزادہ قاسم کی طرف دیکھا وہ برچھا پھینکنے کے لیے اسے اپنی زد پر لے چکا اور اس حالت میں آج تک کوئی حریف بچ کر نہ گیا تھا۔ شہزادے نے اسے پیچھے ہٹتے دیکھا اور خانہ بدوش کی چال کو سمجھے بغیر گھوڑا اس پر چڑھا دیا ——— یہی تو وہ لمحہ تھا جس کا کاشو کو انتظار تھا اس نے پوری قوت سے بازو گھمایا اور برچھا پھینکنے ہی والا تھا، کہ عقب سے ایک نیزہ اس کی پسلیوں میں اُتر گیا اور وہ تیورا کر گھوڑے پر ڈھیر ہو گیا۔

قاسم یہی سمجھا۔ بختیار مرزا نے عقب سے اس پر حملہ کیا ہے لیکن وہ تو پیچھے رہ گیا تھا پھر شہزادہ نے ایک تیز سرگوشی کی آواز سُنی -

"سرکار! نکل چلیو ———"

شہزادہ فرطِ حیرت سے گھوڑے پر اُچھل گیا۔ یہ بھیل سردار منصور کاکا کی آواز تھی۔ دوسرے لمحے اس نے زخمی بختیار کو قریب آتے دیکھا۔ عقب میں دس بارہ حملہ آور برچھے لہراتے آ رہے تھے۔ منصور کاکا اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر فوراً آگے بڑھا پھر بختیار مرزا اور حملہ آوروں کے درمیان حائل ہو کر بولا۔

"مَیں بنجاروں کو روک رہوں سرکار ——— ! آپ دونوں نکل جائیے"

بھیل سردار کا لمبا نیزہ تیزی سے گھومنے لگا اور وہ گھوڑا بڑھاتا حملہ آوروں کے سروں پر جا پہنچا - خانہ بدوشوں نے بیک زبان نعرہ لگایا۔ کئی برچھے اور کلہاڑے فضا میں تیر گئے اور گھومتے، لہراتے، چکراتے ہوئے بھالے سے ٹکرا ٹکرا کر گرے۔

شہزادہ نے بختیار کا حال پوچھا۔ "کیا تم ٹھیک ہو؟"

بختیار مرزا کراہ کر سیدھا ہو گیا۔

"میری فکر نہ کیجیے صاحب عالم! یہاں سے نکل چلیے۔ مَیں نے ایک آدمی کو ڈیرے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا ہے - اگر خانہ بدوش کمک لے آئے تو ہم اس جنگل سے نکل نہ

"بندوق نہ چلانا بختیار ۔ ورنہ سارا قبیلہ جمع ہو جائے گا۔"

بختیار مرزا نے بندوق پھر کندھے پر ڈال لی ۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر جھول رہا تھا۔ تصادم ناگزیر تھا ۔ انہوں نے سنبھل کر گھوڑوں کو ایڑ لگا دی ۔ ساتھ ہی پندرہ سولہ حملہ آور شور مچاتے جھاڑیوں سے نکلے اور حلقہ باندھ کر آگے بڑھے ۔ گھوڑے بدک کر پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے ۔ بختیار مرزا کا خنجر ہاتھ سے نکلا اور فضا میں اُڑتا ہوا ایک خانہ بدوش کے سینہ میں ترازو ہو گیا ۔ رات کے اندھیرے میں ایک لرزہ خیز چیخ جنگل کے سناٹے کو توڑتی چلی گئی ۔

خانہ بدوشوں نے مشتعل ہو کر نعرہ لگایا اور ایک ساتھ کئی کلہاڑے اور برچھے فضا میں تیر گئے لیکن قاسم اور بختیار شاید اس خطرناک حملہ سے پہلے ہی آگاہ تھے انہوں نے گھوڑوں کو للکار کر پھر ایڑ لگائی ۔ جانور تین چار فٹ اُچھل کر سیدھے لپکے اور حملہ آوروں کے سروں کے اُوپر سے تیرتے ہوئے نکل گئے ۔ ساتھ ہی فضا چیخوں سے گونجنے لگی ۔ قاسم اور بختیار کے نیزے دو حملہ آوروں کے پیٹ پھاڑتے اور اُنہیں خون میں غسل دیتے ہوئے نکلے تھے ۔ تلاؤ کے کنارے قیامت آفریں شور بپا تھا ۔ جھاڑیوں میں تین لاشیں گری تھیں ۔ خانہ بدوش جو اندھیرے میں آواز پر برچھے پھینکنے کے عادی تھے اپنی ناکامی پر زخمی بھیڑیوں کی مانند غراتے چلّاتے اور شور مچاتے سواروں کے پیچھے بھاگے ۔

بدقسمتی سے اسی لمحے بختیار کے گھوڑے نے اندھیرے میں ٹھوکر کھائی اور وہ گھٹنوں کے بل گرا ۔ اُدھر شہزادہ قاسم کو ایک حیرت انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا ۔ وہ حملہ آوروں کا حلقہ توڑتا ہوا سیدھا چلا گیا ۔ آگے کسی حملہ کی توقع نہ تھی لیکن جونہی تلاؤ کا موڑ کاٹ کر اس نے گھوڑا بلندی پر ڈالا ۔ جھاؤ کے درختوں سے نکل کر ایک کلہاڑی اس کے شانے پر آئی اگر بے اختیار گھوڑے کی پشت پر دوہرا نہ ہو جاتا تو کلہاڑی کا تیز پھل اس کی گردن میں کھُب چکا ہوتا ۔ وہ اس حملہ سے بال بال بچا تھا کہ ایک سوار برچھا تولتا سامنے آیا اور اندھیرے میں کڑک کر بولا ۔

"تم کاشو سے نمٹے بغیر واپس نہیں جا سکتے شکاری ——— !"

قاسم کاشو کا نام سُن کر چونک اُٹھا پھر اس کا نیزہ بجلی کی طرح دشمن پر لپکا مگر کاشو نے فوراً ہی گھوڑا موڑ کر وار بچایا اور شہزادہ پر برچھا پھینکنے کے لیے اسے اپنی زد میں لینے لگا۔ ان کے عقب میں متعدد حملہ آور کلہاڑے اور برچھے لہراتے بھاگے آتے تھے ۔

(۹)

شہزادی گلیار فوزیہ سلطانہ کے اعزاز میں وہ نیم سرکاری دعوت جو چاند نگر کے مدارالمہام جعفر کی پُرشکوہ حویلی میں دی گئی، ریاست کی تاریخ میں مثالی حیثیت رکھتی تھی۔

اس دعوت میں عمائدینِ سلطنت، اعلیٰ سرکاری حکام، چاند نگر کے رئیس سرداران کی بیگمات و خواتین۔ خانزادیاں اور خواصیں، ہندو اور مسلمان سبھی اعلیٰ پوشاکوں میں ملبوس اور تمغات و جواہر سے مرصع شریک تھے۔ عرصۂ دراز کے بعد انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ اور اس کے عملہ کے انگریز اراکین بھی مغربی لباس پہنے حلقۂ امراء میں نظر آتے تھے۔ وزیرِ سلطنت کی حویلی دلہن کیطرح آراستہ و پیراستہ تھی دعوت میں اگر کمی محسوس کی گئی تو شہزادہ قاسم ذیشان ملکہ بیگم اور اس کی کنیز خاص مرجینا کی ــــــ ولی عہد تو دو روز پہلے ڈرامائی طور پر اچانک ہی کسی شکار کو نکل گیا تھا لیکن ملکہ بیگم اور مرجینا کی عدم شمولیت تعجب انگیز اور معنی خیز تھی۔ شاہی محل کے کسی بھی داروغہ، صاحب اور کنیز کو اس تقریب میں نہ دیکھا گیا۔

مزید حیرت اس بات پہ تھی، وزیرِ جنگ اور نائب مدارالمہام میر ولی اللہ جو آج ہی شمال مشرقی علاقوں کے دورہ سے واپس آیا تھا۔ شریکِ دعوت نہ ہو سکا۔ دیوان دُنی چند نے بھی ناسازیٔ طبع کا بہانہ کر دیا تھا۔ البتہ میر منشی احمد شجاع موجود تھا اور سپہ سالار افواج حیدر جنگ بھی ایک رات کے لیے فرخ نگر کی چھاؤنی سے آ گیا تھا۔

سکیں گے!"

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ قاسم بھی اس کے پہلو بہ پہلو چلا۔

جب وہ جنگل سے نکل کر روہی نالہ پر آئے رات دوسرے پہر سے گزر رہی تھی۔ ستاروں کا کارواں آگے نکل چکا تھا اور اندھیرے میں خیمہ گاہ کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اچانک عقب میں ٹاپوں کی آواز ابھری۔ پھر بھیل سردار گھوڑا اڑاتا ہوا اُن کے قریب آ پہنچا۔ اس کے بدن پر چند زخموں سے خون رس رہا تھا۔ دونوں نے تحیّر زا نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ شہزادہ نے پوچھا۔

"منصور کاکا! تم جنگل میں کیا لینے گئے تھے؟"

"بس چلا گیو سرکار ——! اچھا ہی ہو یو ...."

پھر اس نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"آج سونے کی رات ناہیں سرکار! جاگتے رہن میں بھلا ہے کہا کھبر بنجارے کب ٹوٹ پڑیں ——"

شہزادہ اور بختیار چونک اُٹھے۔ منصور کاکا نے بروقت خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ پھر خیمہ گاہ میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے طلایہ گرد سواروں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کی جو بختیار اور منصور کاکا کو زخمی دیکھ کر دم بخود رہ گئے تھے۔

بھیل پہرے دار ساری رات جاگتے اور تین چار ٹکڑیوں میں منقسم ہو کر گھومتے رہے مگر خانہ بدوشوں کے حملہ کا اندیشہ غلط ہی ثابت ہوا۔

"اگر پرنس کی موت یقینی ہے تو میں آج ہی گورنر جنرل کو لیٹر لکھتا ہوں۔"
"بالکل یقینی ہے کرنل ——— ! آپ مطمئن رہیں !"
"لیکن ہر ہائی نس ملکہ بیگم کا کیا ہوگا۔ وہ کرا اُن کے لیے جھگڑا ضرور کرے گی۔"
جعفر شاید انہی الفاظ کا منتظر تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ کھنڈ گئی۔

"ایک کمزور عورت کر ہی کیا سکتی ہے جس روز ولی عہد کی ہلاکت کا سندیس آئے گا اسی رات ملکہ بیگم اپنے کمرے میں مُردہ پائی جائے گی۔ کیا لوگوں کے اطمینان کے لیے یہ اعلان کافی نہ ہو گا کہ شہزادہ کے صدمہ سے ملکہ کے دل کی حرکت بند ہو گئی ....؟"
جعفر نے تحسین طلب نگاہوں سے کرنل کلوٹ کی طرف دیکھا اور وہ کرسی پر اچھل سا گیا۔

"ویل .... یہ ٹھیک ہے۔ پرنس اور ہر ہائی نس کے بعد سب ٹھیک ہے"۔
وزیرِ سلطنت کا چہرہ چمک اُٹھا۔ پھر پُرخیال انداز میں کہنے لگا۔
"صرف میر ولی اللہ، دیوان دُنی چند اور حیدر جنگ کی طرف سے سرکشی کا خطرہ ہو سکتا ہے لیکن انگریزی فوج بروقت پہنچ جائے تو کسی کو بھی سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو سکے گی۔ ان تینوں سرداروں کو کچھ عرصہ کے لیے اسیر بھی کر لیا گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن شہزادی گلیار ......"
کرنل کلوٹ نے عجیب اضطراب و پریشانی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ لہرا دیئے اور سر کو نفی میں جنبش دی۔

"نو .... نو .... مسٹر جعفر! ابھی پرنسز کی بات رہنے دو!"
جعفر کے چہرے پر مایوسی کی لہر تھرتھرائی۔
"مگر یہ بات تو پہلے ہی طے ہو گئی تھی۔ اب اس میں تبدیلی کیوں؟"
انگریز شاطر چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے بتایا کہ کمپنی سرکار جعفر کو اقتدار دلانے میں مدد کرے گی لیکن فی الحال شہزادی گلیار کو اس سے شادی پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ اس مقصد کے لیے اسے انگلش گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری اور نیازمندی کا ثبوت دینا ہوگا۔ والیٔ گلیار اپنی بیٹی کو کسی ایسے انسان سے وابستہ نہیں کر سکتے۔ جس کی وفاداری مشکوک ہو۔
جعفر حیرت و تعجب سے سنتا رہا۔ کرنل کلوٹ نے وضاحت کر دی کہ وہ ایک مرتبہ

جعفر بہت مسرور اور مصروف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی دستار پر ُپرِہما" جسے نواب اور ولی عہد کے بعد صرف مدار المہام ہی اپنے اعلیٰ رتبہ کے نشان و اظہار کی خاطر لگا سکتا تھا۔ پہلے سے کہیں زیادہ واضح تھا اور بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا وہی چاندنگر کی قسمت کا مالک اور ولی نعمت ہے۔ اس نے بتایا، اگرچہ ولی عہد ذی شان دعوت میں شریک نہیں ہو سکے لیکن شہزادی گلیار علیا بانو فوزیہ سلطانہ کے اعزاز میں یہ تقریب دراصل انہی کے فرمان پر منعقد کی گئی ہے پھر وہ ریاست گلیار اور کمپنی سرکار کے ساتھ چاندنگر کے دوستانہ مراسم کی وضاحت اور انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ کی مداح و ستائش کرتا رہا۔ جسے اکثر مہمانوں نے انتہائی ناگواری سے سُنا۔

قندیلوں اور مشعلوں کی روشنی میں دعوت ختم ہوئی، بیگمات و خواتین نے شہزادی گلیار کو گھیر لیا۔ امراء و رؤسا ستاروں کی طرح چھٹنے لگے۔ ہر شخص کی زبان پر اس تقریب کا چرچا تھا ——— لیکن اس لمحے جب بیگم زمانی شہزادی فوزیہ سلطانہ کو بیگمات چاندنگر سے متعارف کرا رہی تھی حویلی کے ایک اندرونی کمرہ میں جعفر کرنل کلوٹ سے سرگوشیوں میں مصروف تھا۔

باہر دالان اور غلام گردشوں میں مسلح پہرے دار گھوم رہے تھے جس کا مطلب یہی تھا کوئی آدمی تو کیا پرندہ بھی اندر پر نہیں مار سکتا۔ اس انتظام کے باوجود ان کی گفتگو پر مکھیوں کی بھنبھناہٹ کا شبہ گزرتا تھا۔ جعفر نے ایک مرتبہ پھر حصولِ اقتدار کی بساط بچھا دی تھی۔ چاہتا تھا کمپنی سرکار کی مدد سے نہ صرف چاندنگر کے تخت پر رونق افروز ہو بلکہ گلیار کی شہزادی بھی ہاتھ لگے۔ اس نے کہا۔

" آپ یقین کیوں نہیں کرتے۔ اب ولی عہد زندہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ میں نے موت اس کے ساتھ روانہ کر دی ہے "۔

کرنل کلوٹ نے تعجب سے دیکھا۔ کمرے پر بوجھل سی خاموشی طاری تھی ۔ ریذیڈنٹ کسی فکر میں کھو گیا تھا کہ پھر بھنبھناہٹ سنائی دی۔

" صادق اندھیرے میں آواز پر نشانہ لگا سکتا ہے۔ ملکہ بیگم بیٹے کی لاش بھی نہ دیکھ سکے گی "۔

کرنل نے گہری خاموشی کے بعد گردن اُٹھائی اور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

روپے نقد ریذیڈنٹ کو فی الفور ادا کرے گا۔

تخت و تاج کی کشش کچھ ایسی ہی تھی ۔ جعفر کو ان شرائط سے انکار کی جرأت نہ ہو سکی اور اس نے کرنل کلوٹ کی شرطیں تسلیم کر لیں بلکہ کمپنی سرکار کی سرپرستی کو اپنے لیے نعمت قرار دیا ۔ اگر اصرار تھا تو صرف اس بات پر کہ انگریزی فوج ریاست میں جعفر کی مرضی و اجازت کے بغیر کارروائی نہ کرنے پائے جسے ریذیڈنٹ نے منظور کر لیا پھر معاہدہ مرتب ہوا اور فریقین نے مہریں اور دستخط ثبت کر دیئے ۔ جعفر کی تخت نشینی و تاج پوشی کی تاریخ بھی وہی مقرر ہوئی جس تاریخ کو ولی عہد قاسم کے جلوس کا جشن منعقد ہونے والا تھا ۔

بساط وہی تھی صرف مہرے تبدیل ہو رہے تھے ۔

اس خوشی میں کرنل کلوٹ نے جعفر سے وزیر سلطنت کی حیثیت میں اس انگریزی سامان تجارت کو محصول کے بغیر ریاست میں داخل کرنے کا حکم نامہ بھی حاصل کر لیا جسے چند ماہ قبل ولی عہد کے حکم سے روک لیا گیا تھا ۔

لیجئے ——— ! انگریز کی سازش ایک نیا رُخ اختیار کرتی ہے اور غدّار جعفر جس نے ملکہ بیگم کے حضور وفاداری کی قسمیں کھائی تھیں ۔ فقدانِ تدبّر کے باعث پھر ٹھوکر کھاتا اور ہلاکت و تباہی کے دام بچھاتا ہے ۔

تخت و تاج کی حرص انگڑائیاں لیتی ہے ۔

حُسن کا جادو عقل و ہوش پر ضرب لگاتا ہے ۔

جعفر کی رُوح معنوی یکسر تبدیل ہو چکی ہے ۔ وہ جعفرِ بنگال اور صادقِ دکن کا ہمصفیر بن کر اورنگ سلطنت کی طرف قدم بڑھاتا اور کمپنی سرکار کے زیرِ سایہ ایک ایسی مملکت کا خاکہ تیار کرتا ہے جس میں ذلت و خواری، ہلاکت و بربادی اور نفرین و سرزنش کے سوا اور کچھ نہیں ۔

کرنل کلوٹ خوش ہے کہ اُس نے چاند نگر کی بساطِ سیاست پر شہزادی گلپارہ کا جو حسین مہرہ آگے بڑھایا تھا اس نے حکومت کے فرزین کو پیٹ دیا ہے اور وہ ریاست جو میجر ونڈسر کی تلوار سے بھی سر نہ ہو سکی تھی ایک حسین تدبیر سے خود بخود کمپنی سرکار کے پاؤں پر گرنے والی ہے ۔ اس نے اسی رات کلکتہ کی طرف ڈاک روانہ کر دی ۔

کمپنی سرکار کے مفاد کو نقصان پہنچا چکا ہے۔ بے شک اس نے پشیمانی کا اظہار کیا اور ایک مرتبہ پھر کمپنی سے مدد طلب کی ہے لیکن دوستی اور نیاز مندی کا ثبوت صرف باتوں اور وعدوں سے نہیں بلکہ عمل سے دیا جاتا ہے۔ اگر جعفر اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ چاند نگر کے ولی عہد اور اس کے بعد تاج و تخت کی دعوے دار ملکہ بیگم کو بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش میں کامیاب ہو جائے گا تو کمپنی سرکار چند شرائط پر اسے چاند نگر کا نواب تسلیم کر لے گی اور اس کی حکومت کے قیام و استحکام میں فوجی مدد دے گی۔

<u>اوّل</u> : جعفر گورنر جنرل کے نام اس مضمون کی درخواست لکھے کہ ریاست میں قیام امن کے لیے انگریزی فوج کا داخلہ ناگزیر ہو چکا ہے۔ اس لیے انگریزی فوج بہت جلد روانہ کی جائے۔

<u>دوم</u> : انگریزی فوج ریاست میں مناسب کارروائی کی مجاز ہو گی۔

<u>سوم</u> : اس کے تمام مصارف چاند نگر کے شاہی خزانہ سے ادا کیے جائیں گے۔

<u>چہارم</u>: ریاست کے مفاد، بیرونی حملوں سے تحفظ اور امن کے قیام کی خاطر انگریزی فوج کا قیام چونکہ دیرپا ہو گا اس لیے ان خدمات کے عوض چاند نگر کے جنوب مغربی دو اضلاع کمپنی سرکار کی تحویل میں دیئے جائیں۔ جن کے نظم و نسق کا کمپنی کو اختیار ہو گا۔

<u>پنجم</u>: شورش و بدامنی کی صورت میں انگریزی فوج کو مداخلت کا کلی اختیار ہو گا۔

<u>ششم</u> : نئی حکومت جس کا سربراہ جعفر ہو گا۔ سرکار انگلشیہ کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ مراسم رکھے گی اور اس میں مدار المہام، دیوان اور وزیرِ جنگ کے عہدوں پر ایسے لوگ فائز کیے جائیں گے جو انگریز کے دوست اور ریذیڈنٹ کے پسندیدہ ہوں گے۔

<u>ہفتم</u> : چاند نگر کی ریاست میں کسی فرانسیسی اور پرتگیزی کو ملازم نہ رکھا جائے گا بلکہ انگریزوں کے علاوہ دیگر تمام یورپین کو نکال دیا جائے گا۔

<u>ہشتم</u> : انگریزی سامانِ تجارت کو ریاستی ٹیکس اور محصول چنگی سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔

<u>نہم</u> : دیسی فوج چونکہ "ناکارہ" اور "نااہل" ہے۔ اس لیے اسے بتدریج فارغ الخدمت کیا جائے گا اور اس کی جگہ انگریزی فوج جو "مستعد، فرض شناس اور ریاست کی خیر خواہ" ہے ملازم رکھی جائے گی۔

<u>دہم</u> : جعفر تخت و تاج کے حصول کے عوض پچیس لاکھ روپے نقد کمپنی سرکار اور پانچ لاکھ

لگا۔ "کیا تم اس چیخ کو بھول گئے جو پرسوں رات تلاؤ کی پرلی سمت گونجی تھی۔ وہ شہزادی کے علاوہ اور کسی کی آواز نہ تھی —— میرا خیال ہے کاشو نے شہزادی پر اپنا رعب اور خوف مسلط کرنے کے لیے سردار حلگو کو حالات سے خبردار کر دیا ہوگا اور ممکن ہے اس کے بہکاوے میں آکر سردار نے شہزادی کو قید بھی کر دیا ہو ......"

"تو آپ اسے رہا کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟"

"مَیں معلوم کرنا چاہتا ہوں شہزادی پر کیا بیتی ؟"

"خانہ بدوش قید چھوڑ کر اسے قتل بھی کر دیں مگر آپ کیا کر سکتے ہیں۔ اوّل تو اُن کے ڈیرے تک پہنچنا محال ہے۔ اگر کسی حیلے پہنچ ہی گئے تو شہزادی کی بجائے سب سے پہلے خانہ بدوشوں سے ملاقات ہوگی اور وہی مزاج پُرسی کریں گے۔"

"بنجاروں سے ڈرتے ہو ؟"

"شہزادۂ عالی ! اس جنگل میں انہی کا قانون چلتا ہے۔ وہ لوگ کسی حکومت کے ماتحت اور کسی قانون کے پابند نہیں، جسے چاہیں قید کر لیں جسے چاہیں مار دیں، باز پُرس کرنے والا کون ہے ؟"

قاسم کے چہرے پر فکر و تشویش کی پرچھائیاں سی کانپنے لگیں۔ بختیار نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ان علاقوں میں جنگل ہی کا قانون رائج تھا —— وہی زبردست اور کمزور کی کشمکش جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گی۔ جس میں ہمیشہ زبردست کی جیت اور کمزور کی ہار ہوتی ہے جہاں کمزور و ضعیف ہونا بجائے خود ایک جرم ہے۔ جسے طاقت ور کبھی معاف نہیں کرتا —— یہی جنگل کا قانون ہے۔

ریاست چاند نگر کی حدود اٹھارہ بیس میل پرے ختم ہو جاتی تھیں اور یہ قبائلی علاقہ جہاں ظالم و جابر رانا، ٹھاکر، غیر مہذب اور وحشی خانہ بدوش اور جنگل کے خونخوار درندے مساوی طاقت کے اصول پر رہتے تھے صدیوں سے آزاد و خود مختار تھا۔ اگرچہ سرحدی قبائل پر بھی بالادستی ہمیشہ چاند نگر کے حکمرانوں کو حاصل رہی لیکن جہاں کے باشندے ریاستی قوانین کے پابند نہ تھے۔ نہ کبھی اُن کا کوئی مقدمہ دارالحکومت تک آیا۔ وہ لوگ درندوں سے کم وحشی اور خطرناک نہ تھے۔

چند لمحے سوچ بچار کے بعد شہزادہ نے گردن اُٹھائی اور فیصلہ کن لہجہ میں بولا۔

(۱۰)

تیسرے روز شہزادہ قاسم، بختیار مرزا اور بھیل سردار منصور کاکا گھوڑوں پر سوار پھر جنگل میں نظر آئے مگر آج وہ رات کے اندھیرے کی بجائے دن کے اُجالے میں سفر کر رہے تھے۔

بختیار مرزا اور منصور کاکا کے زخم ایک سریع الاثر مرہم سے مندمل ہو چکے اور وہ بہ آسانی سفر کر سکتے تھے۔ حادثہ کے دوسرے دن بختیار نے ولی عہد کو مشورہ دیا تھا وہ دارالحکومت کا رُخ کرے کیونکہ جنگل میں آئے کافی دن ہو چکے تھے مگر قاسم نے اس مشورے پر توجہ ہی نہ دی۔ بختیار نے اسے بتایا کہ صبح و شام ہرنوں کا گوشت کھا کھا کہ، راتوں کو گیدڑوں کی ہوانک سن سن کر اور موٹے موٹے جنگلی مچھروں سے بہ سر پیکار رہ کر اس کی صحت بگڑ رہی ہے اور اگر چند روز یہی حال رہا تو وہ بھی ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرنا گیدڑوں کے ساتھ مل کر ہوانکنا اور مچھروں کی لے میں گیت گانا شروع کر دے گا۔ اس لیے مناسب یہی ہے اس کی جنس تبدیل ہونے سے پہلے ہی پڑاؤ اُٹھا لیا جائے لیکن ولی عہد تو خانہ بدوش حسینہ پر کچھ ایسا فریفتہ ہوا تھا کہ پرسوں کے خطرناک تصادم کے باوجود شہزادی کی ملاقات پر مصر تھا۔ کہنے

جنگل بھائیں۔ بھائیں .... سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ہر طرف بھیانک، پُراسرار خاموشی مسلّط تھی جو قلب و رُوح پر ہول طاری کر رہی تھی۔ صرف تلاؤ کی سمت جہاں جنگلی سوسن اور کوکنار کے پودے دُور تک چلے گئے تھے اور بگلے، سارس اور آبی پرندے پانی میں ڈبکیاں لگاتے تھے چڑیوں اور بیوؤں کی چہکار سنائی دیتی تھی۔

اچانک بختیار مرزا نے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں دو خوفناک آنکھیں دیکھ لینے کے بعد گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور مدہم آواز میں کہا۔

"صاحبِ عالم! آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہیں۔ ہم دیکھ لیے گئے ہیں۔ شاید وہ لوگ ہمیں گھیر کر زندہ گرفتار کرنا چاہتے ہیں ——"

یہ کہہ کر اس نے سامنے کی طرف انگلی اُٹھا دی۔ اسی لمحے جھاڑیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ شاخیں ہلیں اور ایک موٹی کو مڑی دُم دبائے تیزی سے ایک طرف بھاگ نکلی۔

شہزادہ نے مسکرا کر دیکھا —— "بختیار مرزا! کیا اب لومڑیوں سے بھی ڈرنے لگے؟" اور گھوڑے کو ایڑ لگادی —— وہ پھر چل دیئے۔ منصور کاکا چند قدم پیچھے چلا آتا تھا۔

دُور —— درختوں اور شاخوں کے درمیانہ خلا سے کسی آبادی کے آثار نظر آنے لگے چھتری دار درختوں پر کہیں کہیں ہانڈیاں سی لٹکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ پھر ان کے درمیان ایک سرسبز پہاڑی ٹیلہ حائل ہو گیا۔ جس پر جنگلی بیریوں اور گگروندے کی جھاڑیوں کی سبز چادر سی بچھی تھی۔ ایک چھوٹا سا برساتی نالہ عبور کر کے اُنھوں نے گھوڑوں کا رُخ ٹیلے کی طرف موڑ دیا۔

شہزادہ قاسم اس ٹیلے کی بلندی سے خانہ بدوشوں کی قبائلی زندگی کا نظارہ کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے یہ خواہش خطرناک تھی اگر وہ اس وقت تک نہیں دیکھے گئے تو بلندی پر پہنچ کر تو یقیناً خانہ بدوشوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ یہ بھی ممکن تھا وہ سنسناتے ہوئے تیروں سے ان کا خیر مقدم کریں لیکن شہزادہ ہر خطرے کا مقابلہ کرنے پر تیار تھا۔ جو ہو سو ہو۔

گھوڑے اپنے سُم مارتے۔ جھاڑیوں کو پھلانگتے اور کنوتیاں بدلتے چوٹی پر جا پہنچے۔ کوہستانی ٹیلہ جو اُونٹ کے کوہان کی طرح شرقاً غرباً اُبھرا ہوا تھا۔ کم و بیش پچاس فٹ اُونچا تھا اور اس کی بلندی سے دُور تک جنگل کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔

"کچھ بھی ہو، شہزادی کا حال دریافت کرنا ضروری ہے ۔ اگر ہم اسے ملے بغیر چلے گئے تو وہ ہمیں بزدل اور بے وفا سمجھے گی۔"

"سبحان اللہ! آپ نے تو ایک دو راتوں میں عشق کی کتنی منزلیں طے کر ڈالیں......"

شہزادہ مسکرا کر بولا۔

"چمکی بھی تمہارا انتظار کر رہی ہو گی ——— ہو سکتا ہے اسی کے ذریعے شہزادی تک رسائی ہو سکے۔"

"معاف فرمائیے حضرت سلامت! میں اُن خاندانی عاشقوں میں سے نہیں جو شوقِ دیدار میں گردن کٹا دیتے ہیں"۔

"تو پھر ہم اکیلے ہی جائیں گے ——— تم آرام کرو اور چاہو تو چاند نگر روانہ ہو جاؤ ———"

لیکن یہ کیسے ممکن تھا ——— ولی عہد ذی شان کسی خطرناک مہم پر روانہ ہو اور بختیار مرزا پیچھے رہ جائے ۔ اس نے بہت سر مارا "مصیبت کا پیالہ" ٹل جائے مگر جب دیکھا کہ ولی عہد اپنی ضد پر قائم اور خانہ بدوش حسینہ سے ملنے پر تُلا ہُوا ہے تو "مرتا کیا نہ کرتا" کے بمصداق ہمراہ چل دیا۔ خانہ بدوشوں کے ڈیرے تک پہنچنے کے لیے شہزادہ نے تجویز یہ سوچی تھی کہ وہ چاند نگر کے بھیل سردار حیدری کو تلاش کرتے ہوئے ادھر آ نکلے ہیں ۔ عذر معقول تھا اور اس بہانے تصادم سے بچ سکتے تھے ۔ جبھی بھیل جوان منصور کاکا کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

وہ بگولوں کی مانند خیمہ گاہ سے نکلے اور درختوں کے درمیان سے ہَوا کی طرح گزرتے چشمہ پر آ پہنچے جو جنگل کے بیچوں بیچ بہتا تھا ۔ ان کا خیال تھا وہ چشمہ ہی پر روک لیے جائیں گے ۔ کیونکہ وہیں سے خانہ بدوشوں کی سرحد شروع ہوتی تھی ۔ مگر خلافِ توقع بے روک ٹوک بانسوں کے جھنڈ کی طرف بڑھتے چلے گئے جس کی پرلی طرف بنجاروں کی آبادی تھی ۔

بختیار مرزا کی چھٹی حس آج بھی بیدار تھی ۔ وہ جانتا تھا خانہ بدوش افریقہ کے وحشی قبائلیوں سے کم خطرناک ہرگز نہیں جو موت کی طرح نہایت خاموشی سے آدمیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیتے اور ان کے فرار کی سب راہیں مسدود کر دیتے ہیں ——— کیا عجب وہ اس وقت بھی جھاڑیوں میں چھپے مناسب فاصلہ سے ان کی نگرانی کر رہے ہوں لیکن بانسوں کا جھنڈ پار کر لینے کے باوجود اُنہیں کوئی متنفس دکھائی نہ دے سکا۔

اس کی کوئی متاعِ عزیز کھو گئی ہے ـــــــ یا ـــــــ اس نے زندگی میں پہلی بار شکست اُٹھائی ہو۔ بختیار مرزا کے الفاظ گویا شعلے سے بن کر اس کے قلب و ذہن پر لپکے تھے۔ اچانک وہ کسی خیال سے چونک اُٹھا اور بولا۔

"شاید خانہ بدوش آج ہی روانہ ہوئے ہیں۔ ابھی زیادہ دُور نہ گئے ہوں گے۔ ہمیں ان کا کھوج لگانا چاہیے"۔

بختیار شہزادہ کی بے تابی اور بے قراری دیکھ کر نقشِ حیرت بن گیا۔ کہنے لگا۔

"کیا قیس کی طرح اب دشت نوردی کا بھی ارادہ ہے؟"

"شاید تھوڑی سی کوشش سے ہم ان کا سُراغ پا جائیں"۔

"فائدہ کیا ہو گا؟"

"شہزادی کو ایک نظر دیکھ تو لیں گے"۔

بختیار مرزا اس کے قلب و ذہن سے گذرنے والی آندھیوں کا شور سُن رہا تھا۔ اس نے بھی صاف صاف مشورہ ضروری سمجھا۔

"صاحبِ عالم ـــــــ! جنگل کے پھُول شہزادوں کی قباؤں میں نہیں ٹانکے جاتے نہ معمولی پتھر تاجِ شاہی کی زینت بن سکتے ہیں۔ پرچھائیں کے پیچھے بھاگنے سے کیا حاصل؟"

"پرچھائیں ـــــــ؟"

"ہاں وہ ایک پرچھائیں ہے۔ ایک کم حیثیت لڑکی، نام کی شہزادی لیکن خانہ بدوش کی بیٹی"۔

قاسم کسی گہری سوچ میں کھو گیا۔ بختیار نے مزید وضاحت کر دی۔

"آپ تخت و تاج کی مصلحتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ خانہ زاد کی رائے میں حالات پہلے ہی بہت بگڑ چکے ہیں۔ جو لوگ صادق کی شکل میں موت کو آپ کے ہمراہ بھیج سکتے ہیں وہ آپ کی عدم موجودگی میں کیا کچھ نہ کر رہے ہوں گے۔ کیا معلوم دارالحکومت کے حالات کیسے ہیں۔ جعفر قابلِ اعتبار آدمی نہیں۔ اگر اس نے ریذیڈنٹ کے ساتھ مل کر کسی نئی بغاوت کی تیاریاں کر لیں تو ہماری آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میری مانیے اور اس وحشتِ عشق کو چھوڑ کر چاند نگر کی خبر لیجیے۔ آپ کی سالگرہ اور جلوسِ حکومت میں فقط چار روز باقی ہیں۔ اِن ایّام میں آپ کو دارالحکومت میں ہونا چاہیے"۔

چوٹی پر پہنچتے ہی وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ سامنے نشیب میں ایک کھلا میدان نظر آیا۔ جس میں کہیں کہیں سایہ دار درخت ایستادہ تھے۔ اس کے اِردگرد کچی دیوار گرا کر پیوندِ خاک کر دی گئی تھی اور دیوار کی بجائے اب جگہ جگہ مٹی کی ڈھیریاں پڑی تھیں۔

خس و خاشاک اور خشت و چوب کے جھونپڑے جنہیں گھوڑوں اور خچروں پر لادا نہ جا سکتا تھا جگہ جگہ زمین پہ اوندھے پڑے تھے۔ کہیں کہیں جھونپڑیوں کے نشانات باقی تھے جس کا مطلب یہ تھا انہیں جوں کا توں اُٹھا لیا گیا تھا۔ ہر طرف ویرانی اور وحشت برس رہی تھی۔ جگہ جگہ چولہوں کی راکھ، ادھ جلی لکڑیاں، کوئلے، مٹی کے ٹوٹے پھوٹے برتن۔ ٹھیکرے، کنکر روڑے، پھٹے پرانے چیتھڑے، گھوڑوں، خچروں کی لید، بھیڑ بکریوں کی مینگنیاں، گرد و غبار، نرسل کے تیلے اور سرکنڈے بکھرے تھے ——— خانہ بدوش راتوں رات اپنا ڈیرہ اُٹھا کر کسی نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہو چکے تھے اور وہ میدان جو کئی سال تک ان کی اقامت گاہ رہا۔ اس وقت ایک تباہ حال، لٹی پٹی ویران بستی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جہاں قبائلی زندگی کے صرف "نقوشِ پا" ہی باقی رہ گئے تھے۔

قاسم نے بصد حیرت و حسرت اس اُجڑے ہوئے، ویران اور سنسان ڈیرے پہ نظر دوڑائی، ٹوٹے ہوئے دل اور شکستہ لہجے میں بولا۔

"یہاں تو خاک اُڑ رہی ہے ......"

بختیار مرزا اگرچہ خود حیران و متعجب تھا پھر بھی اس نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے شہزادہ قاسم کی طرف دیکھا اور اتنی آہستگی سے کہ چند قدم کے فاصلے پہ کھڑا بھیل نوجوان نہ سن سکے کہنے لگا ـــ

"وہ جو بیچتے تھے دوائے دِل وہ دکان اپنی بڑھا گئے"۔

شہزادہ نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ بختیار کہہ رہا تھا۔

"صاحبِ عالم! مَیں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا۔ جنگلی بلبلوں پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے جو آج یہاں، کل وہاں ...."

قاسم کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کا ہجوم سا اُمڈ آیا۔ چہرے پہ افسردگی چھا گئی اور دِل جو زندگی میں پہلی مرتبہ غمِ محبت سے دوچار ہُوا تھا رُک رُک کر دھڑکنے لگا۔ یہ حیرت انگیز واقعہ بالکل غیر متوقع طور سے پیش آیا اور اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے

وہ اکیلا ہی آیا تھا۔ اسے بھی "قصرِ سفید" میں طلب کر لیا گیا۔ میر ولی اللہ نے بتایا ——

"صاحبِ عالم بخیریت ہیں۔ ابھی ابھی ایک بھیل سوار ان کا پیغام لے کر آیا ہے پرسوں رات ولی عہد پر زہر آلود خنجر پھینکا گیا لیکن وہ پہلے ہی محتاط ہو چکے تھے۔"

پھر اس نے غدار صادق کی خنجر زنی، گرفتاری اور قتل کی روداد سنائی اور بتایا کہ اس کے تمام جانباز جو صرف شہزادۂ عالی کی ہلاکت کے لیے ساتھ بھیجے گئے تھے باندھ لیے گئے ہیں۔ ولی عہد ان کا مقدمہ چاند نگر واپس آ کر سنیں گے۔

بھیل سوار میر ولی اللہ کے ساتھ ہی محل سرا تک آیا تھا۔ واقعہ کی تفصیل بیان کرنے کے لیے اسے بھی ملکہ بیگم کے حضور پیش ہونا پڑا۔ اس نے تفصیل بیان کی کہ کس طرح بختیار مرزا نے صادق کے لیے پھندا تیار کیا اور وہ چوہے کی طرح اس میں آ پھنسا۔ دوسری صبح ولی عہد کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی پھر انھوں نے وزیر جنگ کے نام پیغام بھیجا کہ مدار المہام جعفر کی خفیہ نگرانی کی جائے اور صادق کے قتل اور جانبازوں کی گرفتاری و اسیری کی خبر اسے معلوم نہ ہونے پائے۔

حادثہ کی تفصیل سن لینے کے بعد ملکہ بیگم نے خدا کا شکر ادا کیا مگر صادق کی جرأت و ہمت یقیناً کسی بڑے خطرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور خطرہ وزیر سلطنت جعفر کے سوا اور کون ہو سکتا تھا؟

دیوان دُنی چند نے کہا۔

"صادق کو قتل کرنے کی بجائے زندہ رکھنا چاہیے تھا تاکہ وہ اصل مجرم کی نشاندہی کر سکتا۔"

"اصل مجرم ہمارے سامنے ہے اور وہ آتا ہی ہو گا۔"

پھر میر ولی اللہ نے جعفر کی گرفتاری کی اجازت طلب کی۔ ملکہ بیگم کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ آخر اس نے جواب دیا۔

"ابھی اس کی گرفتاری کی ساعت نہیں آئی اگر اسے کسی ثبوت کے بغیر قبل از وقت ہی پکڑ لیا گیا تو بہت اُودھم مچ جائے گا۔ کیا خبر ریذیڈنٹ کی معرفت فتنہ آرائی پر اتر آئے قاسم کے جلوس تخت نشینی کے موقع پر اس قسم کا کوئی ہنگامہ نہیں ہونا چاہیے —— شہزادہ اختیاراتِ حکومت سنبھال لینے کے بعد خود اس کے خلاف مناسب کارروائی

ولی عہد چپ چاپ سنتا رہا۔ بختیار ٹھیک ہی کہتا تھا۔ اسے تو اسی صبح چاند نگر لوٹ جانا چاہیے تھا۔ جس رات غدار صادق نے سرا پردہ میں خنجر زنی کی تھی لیکن اس واقعہ پر پورے پانچ روز گذر چکے اور اس دوران میں شہزادہ عشق کا آزار لے بیٹھا تھا۔

اس نے خانہ بدوشوں کے اجڑے ہوئے خرابہ پر حسرت آفریں نظر ڈالی پھر نہایت خاموشی سے گھوڑے کی باگ موڑلی۔ بختیار اور منصور بھی اس کے پیچھے پیچھے ہولیے۔

جنگل پر وہی مہیب اور بھیانک سناٹا طاری تھا اور دُور گھنی جھاڑیوں سے کسی لومڑ یا گیدڑ کی خوف زدہ آنکھیں انہیں واپس جاتے دیکھ رہی تھیں۔

چاند نگر پر خوف و ہراس طاری تھا۔ ولی عہد کو گئے کئی دن ہو گئے تھے۔

عوام چہ میگوئیاں کر رہے تھے کیونکہ مدار المہام جعفر نے اپنے منصوبہ کے عین مطابق کسی نہ کسی ذریعے یہ خبر پھیلادی تھی کہ شہزادہ قاسم جگنا بن کے درندوں کا شکار ہو چکا اور اب لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اس رُوح فرسا خبر کا مطلب یہ تھا چاند نگر پر کمپنی سرکار کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔ پھر یہ افواہ بھی سنی گئی کہ انگریزی فوج ریاست کی طرف چلی آتی ہے۔

شاہی محل غم و اندوہ کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ ملکہ بیگم کے کانوں میں بھنک پڑی تو دِل ڈوبنے لگا۔ اگر مرجینا سہارا نہ دیتی تو شدت غم اور فرط ضعف سے شاید فرش پہ گر جاتی اس سے قبل گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ کی دعوت کا واقعہ بھی امیروں اور سرداروں میں موضوعِ بحث بنا رہا تھا جس میں ملکہ بیگم شریک نہ ہوئی تھی —— فوراً ہی وزیرِ سلطنت جعفر اور وزیرِ جنگ میر ولی اللہ کو بیگم محل میں طلب کر لیا گیا۔ بوڑھا راجپوت محافظ ساوُ نہایت خاموشی سے دیوان دُنی چند کی طرف روانہ ہوا تھا۔ جو فوراً ہی واپس آگیا۔ جعفر کے آنے سے پہلے ملکہ بیگم نے قصرِ سفید میں دیوانِ ریاست سے ملاقات کی۔ دُنی چند خود بے حد متفکر اور نڈھال تھا۔ اس نے جواب دیا۔

"ملکہ حضور —— ! سب سے پہلے ولی عہد ذی شان کی خیریت کا پتہ لگنا چاہیے۔ اگر آپ حکم دیں تو خانہ زاد اسی وقت شہزادۂ عالی کا دستہ خاص لے کر جگنا بن کی طرف روانہ ہوتا ہے"

ابھی ملکہ بیگم نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ ساوُ نے میر ولی اللہ کے آنے کی اطلاع دی۔

ملکہ بیگم ابھی تک برافروختہ تھی ۔ اس نے خشونت آمیز لہجے میں کہا ۔

" ہم نے تمہیں چند باتوں کی وضاحت کے لیے طلب کیا ہے ۔ جواب ٹھیک ٹھیک ہونا چاہیئے ــــــ "

جعفر نے سر جھکا دیا پھر ملکہ بیگم سوال دہرانے لگی ۔

۱ ۔ ولی عہد کی موت کی خبر کس نے اُڑائی ؟

۲ ۔ کیا وزیرِ سلطنت کی حیثیت سے جعفر نے اس خبرِ بد کی تحقیق کی اور ولی عہد کی خیریت معلوم کرنے کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کیا ؟

۳ ۔ انگریزی فوج کے چاند نگر کی طرف کُوچ کرنے کا سبب کیا ہے ؟

۴ ۔ کیا اس نے ریذیڈنٹ کو بُلا کر فوری طور پر وضاحت طلب کی اور یہ دریافت کیا کہ انگریزی فوج کے آنے اور ریاست میں داخل ہونے کی غرض و غایت کیا ہے ؟

۵ ۔ کیا اس کا فرض نہ تھا کہ مملکت کی سربراہ کو اِن تشویش انگیز خبروں سے مطلع کرتا ؟

جعفر نہایت خاموشی سے گردن جھکائے سُنتا رہا ۔ ان مسلسل استفسارات نے اسے بوکھلا سا دیا لیکن فوراً ہی اپنی گھبراہٹ پر قابو پالیا ۔ پھر مختصر ترین الفاظ میں جواب دینے کی کوشش کی ۔

" ملکہ عالیہ ! ولی عہد ذیشان کے متعلق افسوسناک خبر سُنتے ہی مَیں نے دو جانبازوں کو جنگلوں کی طرف دوڑایا ۔ وہ آج ہی تھوڑی دیر پہلے واپس آئے اور یہ اطلاع لائے ہیں کہ شمالی جنگلوں میں شہزادۂ عالی کا کہیں کھوج نہیں مِل سکا ۔ ایک جگہ انہوں نے کئی انسانی لاشوں کے ڈھانچے دیکھے تھے شاید وہ ولی عہد اور ان کے ساتھی رہے ہوں ۔ مَیں یہ المناک خبر سنانے آ رہا ہی تھا کہ کرنل کلوٹ کا پیغام مِلا ۔ اس نے بھی شہزادۂ عالی کے متعلق بُری خبر سنائی اور صاف صاف کہہ دیا کہ کمپنی سرکار ریاست کے حالات سے بے تعلق نہیں رہ سکتی ۔ شاید اس نے انگریزی فوجوں کو بھی طلب کر لیا ہے ۔ مَیں نے اس کی وجہ پوچھی اور کرنل کلوٹ نے جواب دیا ۔ ریاست میں امن و امان قائم کرنے کے لیے انگریزی فوج کا داخلہ ضروری ہے ۔ نیا حکمران کمپنی سرکار کی مرضی اور اجازت کے بغیر تخت نشین نہیں ہو سکتا کیونکہ شہزادہ قاسم کی افسوسناک وفات کے ساتھ چاند نگر سے فرخ خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے ۔ "

کر سکے گا"۔

ملکہ بیگم کی رائے صائب اور جچی تلی تھی مگر چاند نگر میں حالات کا دھارا بڑی سرعت سے اپنا رُخ بدل رہا تھا۔ لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ میر ولی اللہ کو ہدایت کر دی گئی کہ نہ صرف جعفر کی حویلی کی کڑی نگرانی کرائے بلکہ شہزادی گلبار پر بھی خفیہ پہرہ بٹھا دے اس کی پُراسرار آمد خالی از علت نہیں"۔

میر ولی اللہ اور دیوان مُنی چند کو مناسب ہدایات دینے کے بعد رخصت کر دیا گیا ——— جعفر نے حاضری میں بہت دیر لگا دی۔ وہ پورے ایک پہر کے بعد قلعہ کے گیٹ میں داخل ہوا لیکن اس کے ہمراہ جانبازوں کا پورا دستہ تھا۔ جیسے بھیل سپاہیوں نے پھاٹک پر روک دیا۔ جعفر نے بھیلوں کو حکم دیا کہ اُس کے محافظانِ خاص کو گزرنے دیں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ فوراً ہی ساؤ دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے وزیرِ سلطنت کو توجہ دلائی کہ وہ ملکہ بیگم کے حکم پر حاضر ہوا ہے۔ محل سرا میں اسے محافظوں کی کیا ضرورت ہے؟ جعفر دانت کٹکٹا تا چل دیا لیکن بھیل سردار کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس نے یہ دھمکی ضرور دی تھی کہ چند ہی روز میں شاہی محل تو کیا چاند نگر کی ریاست میں کوئی بھیل نظر نہیں آ سکے گا اور محلسرا کے محافظ بھیلوں کو تو قلعہ کے سامنے پھانسی دی جائے گی"۔

جعفر جب "قصر سفید" میں داخل ہوا بے حد برافروختہ تھا۔ شاید غصّہ میں اس نے کورنش کے لیے کمر تک جھکنا بھی مناسب نہ سمجھا اور کھڑے ہی کھڑے رسمی آداب بجالایا۔ ملکہ بیگم نے اس کے اندر سرکشی کو کروٹیں لیتے دیکھ لیا۔ پھر وہ غضب ناک آواز میں گرجی۔

"جعفر ——— ! کیا تم آداب شاہی بجالانے کا سلیقہ بھول چکے یا خود کو چاند نگر کا حکمرانِ اعلیٰ سمجھنے لگے ہو؟"

جعفر نے چونک کر دیکھا جیسے کسی خواب سے بیدار ہوا ہو۔ ملکہ بدستور گرج رہی تھی۔

"تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا۔ کوئی غیر متعلق آدمی محلسرا میں داخل نہیں ہو سکتا اور ہمارے حضور آنے کے لیے تمہیں محافظ دستہ کو ہمراہ لانے کی ضرورت نہیں پھر پہریداروں کی فوج کیوں لیے پھرتے ہو۔ ملنے آئے ہو یا ہمیں گرفتار کرنے؟"

"ملکہ حضور ——— ! اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہوئی تو معاف فرمالیے ——— !"

وزیر سلطنت جعفر کو یقین تھا۔ صادق کا نشانہ خطا نہیں کر سکتا۔ اگر وار کاری نہ پڑ سکا تو بھی سریع الاثر زہر میں بجھے ہوئے خنجر کا ادنیٰ سا زخم بھی انسان کی ہلاکت کے لیے کافی تھا اور وہ شہزادہ کے جسم پر معمولی سا زخم تو بہ آسانی لگا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی اس نے پورے یقین و اعتماد کے ساتھ ولی عہد قاسم کی ہلاکت کی خبر مشہور کر دی تھی۔

صادق کو حکم دیا گیا تھا، شہزادہ کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کے بھیل سپاہیوں اور دوسرے خدام کو بھی گرفتار کر کے جنگل میں چھوڑ دے اور اپنے جانبازوں سمیت خود کسی طرف نکل جائے۔ کم و بیش پندرہ بیس روز بھٹکنے کے بعد چاند نگر واپس آ جائے اور درندوں سے اتفاقاً بچ نکلنے کی کوئی فرضی کہانی سنا دے۔ اس کی تجویز کے مطابق ولی عہد کا خاتمہ یقینی تھا مگر ملکہ بیگم نے اس کی ہلاکت کی خبر پر مطلق توجہ نہ دی۔ کیا اسے کسی خاص ذریعہ سے قاسم کی سلامتی کا اطمینان ہو چکا ہے ——— ؟

یہ سوال یقیناً اہم تھا اور سازش کی کامیابی یا ناکامی اس کے جواب پر منحصر تھی ———
محل سے نکل کر اس نے سیدھا ریذیڈنسی کا رخ کیا۔ رات کا ایک پہر گزر چکا تھا مگر خلافِ معمول ریذیڈنسی کی عمارت میں روشنی ہو رہی تھی جو اس امر کا ثبوت تھا کہ سفارتی عملہ ہنگامی حالات میں کام کر رہا ہے۔

برق رفتار قاصد خبر لائے تھے کہ پانچ ہزار اور آٹھ ہزار کی دو انگریزی رجمنٹیں یکے بعد دیگرے چاند نگر کی طرف روانہ کر دی گئی ہیں۔ جو سالگرہ کی تقریب سے ایک دن پہلے سرحد پر پہنچ جائیں گی۔ کمپنی سرکار نے کلکتہ ہیڈ کوارٹر سے ریذیڈنٹ کو حکم بھیجا تھا۔ وہ وزیر سلطنت جعفر کو ہر قیمت پر ہاتھ میں رکھے کیونکہ وہی ایک ایسا مہرہ ہے جسے چاند نگر کی بساطِ حکومت پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ تنبیہہ بھی کی گئی تھی۔

ولی عہد کے قتل کے سلسلہ میں پرائم منسٹر جعفر نے جو طریق کار اختیار کیا ہے تمہیں اس سے قطعی بے تعلق اور غیر جانب دار رہنا چاہیے اور کسی کو اس امر کا شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ کمپنی شہزادہ قاسم کی ہلاکت میں دلچسپی رکھتی ہے۔ ہمیں امید ہے جعفر اس کام کو خود ہی خوش اسلوبی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا دے گا۔ مگر تم شاہی محل کے معاملات سے بے خبر نہیں رہ سکتے۔ خوب ہوشیاری سے کام کرو، چاند نگر پر قبضہ کرنے کا اس سے بہتر موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آ سکے گا۔ ہم نے لکھنؤ میں مقیم انگریزی فوجوں کو چاند نگر کی طرف کوچ

ملکہ بیگم کو اس خرافات کے سننے کی تاب نہ رہی ۔ وہ گرج کر بولی ۔

"بکواس بند کرو اور جا کر کرنل کلوٹس سے کہہ دو اگر انگریزی فوج کا ایک سپاہی بھی ریاست کی سرحد پر دیکھا گیا تو ریذیڈنسی کا تمام عملہ گرفتار کر لیا جائے گا ۔ ہم نے وزیرِ جنگ میر ولی اللہ کو سرحدوں کی حفاظت کا حکم دے دیا ہے ۔"

جعفر پر جیسے بجلی ٹوٹ پڑی ۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا ۔

"میر ولی اللہ کو حکم دینے سے پہلے مجھ سے مشورہ تو کر لینا چاہئیے تھا ۔"

"ضرورت نہیں سمجھی ۔ ملک کی حفاظت کے لیے ہمیں اس قسم کے احکامات نافذ کرنے کا اختیار ہے ۔"

"پھر بھی ولی عہد کی عدم موجودگی میں یہ حکم اعلانِ جنگ کے مترادف ہے ۔ آپ کو سوچ لینا چاہئیے ۔ اس کے بعد حالات کیا رُخ اختیار کر لیں گے ——"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ؟"

اب کے جعفر کسی قدر تُرش لہجے میں بولا ۔

"کیا آپ اعلان جنگ کا مطلب نہیں سمجھتیں —— ؟ انگریزی فوجیں فوراً ریاست پر یلغار کر دیں گی ۔ ہم کمپنی سرکار کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ نتیجہ ظاہر ہے ۔ اودھ اور میسور کی طرح چاند نگر بھی انگریزی عملداری میں چلا جائے گا اور . . . . . . "

"تو تمہارا مطلب ہے ہم خاموش رہیں ۔"

"عقلمندی کا تقاضا تو یہی ہے ۔" جعفر کچھ سوچ کر بولا ۔ "اگر شہزادہ معظم واقعی کسی حادثے کا شکار ہو چکے ہیں تو ہم انگریزی فوجوں کی یلغار کو روک نہیں سکتے ۔"

ملکہ بیگم کا لہجہ خشونت آمیز تھا ۔

"تم صرف حکم کی تعمیل کرو اور ریذیڈنٹ کو ہمارے فیصلہ سے آگاہ کر دو ۔ اگر انگریزی فوج نے چاند نگر میں داخل ہونے کی سعی کی تو ریاست کی فوجیں اس کا مقابلہ کرنے میں حق بجانب ہونگی ۔ بس اب تم جا سکتے ہو ۔"

جعفر ایک لمحہ حیران و ششدر کھڑا رہا پھر اس نے جھک کر سلام کیا اور کمرے سے نکل گیا ملکہ بیگم کے اشارے پر ساؤ پرچھائیں کی طرح اس کے پیچھے تھا ۔

"کرنل! میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا۔ ملکہ بیگم نے میر ولی اللہ کو انگریزی فوج سے مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ حالات بگڑ بھی سکتے ہیں"۔

کرنل کلوٹ کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کوئی سٹیٹ برٹش آرمی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سلطان ٹیپو سے بڑا بہادر اور کمپنی گورنمنٹ کا دشمن اور کون ہو گا مگر برٹش آرمی نے اسے بھی شکست دے دی —— بھلا چاند نگر کی فوج کیا کر سکے گی۔ انگریز سپاہی اسے ایک ہی حملہ میں کاٹ کر پھینک دینگے"۔

کرنل کلوٹ متعصب انگریز ہونے کے باوجود اُردو زبان بڑی روانی سے بولتا تھا۔ ہندوستان میں اسے کمپنی کی خدمات سرانجام دیتے ہوئے کم و بیش پچیس سال کا طویل عرصہ ہو گیا تھا اس دوران میں فوج کے علاوہ اس نے بعض ریاستوں میں ریذیڈنٹ کی حیثیت سے مکر و فریب کے کئی کھیل کھیلے تھے جسے انگریز کی اصطلاح میں "سیاست" کہا جاتا ہے اب کئی سال سے وہ چاند نگر میں "سیاسی" فرائض ادا کر رہا تھا۔

اس نے معنی خیز نظروں سے جعفر کی طرف دیکھا اور اسے خوشخبری سنائی کہ گورنر جنرل اس پر بہت خوش ہے اور کلکتہ سے خاص طور پر ہدایت آئی ہے کہ ہمارے دوست نواب جعفر کی تخت نشینی اور تاجپوشی کی رسم ٹھیک اسی تاریخ کو عمل میں لائی جائے جس تاریخ کو شہزادہ قاسم اختیاراتِ حکومت سنبھالنے والا تھا اور جو شخص اسے نواب تسلیم نہ کرے اس کو گرفتار کر لیا جائے۔

جعفر کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کرنل کلوٹ نے فوراً تجویز پیش کر دی کہ یوم تخت نشینی پر ملکہ بیگم کی طرف سے شورش و بغاوت کا خطرہ ہے پھر وزیر جنگ میر ولی اللہ، وزیر مال دیوان دُنی چند اور سپہ سالار حیدر جنگ چونکہ اس کے خاص آدمی ہیں اور ریاستی فوج اس کے حکم کی پابند ہے۔ اس لیے جعفر صرف انگریزی فوج پر اعتماد کر سکتا ہے جو اس کے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہو گی۔ اس لیے نواب کی حیثیت میں اسے کم از کم پانچ ہزار انگریزی سپاہ مستقل ملازم رکھ لینی چاہیے۔ جعفر چونک اُٹھا —— حالات اگرچہ اس تجویز کے موید تھے کیونکہ انگریز کے علاوہ اس کا اور کون حامی تھا ——؛ اس کے باوجود جعفر چاند نگر کو برٹش آرمی کی چھاؤنی بناتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا لیکن اس کے سوا اور چارہ بھی کیا تھا۔

کرنے کے احکام صادر کر دیئے ہیں۔ وہ وقت پر پہنچ جائیں گی۔

وزیر سلطنت جعفر کو ہمیشہ خوش رکھو۔ وہ برٹش گورنمنٹ کے لیے بڑا کار آمد ہے۔ اگر اسے زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ سال کے لیے چاند نگر کا نواب بنا دیا جائے تو کیا بُرا ہے لیکن شرائط اس قسم کی طے کرو کہ ضرورت کے وقت اسے فوراً معزول یا برطرف کیا جاسکے۔

مت بھولو، سیاسی اور فوجی اعتبار سے چاند نگر ایک ایسی ریاست ہے جہاں سے ہم مرہٹہ علاقے پر بہ آسانی یلغار کر سکتے ہیں۔ کامیابی کے بعد شہزادی گلیار والا چکر فوراً ختم کر دو اور لڑکی کو واپس پہنچا دو۔ ہماری ہدایات کے منتظر رہو اور ریاست کے تازہ حالات کی خبر دیتے رہو۔

جعفر کو قابو میں رکھنے کے لیے ریذیڈنٹ کو زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی تھی۔ شہزادی گلیار کے ذریعے سازش کا بھیانک ماحول کچھ اس طرح تیار کیا گیا تھا کہ جعفر پکے ہوئے پھل کی طرح خود بخود کرنل کلوٹ کی جھولی میں آگرا تھا۔ اب تو فقط "یوم جلوس" کا انتظار تھا جس میں صرف چند روز باقی تھے۔ کمپنی کی بساط کے مطابق معمولی سے تغیر کے ساتھ جشنِ تخت نشینی منعقد ہوگا۔ شہزادہ قاسم کی بجائے مدار المہام جعفر عنانِ اقتدار سنبھال لے گا۔ اس طرح کمپنی سرکار کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہو جائے گی۔

ریذیڈنسی کی عمارت میں جعفر کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ کرنل کلوٹ کسی نئی خبر کا منتظر تھا وہ جانتا تھا شہزادہ کی ہلاکت کی خبر شاہی محل میں صفِ ماتم بچھا دے گی اور یہ بھی کچھ بعید نہ تھا بوڑھی ملکہ بیگم اسی صدمہ سے چل بسے اور سارے جھگڑے ہی ختم ہو جائیں لیکن جعفر کو متفکر اور نڈھال دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔ جعفر نے تمام واقعہ من وعن بیان کر دیا۔

"مجھے یقین ہے صادق کا وار خالی نہیں جا سکتا اور شہزادہ قاسم اس وقت اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوگا مگر ملکہ بیگم کا اطمینان وسکون مجھے پریشان کیے دیتا ہے۔"

کرنل کلوٹ بھی حیران وششدر رہ گیا۔ کامیابی کا دارومدار صرف ولی عہد کی موت پر تھا۔ اس نے ملکہ بیگم کے اطمینان کی یہ تاویل بیان کی کہ حالات سے بے خبری بجائے خود ایک اطمینان ہے۔ جب پرنس یوم جلوس پر بھی واپس نہ آسکا، سارا اطمینان وسکون رخصت ہو جائے گا۔ جعفر بھی اس تاویل پر مطمئن نظر آنے لگا۔ پھر کسی خیال نے اسے یک لخت اداس کر دیا۔

وہ ٹھیک تین روز کے بعد ریاست میں داخل ہونے والی تھیں شاہی محل پراسرار سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔اس اثنا میں وزیر جنگ میر ولی اللہ نے دو مرتبہ فرخ نگر کی چھاؤنی کا دورہ کیا۔ حفاظتی انتظامات کے پیشِ نظر بعض اقدامات کیے ——— بظاہر ریاستی فوج نے اپنی چھاؤنی سے نقل و حرکت نہیں کی لیکن درحقیقت کئی چھوٹے چھوٹے دستے رات کے اندھیروں میں جنوب مغربی سرحد کی طرف کوچ کر چکے تھے جن کی روانگی صیغۂ راز میں رکھی گئی۔

جعفر مطمئن اور خوش تھا۔ شمالی جنگلوں سے ولی عہد کی سواری ابھی تک نہ لوٹی تھی۔

"اب وہ کبھی نہ لوٹ سکے گا ———"

جعفر کے ہونٹوں پر خوشی رقص کر رہی تھی۔ اس نے انتہائی خفیہ طور سے اپنی تخت نشینی کے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ پرانے دوست جمیل رائے کی طرف پیغام بھی بھیج دیا تھا کہ وہ اس کے جشنِ تخت نشینی میں شریک ہونے کے لیے اپنی جمعیت کو ساتھ لے کر ایک دو روز تک چاند نگر پہنچ جائے ——— انگریزی فوج اور ریذیڈنٹ کے بعد چوروں، ڈاکوؤں، رہزنوں اور بٹ ماروں کا یہی ایک ایسا گروہ تھا جس پر جعفر اعتماد کر سکتا تھا۔

ریذیڈنٹ اور جعفر کے درمیان ملاقاتیں اچانک بڑھ گئی تھیں۔ آج کل اس کی گاڑی اکثر ریذیڈنسی یا شہزادی فوزیہ کی حویلی کے باہر کھڑی رہتی تھی۔

وہ جمیل رائے کا بہت بے تابی کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔ چاہتا تھا تخت نشینی سے ایک دو روز پہلے ہی جمیل رائے کے چار پانچ سو آدمیوں کو محل سرا کے اردگرد متعین کر دے تاکہ ملکہ بیگم مقید ہو کر رہ جائے اور کسی سے ملاقات کر سکے نہ باہر جا سکے اسی طرح دیوان دُنی چند، میر ولی اللہ، مرزا احمد شجاع اور بعض دوسرے محبانِ وطن کو بھی ان کے گھروں ہی میں محصور کر دینے کی تجویز طے پا چکی تھی اور یہ کام صرف جمیل رائے کر سکتا تھا——— لیکن تعجب تو اس بات پر تھا وہ ابھی تک چاند نگر کیوں نہیں پہنچ سکا۔

شہزادی فوزیہ سلطانہ نے پُراسرار خاموشی اختیار کر لی تھی جس روز سے اس نے ولی عہد قاسم کو نیلم ندی کے پُل پر دیکھا اور اس سے باتیں کی تھیں اسی دن سے کچھ کھوئی کھوئی اور اداس سی رہنے لگی تھی۔ شہزادہ قاسم کا مردانہ حُسن و جمال دِل

ریذیڈنٹ نے ایک معاہدہ پہلے ہی تیار کر رکھا تھا ۔ جعفر نیم رضا مند ہوا تو کرنل کلوٹ نے معاہدہ کے کاغذات آگے بڑھا دیئے اور نیا نظم چلانے کی خاطر دو لاکھ روپے کی رقم بھی پیش کر دی جو ایک سال کے بعد چار لاکھ کی صورت میں اسے واپس کرنا تھی ۔ جعفر نے بصمیم قلب مسودات پر دستخط کر دیئے پھر کہنے لگا ۔

"مجھے انگریز کی دوستی پر ہمیشہ فخر رہے گا ۔ لیکن اس اعزاز کے ساتھ اگر شہزادی فوزیہ سلطانہ ...."

ریذیڈنٹ نے فوراً اس کی بات کاٹی ۔

" مسٹر جعفر ! آپ یقیناً خوش قسمت ہیں ۔ میں نے شہزادی سے ذکر کیا اور گورنر جنرل کا عندیہ بھی ظاہر کر دیا تھا ۔ فوزیہ کچھ سوچتی رہی ۔ وہ نیم رضا مند نظر آتی ہے ۔ یقیناً چاند نگر کی ملکہ بننا قبول کر لے گی لیکن اس سلسلے میں مجھے ہز ہائی نس سے بات کرنا پڑے گی ۔ آخری فیصلہ انہی کا ہو گا —— مجھے یقین ہے وہ بھی گورنر جنرل کی سفارش پر انکار نہ کر سکیں گے "۔

" کرنل —— ! کیا یہ واقعی ممکن ہے ؟"

جعفر کا چہرہ فرطِ مسرت سے دمک اٹھا ۔ کرنل کلوٹ نے مسکراتے ہوئے پُر ذوق انداز میں جواب دیا ——

" انگریز کی ڈکشنری سے " ناممکن " کا لفظ کاٹ دیا گیا ہے "۔

آدھی رات کے وقت جب جعفر ریذیڈنسی کی عمارت سے نکل کر سڑک پر آیا ۔ وفورِ مسرت سے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے ۔ چند غلاموں نے روپوں کی تھیلیاں اس کی فٹن میں رکھ دیں اور سائیس نے گھوڑوں کو چابک دکھایا —— اسی لمحے کرنل کلوٹ رات کے اندھیرے میں اس حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں شہزادی گلبار اپنی نگران اور کنیزوں کے ہمراہ مقیم تھی ۔

شہزادہ قاسم کو دارالحکومت سے نکلے پورے دس روز گزر چکے تھے اور جشنِ جلوس میں صرف چار دن باقی تھے ۔

انگریزی فوجیں چاند نگر کی طرف چلی آئی تھیں اور ایک اطلاع کے مطابق

بدقسمت شہزادی ریذیڈنٹ کے احکام کی تعمیل کرنے پر مجبور تھی۔ اس نے کرنل کو مطمئن کر دیا کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے، ہو جائے گا پھر تھوڑی دیر بعد اسے مدارالمہام جعفر کے آنے کی اطلاع ملی اور وہ اس کے استقبال کو آگے بڑھی۔

جعفر اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھ رہا تھا۔ اسے ریاست چاند نگر کا حکمران بنا دینے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ایک دو روز میں تخت و تاج کا مالک بننے والا تھا اور اب گلیارکی حسین و جمیل شہزادی اس کی تمناؤں کا مرکز بن گئی تھی۔ اظہارِ محبت کے جواب میں جب اس نے گلیار کی حسینہ کو مہربان پایا تو دماغ لاہوتی فضاؤں میں پرواز کرنے لگا۔ حویلی سے نکلا تو شہزادی اپنی دلآویز مسکراہٹوں کے ساتھ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

جعفر کی بگھی ہوا میں اڑی جا رہی تھی۔

سورج کا بنفشی تھال مغربی افق پر سونا بکھیر رہا تھا اور درختوں کی چوٹیوں پر سنہرے قرمزی حاشیے تھرتھرا رہے تھے۔ یہ ایک حسین شام کی آمد تھی۔ شمال کی خنک ہوائیں رُت بدلنے کا پیغام لے کر آئی تھیں۔

گھوڑوں نے شاہی قلعہ کا موڑ کاٹا ہی تھا کہ جعفر بے ساختہ اُچھل گیا۔ بگھی کی رفتار خود بخود کم ہو گئی حتیٰ کہ وہ رُک گئی اور سائیس گھوڑوں کی لگامیں کھینچ کر انہیں پیچھے ہٹانے اور راستہ چھوڑنے لگا۔ جعفر کا رنگ یک لخت پیلا پڑ گیا اور خون رُک رُک کر چلنے لگا۔ اسے یوں لگا جیسے عرش کی بلندیوں سے فرشِ زمین پر پھینک دیا گیا ہو۔ کیونکہ اس نے جو نظارہ دیکھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔

ولی عہد قاسم شکاری لباس میں ملبوس گھوڑے پر سوار اور بندوق پشت پر لٹکائے بھیل سواروں کے آگے آگے چلا آتا تھا۔ اس کے عقب میں میر شکار بخشی اور شاہی خدام گھوڑے بڑھائے چلے آ رہے تھے۔ بخشی کے پہلو بہ پہلو بھیل سردار منصور کاکا اور میر مطبخ نظر آئے لیکن بختیار دکھائی نہ دے سکا جو عموماً ولی عہد کے پہلو بہ پہلو چلتا تھا غالباً وہ کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ دراصل جگنابن سے واپسی پر بختیار نے خیال ظاہر کیا تھا کہ حیدری کے بارے میں گڑھی بکرم کے ٹھاکر اودھے راؤ سے پوچھنا ضروری ہے اس لیے ولی عہد نے اُسے چند بھیل سواروں کے ہمراہ گڑھی بکرم بھیج دیا اور خود چاند نگر چلا آیا تھا۔ جعفر کی نگاہیں شہزادہ قاسم پر جم کے رہ گئی تھیں۔

پر قیامت ڈھا گیا تھا اور فوزیہ سلطانہ کو جسے اپنی خوب صورتی پہ ناز تھا پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ چاند نگر کی امیر زادیوں میں شہزادہ قاسم کا چرچا محض اس لیے نہیں کہ وہ ریاست کا ولی عہد عظیم باپ کا فرزند اور حکمران خاندان کا چشم و چراغ ہے بلکہ شہرت کی اصل وجہ وہ مثالی حسن و جمال اور سانچے میں ڈھلا ہُوا پیکرِ شباب تھا جس پہ ریاست کی امیر زادیاں مر مٹی تھیں۔ اس نے ولی عہد کی آنکھوں میں بجلی کی سی چمک اور تڑپ دیکھی تھی اور اب اپنے دِل میں ایک شیریں کسک محسوس کر رہی تھی۔

نہ صرف کرنل کلوٹ بلکہ نگران نے بھی کئی مرتبہ محسوس کیا کہ وہ اُکھڑی اُکھڑی سی باتیں کرنے لگتی اور بیٹھے بیٹھے اچانک "غائب" ہو جاتی۔ یوں معلوم ہوتا تھا اپنی مرضی کے خلاف کوئی انتہائی ناخوشگوار فرض ادا کر رہی ہے یا زمیں کی بجائے فضا میں چل پھر رہی ہو ایک مرتبہ غالباً اس نے ریذیڈنٹ کو کمرے سے نکال دیا اور بہت دیر تک ناقابلِ فہم الفاظ میں چلاتی اور شور مچاتی رہی تھی ——— جب اس کی ادھیڑ عمر نگران نے اسے سمجھایا کہ ریذیڈنٹ سے جھگڑا مول لے کر وہ خطرے سے کھیل رہی ہے تو نوجوان حسینہ جوشِ جذبات میں بالکل دیوانی ہو گئی تھی اس نے کہا۔

"تم بھولتی ہو ماں ——— ! وہ خود آگ سے کھیل رہا ہے۔ میرا ایک اشارہ اس کی موت کا سامان بن جائے گا"۔

لیکن بڑی بی نے جیسے تیسے اسے سمجھا بجھا کر چُپ کرایا تھا۔ پھر شہزادی کافی دیر تک بستر پہ لیٹی روتی رہی۔ اس کی نگران نے کچھ دھمکیاں بھی دی تھیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے روز جب ریذیڈنٹ ملاقات کے لیے آیا تو فوزیہ سلطانہ حسبِ سابق اس کے اشاروں پر ناچنے لگی۔ اس کا یہ رویّہ کنیزوں اور خادموں کے فہم و شعور سے بالا تھا۔

چاند نگر کی بساطِ اقتدار پہ مہرے تبدیل ہونے والے تھے اور فوزیہ سلطانہ اس انقلاب سے بے خبر یا بے تعلق نہ تھی۔ نجانے اسے ابھی اور کیسی کیسی بھیانک خبریں سُننا تھیں۔ ریذیڈنٹ اس کے پاس ایک عجیب و غریب فرمائش لے کر آیا تھا۔ اس نے شہزادی کو سمجھایا اگر وزیرِ سلطنت جعفر اس سے اظہارِ محبّت کرے تو وہ اسے مایوس نہ کرے۔

فوزیہ سلطانہ تحیرزا نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بس یہ مصلحت ہے اور اس میں کمپنی گورنمنٹ کا فائدہ ہے"۔

شہزادہ کے اچانک سوال پر جعفر بوکھلا سا گیا۔ لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ "کیا عرض کروں، چاند نگر میں حضور کی وفات کے متعلق تشویش انگیز خبریں اُڑنے لگی تھیں ——— میں خود صاحبِ عالم کی تلاش و جستجو میں جنگلوں کی طرف جانے والا تھا۔"

"لیکن ہمیں تو جان پڑتا ہے تم بگھی پر سوار شاید کمپنی باغ کی سیر کرنے جا رہے تھے۔"

"کمپنی باغ" کے ذو معنی الفاظ نے دو دھاری تلوار کا کام کیا اور جعفر کٹ کے رہ گیا۔ پھر اس نے سنبھل کر صادق کے کٹے ہوئے سر کی طرف دیکھا اور مردہ سی آواز میں منمنایا۔

"صاحبِ عالم ——— ! یہ صادق........"

"یہ صادق نہیں کاذب تھا........"

شہزادہ کے لہجے میں تلوار کی سی برّش تھی۔

"ہم جگنا بن کے آدم خور کو شکار کرنے گئے اور یہ ہمارا شکار کھیلنے نکلا۔ اس بدبخت نے ہم پر خنجر زنی کی اور گرفتار ہو کر کیفرِ کردار کو پہنچا۔ اس کے ساتھی بھی غدّار تھے۔ ان کا حشر تم دیکھ رہے ہو۔ بہت جلد یہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے"۔

جعفر کانپ رہا تھا۔

"حیرت ہے ——— میں صادق پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ کیا علم تھا۔ یہ غدّار ذاتِ عالی پر حملہ کرے گا۔ اس نے خود خواہش کی تھی اسے حضور کے ہمراہ بھیج دیا جائے۔"

"جعفر! تھوڑی دیر کے بعد ہمیں محل سرا میں ملو۔ ہم کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

ولی عہد کی آواز میں گرج تھی ——— پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور قلعہ کے دروازے کی طرف چل دیا۔ بھیل سواروں نے بھی گھوڑے بڑھائے اور ان کے ساتھ وہ برگشتہ قسمت "جانباز" بھی لڑکھڑاتے، گھسٹتے چل پڑے جن کے گرد آلود پاؤں، کنکروں پتھروں کی ٹھوکروں سے زخمی ہو چکے تھے۔ ہاتھوں میں زنجیریں اور گردنوں میں طوق تھے۔ جعفر نے حسرت آلود نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور شدّتِ الم سے کانپ کر رہ

مگر اس نظارہ سے بھی تعجب خیز اور رُوح فرسا نظارہ ایک اور تھا جس نے جعفر پر لرزہ سا طاری کر دیا بھیل سردار کے نیزے پر صادق کا کٹا ہوا سَر تھا اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے دَہ دَس جانباز" تھے جو سواروں کے ساتھ پیادہ پا لڑکھڑاتے ہوئے چل رہے تھے۔ ان کے جسموں پر کپڑوں کی بجائے چیتھڑے جھول رہے تھے جو گردِ سفر سے اَٹے تھے۔ چہروں پر غبار اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ جن سے کرب و اذیت کا اظہار نمایاں تھا جسم کے بعض حصّوں پر کوڑوں کے نشانات صاف دکھائی دے رہے تھے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عقوبت کے فرشتے گناہگاروں کو کسی دوزخ سے نکال لائے ہوں۔ یہ مجرم جگنابن سے چاندنگر تک گھوڑوں کے ساتھ بھاگتے، دوڑتے اور بھیل سواروں کے کوڑے کھاتے آئے تھے وہ سب کے سب تھکن سے چُور اور زخموں کی تکلیف سے نڈھال ہو رہے تھے۔ ان میں قدم اُٹھانے کی سکت بھی نہ تھی ——— لیکن کوڑوں کے خوف سے مجبوراً گرتے پڑتے چل رہے تھے۔

یہ دِل خراش منظر جعفر کو بدحواس کر دینے کے لیے کافی تھا۔

اس کے نائب خاص صادق کا سَر جس کی جِلد خشک اور ڈیلے باہر نکل آئے تھے بہت خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے گاڑی سے اُترنا چاہا لیکن چکرا کر رہ گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرے سے لہرا گئے۔

ولی عہد کی سواری بالکل قریب آگئی تھی۔ جعفر نے بصد مشکل اپنے منتشر ہوش سنبھالے بگھی سے اُترا اور افراتفری میں کمر تک جُھک کر کورنش ادا کرنے لگا۔ ولی عہد نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی، قافلہ رُک گیا۔

جب جعفر نے گردن اُوپر اُٹھائی سب سے پہلے اسے شہزادہ کی قہر آلود نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا جو تیروں کی مانند اس کے سینہ میں اُترتی چلی گئیں۔ اس نے مُوئے سَر سے نوکِ پا تک ایک سنسنی محسوس کی پھر اس کے خشک ہونٹ آپ سے آپ لرزنے اور کپکپانے لگے۔

"خوش آمدید صاحبِ عالم ——— ! اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے ہم لوگ تو آپ کے لیے بے حد پریشان تھے"۔

"ہمارے لیے پریشان تھے ——— کیوں؟"

دی گئی ہے اور تمام سامان ریذیڈنسی سے ملحقہ احاطہ میں پڑا ہے۔

۵۔ انگریزی فوجیں جو دو حصّوں میں منقسم ہیں، لکھنؤ کی چھاؤنی سے روانہ ہو چکی ہیں۔ اور کل پرسوں تک چاند نگر کی سرحد میں داخل ہو جائیں گی۔

۶۔ انگریزی فوجوں کو روکنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ریاستی لشکر خفیہ طور سے سرحدی قلعوں میں پہنچائے جا چکے ہیں۔ انگریز ریذیڈنٹ ان کی نقل و حرکت سے قطعی بے خبر ہے۔

۷۔ جشنِ جلوس کی تیاریاں ——— بدستور جاری ہیں۔ شہزوری و سپہگری کے مقابلوں میں شریک ہونے کے لیے ریاست کے بہادر، شہسوار اور فنونِ حرب کے ماہرین چاند نگر پہنچنا شروع ہو گئے ہیں۔

۸۔ دربارِ عام آراستہ کیا جا رہا ہے۔

۹۔ میدانِ چوگان میں چاروں طرف نشست کے زینے بن رہے ہیں۔

۱۰۔ مدار المہام جعفر اور ریذیڈنٹ میں ملاقاتیں بڑھ گئی ہیں۔ جعفر کے علاوہ بعض اور آدمی بھی انگریز ریذیڈنسی میں آتے جاتے دیکھے گئے ہیں۔ جن کی فہرست تیار کر لی گئی ہے۔

ملکہ بیگم سے رخصت ہونے کے بعد ولی عہد جب اپنے قصر میں آیا تو سب سے پہلے میر ولی اللہ نے حاضری دی اور شہزادہ کو عسکری تیاریوں کی تفصیل سے آگاہ کیا اس نے بتایا جعفر کی خفیہ نگرانی جاری ہے ——— انگریز گورنر جنرل کے حکم کے مطابق ریذیڈنٹ اس کی تاجپوشی کی رسم خود ادا کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔ اِسی مقصد کے لیے انگریزی فوجیں عقاب کی مانند اُڑی آتی ہیں ——— جعفر نے اپنی مفروضہ تاجپوشی سے قبل ملکہ بیگم، دیوان دُنی چند، میر ولی اللہ، مرزا احمد شجاع اور چند دوسرے محبانِ وطن کو خفیہ طور سے اسیر کرنے کی تجویز بھی سوچ رکھی ہے مگر جوابی انتظامات کر لیے گئے ہیں۔

میر ولی اللہ نے جعفر کی غداری اور بغاوت و سازش کے ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کر لیے تھے اس کے باوجود ولی عہد نے اس کی گرفتاری کسی دوسرے وقت پر اُٹھا دی اور کہا۔

"جشنِ جلوس کی تقریب پر ہم صرف انعام بانٹیں گے۔ مجرموں کو سزائیں نہیں

گیا۔ ستم نصیب قیدی سرنہوڑائے اور زبانِ خاموشی سے جعفر پہ ملامت کرتے چُپ چاپ گزرنے لگے۔ ایک آدمی جس کی حالت سب سے زیادہ دِگرگوں تھی اور جس کے بدن سے خُون رِس رہا تھا۔ جونہی قریب آیا تیزی سے اس کی طرف مُڑا پھراس نے اخ .... تھو .... کر کے تھُو کا اور اپنے بھیل سوار کے ہمراہ گھسٹتا چلا گیا —— جعفر کو یوں محسوس ہُوا جیسے وہ اس کے مُنہ پہ تھوک اُڑاتا ہُوا گزر رہا ہے۔ اس کا بدن غصّہ کے جوش میں کپکپانے لگا۔ دوسرے لمحے وہ پھر بگھی میں آ بیٹھا اور اس کے حکم پہ سائیس نے گھوڑوں کا رُخ ریذیڈنسی کی عمارت کی سمت موڑ لیا۔ آن کی آن میں گھوڑے ہَوا سے باتیں کرنے لگے۔

ولی عہد کی واپسی کی خبر آندھی کے تیز رفتار جھونکوں کی طرح اُڑتی اور پھیلتی چلی گئی۔ چاند نگر کے عوام نے اس خبر کو مسّرت و شادمانی کے ساتھ سُنا اور مطمئن ہو گئے۔

شہزادہ قاسم کی شکل میں دراصل غدّاروں اور نمک حراموں کی موت لوٹ آئی تھی۔ جو اس کی مفروضہ ہلاکت پہ خوش تھے۔ ان کے ارادوں پہ ناگہانی بجلیاں ٹوٹ پڑیں، سارے شہر میں شہزادہ قاسم پر حملہ اور "جانبازوں" کی گرفتاری پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

ولی عہد نے سب سے پہلے قصرِ سفید میں ملکہ بیگم کی حاضری دی اور اس نے فرطِ خوشی سے "بیٹے" کو چھاتی سے لگا لیا۔ مرجینا نے بھی اس کی بخیریت واپسی پر صدقہ اُتارا اور میر مطبخ کو حکم دیا وہ تین بکرے ذبح کرائے اور گوشت مساکین و غربا میں بانٹ دے۔

محل سرا میں شہزادہ قاسم کو حیرت انگیز خبریں سُننا پڑیں۔

۱۔ ولی عہد شمالی جنگلوں میں ہلاک ہو چکا ہے۔

۲۔ اب نیا حکمران کمپنی سرکار کی مرضی سے تخت نشین ہو گا۔

۳۔ ریذیڈنٹ غالباً مدار المہام جعفر کو اپنی نگرانی میں تخت و تاج سونپنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

۴۔ انگریزی سامانِ تجارت جسے ولی عہد کے حکم سے گذشتہ سال ریاست کی سرحد پر روک لیا گیا تھا، مدار المہام جعفر کے خاص احکام سے محصول چونگی کے بغیر چاند نگر پہنچ چکا ہے۔ جس کی مزید نقل و حرکت ولی عہد کی واپسی تک ممنوع قرار دے

تو اس کے نتائج کی ذمہ داری ریذیڈنٹ اور کمپنی سرکار پر ہو گی "۔

جعفر کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کی بازی اُلٹ گئی تھی ولی عہد کی موجودگی میں کمپنی سرکار بھی اس کی کوئی مدد نہ کر سکتی تھی وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

میر ولی اللہ فوج کا ایک دستہ لے کر باز کی طرح ریذیڈنسی پر جھپٹا۔ کرنل کلوٹ نے ساڑھے تین کروڑ روپے کی مالیت کا سامان ہاتھ سے جاتے دیکھا تو تڑپ اُٹھا۔ چند انگریز سپاہی جو ریذیڈنسی کی حفاظت پر متعیّن تھے بندوقیں تھام کر سامنے آگئے۔ ریذیڈنٹ نے دھمکی دی اگر انگریزی مال کو ہاتھ لگایا گیا تو وہ حفاظتِ خود اختیاری کے تحت گولی چلا دے گا اور اس کے بعد دُنیا کی کوئی طاقت انگریزی فوجوں کو چاند نگر میں داخل ہونے سے روک نہ سکے گی۔

میر ولی اللہ نے بتایا۔" یہ مال غیر قانونی طور سے ریاست میں داخل ہوا ہے جسے ایک سال پہلے سرحد پر روک دیا گیا تھا۔ اس لیے ریاستی حکومت اسے ضبط کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ وزیر سلطنت جعفر سے کیا ہوا معاہدہ قابلِ عمل نہیں کیونکہ ملکہ بیگم یا ولی عہد کی منظوری حاصل نہیں کی گئی غیر آئینی معاہدوں اور غیر قانونی مال کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے؛ اس کی حقیقت خود کمپنی سرکار بھی خوب جانتی ہے۔ اب یہ سامان قانونی طور پر ریاست چاند نگر کی ملکیّت ہے اگر انگریزی سپاہیوں نے اس کی ضبطی میں مداخلت کی تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ جو حکومت کمپنی کا غیر قانونی مال ضبط کرنے کا حکم دیتی ہے وہ کمپنی کی فوجوں کو بھی روک سکتی ہے۔ اگر انگریزی سپاہ اس بہانے چاند نگر میں داخل ہونے کی کوشش کرے گی تو اس سے بڑی غلطی اور کوئی نہ ہو گی اور کمپنی کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا"۔

کرنل کلوٹ کے ہوش اُڑ گئے۔ منت سماجت پر اُتر آیا کہ ولی عہد مہربانی کریں اور سامان واپس لے جانے کی اجازت دے دیں۔ اس طرح دونوں حکومتوں کے دوستانہ تعلّقات برقرار رہیں گے۔

میر ولی اللہ نے ریذیڈنٹ کی درخواست شہزادہ کے حضور پیش کر دی جسے نامنظور کر دیا گیا۔ پھر کرنل کلوٹ خود بھاگتا ہوا ایوان خاص تک پہنچا اور ولی عہد کی حاضری کا طلب گار ہوا لیکن اسے حاضری کی اجازت نہ مل سکی صرف ولی عہد کا پیغام ملا۔

دیں گے ۔"

وزیرِ سلطنت جعفر ہانپتا کانپتا حاضر ہوا ۔ وہ تنہا تھا اور انتہائے مکّاری سے ننگے سر اور ننگے پاؤں سینے پر مجرموں کی طرح ہاتھ باندھے آیا تھا ۔ اس نے دروازہ کے قریب ہی کمر تک جھک کر کورنش ادا کی اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا ۔ شہزادہ قاسم اور میر ولی اللہ دونوں حیران تھے ۔

"جعفر بابا ! اس طرح حاضری کا مقصد ؟"

"صاحبِ عالم .... ! میں مجرم ہوں جان بخشی کی التجا لے کر آیا ہوں ۔ صادق میرا نائب تھا ممکن ہے عالی جاہ خانہ زاد پر کسی قسم کا شبہ کریں مگر میں یقین دلاتا ہوں ۔ مجھے اس ناپاک ارادے کا وہم بھی نہیں تھا ——"

"مگر ہم نے تم پر کوئی الزام نہیں لگایا ۔ پھر تمہیں اپنی صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔"

"صادق میری ہی سفارش پہ آپ کے ہمراہ گیا تھا ۔"

ولی عہد نے جیسے اس کی بات سُنی ہی نہ تھی ۔ چوبی شہ نشین سے اُتر کر فرش قالین پہ آیا اور جعفر کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بلند اور غضب ناک آواز میں بولا ۔

"تم جانتے ہو ہم اپنی ریاست میں انگریزی سامان تجارت کی خرید و فروخت پسند نہیں کرتے پھر تم نے ہمارے فیصلے کی خلاف ورزی کیوں کی ؟

جعفر مکّاری سے بولا ۔

"اس غلطی کی معافی چاہتا ہوں صاحبِ عالم —— ! دراصل ریذیڈنٹ نے عالی جاہ کے جلوسِ تخت نشینی کا واسطہ دے کر مجھ سے تجارتی رعایت طلب کی تھی "۔

"ہم اپنے خاص اختیارات سے تجارتی معاہدہ منسوخ کرتے اور حکم دیتے ہیں انگریزی مال ضبط کر لیا جائے "۔

پھر وہ تیزی سے میر ولی اللہ کی طرف مڑا ۔

"تمام سامان آج ہی اپنی تحویل میں لے لو اور ریذیڈنٹ کو تنسیخِ معاہدہ کی خبر دے دو —— اُسے یہ بھی کہہ دو اگر کوئی انگریزی فوج ریاست میں داخل ہوئی

خانہ بدوش حسینہ کی یاد نے چاند نگر میں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا تھا جونہی وہ مملکت کے ہنگاموں سے فارغ ہوا شہزادی کی یاد کوندے کی طرح لپکنے اور چمکنے لگی اُس کا رنگین تصوّر ذہن کے حاشیوں پر رنگ بکھیرنے لگا۔

وہ لالۂ صحرائی۔ حسن کا پُر بہار پھول شہروں سے دُور بن میں کھِلا تھا۔ اس نے بستی بستی، نگر نگر، جنگل جنگل گھومنے پھرنے والے بنجاروں کے ہاں جنم لیا تھا۔

قاسم شدّتِ جذبات سے بے قرار سا ہو کر وحشی ہرن کی مانند کمرے میں چکّر کاٹتا اور قدرت کی ستم ظریفیوں پر حیران ہوتا تھا جس نے ایک ایسی لڑکی کو خانہ بدوش قبائلیوں میں پیدا کیا جسے دراصل شاہی محلات کے آراستہ و پیراستہ کمروں اور اطاعت گزار کنیزوں کے درمیان زندگی گزارنا چاہیئے تھی۔

مگر چاندنی راتوں کی پروردہ اور دشت و بیابان کے پُر ہول سناٹوں کی پالی ہوئی خانہ بدوش لڑکی بھلا محلوں کی پُر تکلّف زندگی کو کیا جانے؟ —— وہ تو تیز رو آندھیوں اور ویرانوں کے باد و رولوں کے ہمراہ چلتی سیلِ باد و باراں میں کوندے کی طرح لپکتی جھپکتی —— جیٹھ ہاڑ کی دھوپیں کھاتی —— ساون بھادوں کی رِم جھم میں ناچتی —— پھاوڑے کے جاڑے سہتی —— ماگھ پوس کی سرد ہواؤں کے کوڑے کھاتی —— سینکڑوں ارضی و سماوی آفتیں جھیلتی اور نیلے سبز پربتوں کی ہیبت ناک ترائیوں میں بگولے کی مانند اُڑتی رقص کرتی، ناچتی گاتی پروان چڑھی تھی۔

واقعی وہ جنگل کی شہزادی تھی۔

اس نے بھیڑیوں کی غراہٹیں —— گیدڑوں کی ہوانکیں —— ہرنوں اور چیتوں کے ہوکے —— شیروں کی دہاڑیں اور ہاتھیوں کی چنگھاڑیں سُنی تھیں۔ اور اپنی کلہاڑی کے دستہ پر اُنگلیوں کی گرفت مضبوط کیے، چیتے کی سی پھرتی اور ہوشیاری سے اِدھر اُدھر بھاگتی پھرتی تھی۔ اس کی شہسواری اور تیغ افگنی کا نظارہ تو قاسم نے خود دیکھا اور حیران و ششدر رہ گیا تھا —— اس نے کس دلیری اور جیداری کے ساتھ ہیبت ناک ببّر پر برچھا پھینکا اور وہ برچھا ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ شیر بگولے کی طرح گھومتا، چکراتا اور دہاڑتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

پھر اس کا صحت مند، سڈول اور مضبوط جسم، شریانوں میں دوڑتا ہوا ازلی زندگی،

"یہ سامان درآمد کر کے ریذیڈیٹ نے ہمارے واضح احکام کی خلاف ورزی کی اور ہمارے مدار المہام سے دھوکا کیا ہے۔ سامان بہرطور ضبط ہوگا تاکہ آئندہ کسی کو حکم عدولی کی جرأت نہ ہو سکے۔ نیز ہم کمپنی کی حکومت کو اپنا دوست نہیں سمجھتے۔ ہمارے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں جو دوستی کے منافی ہیں۔"

ریذیڈنٹ اپنا سا منہ لے کر لوٹ آیا۔

میر ولی اللہ نے ساڑھے تین کروڑ کا مال سرکاری عمارت میں منتقل کر دیا۔

لیجیے ——— ! انگریز کو اپنی سازش کا انعام مل گیا۔

شہزادہ قاسم لچکنے والے حکمرانوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے دیوان دُنی چند ایسے ماہر سیاستدان سے رموز حکومت کی تعلیم پائی اور انگریز کی سیاسی ابلہ فریبیوں کو خوب سمجھ لیا تھا، جانتا تھا انگریز صرف طاقت کے سامنے جھکتا ہے۔ برصغیر کے کتنے ہی کمزور حکمران اس کی خونین سیاست کا لقمہ بن گئے اور کئی کمپنی سرکار کے رحم و کرم پر پڑے مجبوری و بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے جنہیں صرف وظیفہ (خرچہ) ملتا تھا۔ قاسم ایسی حکومت پسند نہ کرتا تھا۔ اسی لیے سب سے پہلے اس نے انگریز کا مقابلہ کرنے کے لیے خفیہ ذرائع سے اپنی عسکری طاقت کو مضبوط سے مضبوط تر کر لیا۔ اب وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کر سکتا تھا۔

انگریز ولی عہد کے پُر جوش رویّہ کو صرف "جوانی کی ناسمجھی" کے نام سے تعبیر کرتے رہے۔ ریذیڈنٹ نے اس افسوس ناک واقعہ اور ولی عہد کی خلاف توقع واپسی کی اطلاع کلکتہ بھجوا دی اور اس خیال کا اظہار بھی کیا کہ اب انگریزی فوج مقابلہ کے بغیر ریاست میں داخل نہیں ہو سکے گی لیکن ریاست کی فوج اس قابل نہیں کہ حملہ کی تاب لا سکے۔ اگر چاند نگر پر قبضہ ضروری ہے تو سامانِ تجارت کی ضبطی کو جنگ کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔

ریذیڈنٹ کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ جعفر نے حیرت انگیز طور پر خاموشی اختیار کر لی لیکن چاند نگر کے باشندے بڑے جوش و خروش سے جشن جلوس کی تیاریاں کر رہے تھے ——— ! ولی عہد کا زیادہ وقت ایوانِ خاص یا تخلیہ میں گزرتا تھا۔ وہ اکثر خاموش ہی رہتا تھا۔

جب تم ابھی پالنے میں تھے ایک غریب ماں باپ کی لڑکی میری توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ اس کے ماتھے پر چاند کا نشان اس کی اقبال مندی کی خبر دے رہا تھا۔ مَیں نے ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر یہی سمجھی کہ وہ غریب لڑکی چاند نگر کی چاند بی بی بنے گی۔ لڑکی کے ماں باپ سے تو اس سلسلہ میں کوئی گفت گو نہ ہو سکی تھی لیکن مَیں نے اسی دن سے دل میں ٹھان لی تھی کہ اسی "چاند بی بی" کو "اپنے چاند" کی دُلہن بناؤں گی۔ پھر لڑکی کچھ ایسی غائب ہوئی کہ دوبارہ نظر نہ آسکی، نہ اس کا باپ ہی لوٹ کر آیا۔ اس کے انتظار میں برسوں بیت گئے اور اب مَیں مایوس ہو چکی ہوں شاید وہ لڑکی زندہ نہ رہی ہو ورنہ اس کا باپ کبھی نہ کبھی تو ضرور آتا کیوں کہ لڑکی اُن سات بچوں میں سے ایک تھی جو ولی عہد کے ہم مولود تھے اور جنہیں شاہی انعام و اکرام سے نوازا گیا تھا۔"

پھر ملکہ بیگم نے بتایا۔

"گذشتہ دنوں میر ولی اللہ کو اختیار دیا گیا تھا۔ وہ چاند نگر کے لیے کسی چاند بی بی کا انتخاب کرے اگرچہ بعض ریاستوں کی طرف سے بھی شادی کے پیغامات موصول ہوئے ہیں لیکن چاند نگر کے کئی امیر بھی رشتہ و تعلق کے خواہشمند ہیں اور میر ولی اللہ نے انہی میں سے ایک لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔

وہ مرزا شاہ رُخ حاکمِ چتر گڑھ کی بیٹی زیب النساء ہے۔ جس کی نبضوں میں چغتائی خون دوڑ رہا ہے۔ وہ نہ صرف زیورِ تعلیم سے آراستہ اور مغل روایات کی تصویر بلکہ فنونِ سپہ گری سے واقف اور محبِ وطن امیر زادی ہے۔ چاند نگر کے لیے اس سے بہتر ملکہ نہیں مل سکتی پھر مرزا شاہ رخ فرخ خاندان سے قریبی تعلق رکھتا اور حکومت کا دیرینہ وفادار بھی ہے کئی سال سے چتر گڑھ کی صوبے داری کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے ادا کر رہا ہے اگر ولی عہد کو یہ رشتہ منظور ہو تو بات چھیڑی جائے۔ مرزا شاہ رخ جشنِ جلوس میں شریک ہونے کے لیے کل ہی اہلِ خانہ سمیت شاہی محل کا مہمان ہوا ہے۔"

قاسم سر نہوڑائے چُپ چاپ ملکہ بیگم کی بات سنتا رہا اس کے دل کی دھڑکنیں غیر معمولی طور پر تیز ہو چکی تھیں۔ ملکہ بیگم کی طرح وہ خود بھی نقشِ حسرت بن گیا تھا۔

ملکہ بیگم وہ بد نصیب عورت تھی جس نے اپنی کوکھ جنی "بچی" کو آزادیٔ وطن پر قربان کر دیا تھا۔ اگرچہ وقت نے اس کی ایک ایک امید کو کچل دیا اور بے رحم زمانہ کی گردش

خون، شفق میں نہلایا، سنولایا ہوا سرخ و سفید رنگ جیسے جنگلی گلاب نکھرتا ہے۔ کھلی ہواؤں میں پلا اور چاند کی کرنوں میں ڈھلا ہوا روپ، تنا ہوا قد، بھرا ہوا سینہ، ہرنیوں کی سی موٹی موٹی سرمگیں آنکھیں جن میں سرما کی اندھیری راتیں خوابیدہ اور جوانی کی نئی نویلی وحشتیں بیدار تھیں ——— غرورِ آزادی کے احساس سے تنی ہوئی گردن، گفتار میں رس، لہجے میں لبھاؤ، آواز میں موسیقی بھی اور تلوار کی کھنک بھی، رفتار میں ندی کی موج کا بہاؤ جیسے کوئی پرندہ فضا میں اڑتا یا شیرنی بل کھاتی کچھار سے نکلتی ہے۔

ایک تو جنگل کی آزاد ہواؤں اور کھلی فضاؤں میں پرورش پانے والی نڈر خانہ بدوش لڑکی ——— اس پہ سردار کی بیٹی، ہر فن میں طاق ——— بس ایک چڑھی ہوئی کمان تھی جو ولی عہد قاسم کے ذہن سے اترتی نہ تھی اور بھولنے کے باوجود بھولتی نہ تھی۔

اگر بختیار مرزا یہاں ہوتا تو گفتگو سے اس کا جی بہلاتا اور شاید تلاشِ یار کی کوئی صورت ڈھونڈ نکالتا لیکن وہ تو جگنا بن سے واپسی پر رستہ ہی میں کٹ گیا تھا۔ اچانک ملکہ بیگم کی حاضری کا پیغام ملا۔

جب وہ قصرِ سفید میں پہنچا تو میر ولی اللہ بھی اس کا منتظر تھا اور ملکہ بیگم حسرت و یاس کی تصویر بنی شہ نشین پہ اداس بیٹھی تھی جیسے کسی بہت بڑے دلخراش حادثہ سے دوچار ہوئی ہو۔ فانوس کی نرم روشنیوں میں اس کے چہرے پر فکر و الم کی پرچھائیاں صاف نظر آ سکتی تھیں ——— قاسم کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

بوڑھا راجپوت ساؤ دروازے پر پہرہ دے رہا تھا اور ساؤ عموماً اسی وقت دروازے پر کھڑا ہوتا تھا جب کوئی غیر معمولی گفتگو ہو رہی ہو۔

قاسم نے حسبِ سابق ملکہ بیگم کے قدم چھوئے اور سعادت مند بیٹے کی طرح "ماں" کے حضور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے میں چند لمحے بوجھل سی خاموشی طاری رہی پھر ملکہ بیگم نے بتایا۔ "قاسم! کل شام تمہاری عمر ٹھیک بیس سال کی ہو جائے گی اور دستور کے مطابق جلوسِ فرمانروائی کی تقریب پر تمہیں اپنی ملکہ کا انتخاب کر لینا چاہیے۔ کل میں تمہیں اختیاراتِ حکومت سونپ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گی لیکن ماں کی حیثیت سے بیٹے کی شادی کا بوجھ ابھی میرے کندھوں سے نہیں اترا۔"

پھر اس نے رندھے ہوئے لہجہ میں اپنی آرزو بیان کی اور کہا۔ "کئی سال پہلے

بے شک وہ ولی عہد اور ایک سلطنت کا والی تھا۔اس کے اشارے پر لاکھوں انسانوں کی تقدیریں رقص کرتی تھیں لیکن خود بے رحم تقدیر کے سامنے کتنا مجبور و بے بس تھا۔

اچانک وہ بے دھیانی میں ملکہ محل کی کنیز خاص مرجینا سے ٹکرا گیا جو ہوا کے جھونکے کی طرح غلام گردش میں اُڑتی چلی آ رہی تھی۔قندیلوں کی مدہم سی روشنی میں اس کا چہرہ فرطِ مُسرت سے انار کے پھولوں کی مانند لال بھبوکا ہو رہا تھا اور یہ عجیب بات تھی اس کی بھیجی کے چہرے پہ برسوں کے بعد خوشی کا یہ رنگ دیکھا گیا تھا۔وہ حیران ہو کر بولا۔

"کیا بات ہے بھیجی ——— ! بہت خوش نظر آتی ہو ؟"

مرجینا نے اس کی بات سُنی یا نہیں سُنی لیکن اپنی جھونک میں بولی۔

"خانہ بدوش ......" مگر کچھ کہتے کہتے فوراً رک گئی اور قاسم کے دِل میں کئی خطرے رینگ گئے۔

"خانہ بدوش ؟" شہزادہ اس کے مُنہ سے یہ الفاظ سُن کر نقشِ حیرت بن گیا اور ابھی ان الفاظ کا مطلب پوچھنے ہی والا تھا کہ مرجینا جھونکے کی طرح اُڑتی چلی گئی اور وہ غلام گردش کے ستون کو تھامے سوچتا ہی رہ گیا کہ یہ بھیجی اس پر کیا انگارہ پھینک گئی ہے۔ادھر ملکہ محل کی دوسری منزل پر مرجینا ملکہ بیگم کو خبر سنا رہی تھی۔

"ملکہ حضور ! سردار جگو لوٹ آیا ہے۔اس نے نیلم ندی کے اس پار اسی کھنڈر میں ڈیرہ لگایا ہے۔شہزادی بھی اس کے ساتھ ہے۔" لیکن یہ خبر سنتے ہی ملکہ بیگم تو بیہوش ہو چکی تھی۔

نے ایک ایک آرزو کو مسل ڈالا تھا مگر بیس برس کے طویل انتظار کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر اپنی بدبختی سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گئی تھی پھر بھی آج اس کے غمِ پنہاں کی کسک کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی جا رہی تھی اور اس کا جی چاہتا تھا ۔ وہ در و دیوار سے لپٹ لپٹ کر روئے اور چیخ چیخ کر خدا سے فریاد کرے ۔

" اے آتشِ نمرود کو گلزارِ خلیلؑ بنانے والے ——— یعقوبؑ کو یوسفِؑ گم گشتہ سے ملانے والے ——— ایوبؑ کے ضبطِ صبر کا تماشا کرنے اور اسے نعمتِ مراد بخشنے والے ——— اکب تک میری جان صبر کی بھٹی میں جلتی رہے گی ۔ میرا دکھ یعقوبؑ کے دکھ سے کم نہیں ۔ مجھے موت دے ۔ یا ——— غم سے نجات بخش اور بچھری ہوئی بیٹی کو ملا دے ۔"

لیکن افشائے راز کے خوف سے اس نے اپنے ہونٹ سی لیے اور تقدیر کے اٹل فیصلے کے سامنے گردن جھکا دی ——— اب صرف قاسم کے فیصلہ کا انتظار تھا اور وہ گم صم خاموش کھڑا تھا ۔ جب ملکہ بیگم نے اس کی مرضی و سیاقت کی تو اس نے جواب دیا ۔

" اجی حضور ! میں تو آپ کے وجود کا سایہ ہوں ۔ اگر وہ چاندنی بی مل جائے جسے آپ نے بچپن ہی میں اپنی بہو بنا لیا تھا تو مجھے کائنات کی خوشیاں مل جائیں گی ۔ آپ اس کے باپ کا نام و نشان تو بتائیں ۔ ہم اسے ساری سلطنت میں تلاش کریں گے ۔"

ملکہ بیگم نے لڑکی کے باپ کا نام تو کیا اس کا نام و نسب بھی ظاہر نہ کیا اور ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی ۔

" وہ ایک خواب تھا اور بعض خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا کرتے ، اسے بھول جاؤ چاندنگر کا تخت شاید زیب النساء کے قدموں کا انتظار کر رہا ہے ۔"

قاسم کے ذہن پر روشنی کا ایک خط قوسِ ہلال کی طرح ابھرا اور وہ سوچنے لگا ۔ خانہ بدوش حسینہ کے ماتھے پر بھی تو چاند کا ایک ہلکا سا نشان تھا لیکن فوراً ہی اس نے یہ خیال جھٹک دیا ۔ کاش اسے کچھ مہلت مل جائے لیکن کیا مہلت ان فاصلوں کو پاٹ سکے گی جو خانہ بدوش حسینہ اور ایک شہزادہ کے درمیان حائل ہیں ،

اس نے اپنا فیصلہ ٹال دیا پھر ٹوٹے دل کے ساتھ قصرِ سفید سے نکلا اور ہولے ہولے ایک روح کی طرح غلام گردشوں سے گزرنے لگا ۔

پر جان قربان کر دینے پر تیار تھے جس نے اُنہیں فوجی تربیت دے کر بہادر انسان بنا دیا تھا۔ پھر وہ اپنی بیٹی کو لے کر پُر اسرار سفر پہ روانہ ہو گیا اور اس کی جگہ سردار سلیمان قبیلہ کی مختلف ٹکڑیوں کی قیادت کرتا رہا۔ سردار جگّو نے گڑھی رنبور میں کئی سال گزار دیئے۔ شہزادی کو محلاتی تعلیم فوجی تربیت اور جنگلوں میں شکار کے فن سے آراستہ کیا حتیٰ کہ ملکہ بیگم کی لاڈلی کو جو محل سرا کی پُر تکلّف فضاؤں میں پل کر ناز و نزاکت کی ایک گٹھڑی سی بن جاتی یا لاڈ پیار میں بگڑی ہوئی تنک مزاج شہزادی ——— ایک نڈر، بیباک، بے خوف اور دلیر لڑکی بنا دیا تھا۔

وہ مردوں کی طرح برچھا پھینکتی، نیزہ مارتی، بندوق چلاتی تھی۔ بڑے بڑے شہسوار اس کے مقابلے میں گھوڑے کی سواری میں مات کھا چکے تھے۔ وہ بہادروں کی مانند حریف کا پنجہ مروڑ سکتی اور درندوں کا شکار کرتی مگر شجاعت و ہمّت کے علاوہ نسائیت کا بھی ایک حسین پیکر تھی۔ جس کی گفتگو سن کر ہر شخص گرویدہ ہو جاتا تھا ——— سردار جگّو نے ہر اعتبار سے اس کی نگہداشت کی اور اُسے ایک مکمّل لڑکی بنا دیا تھا۔ کچھ عرصہ قبل جب اُس نے گڑھی رنبور میں یہ اعلان سُنا کہ چاند نگر کے ولی عہد کے جشنِ جلوس پہ سپہگری اور شہسواری کے مقابلے ہوں گے اور جو بہادر شہزادہ قاسم سے بازی جیت لے گا اُسے اعلیٰ ترین اعزاز و انعام دیا جائے گا۔ وہ گڑھی سے نکلا اور شہزادی کو لے کر بگولے کی طرح اُڑتا ہُوا اپنے ڈیرے میں آیا تھا۔ آندھی اور بادل کی مانند اس کی آمد بالکل اچانک تھی۔ خانہ بدوشوں نے جشن منایا اور لڑکیوں نے شہزادی کو اپنے حلقہ میں لیکر رقص و نغمہ کے جادو بکھیرے تھے۔ پھر سردار کے حکم پہ اُنہوں نے راتوں رات ڈیرہ اُٹھایا جھونپڑے گرائے بستی کی فصیل ڈھائی۔ ڈھور ڈنگر۔ گھوڑے۔ خچر سنبھالے۔ اپنے گھر بار لادے اور کسی نامعلوم منزل کی طرف چل دیئے تھے۔ کوئی نہ جانتا تھا سردار اُنہیں کہاں لیے جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کاشو اور اس کے ساتھیوں کی نہ معلوم شکاریوں سے جو جھڑپ ہوئی ہے وہ نقل مکانی کی وجہ بنی ہے۔ جنگلوں اور چراگاہوں کو چھوڑ کر جب اُس نے جنوب کی طرف بستیوں کا رُخ کیا تو وہ یہی سمجھے سردار اناج لینے، گھوڑے، کھالیں اور اُون بیچنے نکلا ہے۔ مگر جب وہ اچانک چاند نگر کے سامنے نیلم ندی کے کنارے نمودار ہُوا اور اس نے خانہ بدوشوں کو ویرانے میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔

ٹھیک بیس برس پہلے جب سردار نے اُسی ویرانے سے ڈیرہ اُٹھانے کا حکم

(۱۱)

پورے بیس سال کے بعد۔

نیلم ندی کے شمالی میدان میں، جہاں اُونچے نیچے ناہموار ٹیلوں کے درمیان ایک شکستہ حال عمارت آج بھی اپنی عظمتِ رفتہ کا نوحہ پڑھ رہی تھی ۔ شام کے اندھیروں میں جگہ جگہ آگ کی لویں کانپ رہی تھیں اور چولھوں سے اُٹھتا ہُوا دھوآں فضا میں پیچ و خم کھا رہا تھا ——— اس ویرانے میں بیس سال کے بعد پھر ایک دفعہ زندگی کی ہما ہمی جاگ اُٹھی تھی ۔

زندگی کے بیس پت جھڑ اور عمر کی بیس بہاریں گزارنے کے بعد خانہ بدوشوں کے سردار جگو نے چاند نگر کا رُخ کیا اور قبیلہ کو لے کر اسی کھنڈر کے پاس خیمہ زن ہُوا تھا جہاں اس کی محبوب بیوی زینو اپنی ایک امانت چھوڑ کر چل بسی تھی جہاں سردار جگو نے زندگی بھر کی پُونجی چاند نگر کی شاہی کنیز مرجینا کی جھولی میں ڈال دی اور اُس کے عوض نواب فرخ اور ملکہ بیگم کی اکلوتی لڑکی کو اپنی بیٹی کہہ کر سینے سے لگایا تھا ۔

چاند نگر سے واپسی پر وہ کئی سال تک شمالی جنگلوں میں گھومتا اور اپنے ٹھکانے بدلتا رہا تھا ۔ اُس کا قبیلہ کئی ٹکڑیوں میں بٹا ہُوا تھا لیکن وہ سب کے سب اپنے سردار کے حکم

ہو چکے تھے۔ جب وہ بیٹھ چکا تو سب سے پہلے لالو نے سوال کیا۔

"سردار ——— ! بیس برس پہلے جب ہم چاند نگر سے روانہ ہوئے۔ تم نے کہا تھا ہم اس شہر میں کبھی نہ آئیں گے۔ کیونکہ یہاں زینو کی قبر بن چکی ———"

سردار مدھم اور پُرسکون آواز میں بولا۔

"ایک اعلان مجھے چاند نگر کی طرف کھینچ لایا ہے۔"

"اعلان ——— کیسا اعلان ؟"

ایک ساتھ کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ سردار نے پوچھا۔

"اگر کوئی شخص اعلان کرے وہ تمام انسانوں سے زیادہ جری، بہادر، فنونِ جنگ کا ماہر اور اعلیٰ ترین شہسوار ہے اور کوئی آدمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو یہ دعویٰ سُن کر خانہ بدوش کیا کریں گے ؟"

"ہم اس شخص کا غرور توڑنے کے لیے ضرور اُسے مقابلہ کی دعوت دیں گے۔"

"تو پھر میں ایسے ہی مقابلہ کے لیے چاند نگر آیا ہوں۔ حکومت نے اعلان کیا ہے ولی عہد قاسم فنِ سپہ گری اور شہسواری میں یکتائے زمانہ ہو چکا ہے اور کوئی بہادر اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ولی عہد کے جشنِ جلوس پر ملک کے شہسواروں اور بہادروں کو مقابلے کی دعوت دی گئی ہے اور میں نے یہ دعوت قبول کر لی ہے۔"

بوڑھے سردار کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر تمام خانہ بدوش دنگ رہ گئے۔ کیا بڑھاپا مُنہ زور جوانی کا مقابلہ کر سکے گا ؟ یک لخت کاشو اپنی کلہاڑی کے پھل پر ہاتھ مارتا ہُوا اُٹھا۔

"میرے ہوتے ہوئے سردار کو مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں شہزادہ کو پہلے مجھ سے اُلجھنا ہوگا۔"

خانہ بدوشوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اکثر بہادر مقابلہ کے خواہش مند نظر آنے لگے۔ بالی نے بھی برچھا لہرا دیا۔ "پہلے میں مقابلے پر نکلوں گا۔"

سردار جگو نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا دیئے۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا اور وہ ہولے ہولے پُرسکون آواز میں کہنے لگا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میرے قبیلہ کے بہادر شہزادہ سے مقابلہ پر تیار ہیں مگر قاسم عام شہزادوں سے مختلف ہے اُس کی نبضوں میں ایک بہادر

دیا تو کہا تھا ــــــــــ

" جس نگری میں زینو کی قبر بن چکی شاید ہم کبھی وہاں لوٹ کر نہ آئیں ــــــ"

لیکن سردار آوارہ بادل کی طرح پھر اچانک چاند نگر کے اُسی ویرانے میں آنکلا تھا۔ خانہ بدوشوں نے خیمے اور جھونپڑے گاڑھ دیئے اور شام کے جھٹپٹے میں چُولھے گرم کر دیئے۔ سردار جگوّ نے شہزادی کی اُنگلی پکڑی اور ہولے ہولے چلتا کھنڈر کے چبوترے کے پاس آیا جہاں مٹی کی ایک ڈھیری کو کھنڈر کی لکھوری اینٹوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ شام کے گہرے اندھیروں میں جب خانہ بدوشوں کے چولہوں میں شعلے لپک رہے تھے سردار جگو کے سُلگتے ہوئے دِل سے ماضی کی المناک یادوں کا دھواں اُٹھ رہا تھا۔ اُس نے ڈھیری کے پہلو میں کھڑے ہو کر شہزادی کو بتایا۔

" بیٹی ــــــ ! یہ تمہاری ماں کی قبر ہے جب وہ ہمیشہ کی گہری نیند سو گئی تو مَیں تمہیں سینے سے لگا کر چاند نگر سے چلا گیا تھا ــــــ"

" ماں ــــــ" کہہ کر نوجوان لڑکی قبر کے سرہانے بیٹھ گئی ۔ پھر آپ سے آپ اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے چراغ جل اُٹھے ۔ باپ کا ہاتھ بیٹی کے سر پر کانپنے لگا وہ اُسی ہاتھ کا سہارا لے کر اُٹھی اور بے اختیار سردار سے لپٹ گئی ۔

" بابا ــــــ ! بیس سال کے بعد پہلی مرتبہ تم مجھے ماں کی قبر پر لائے ہو ۔ تم نے آج تک یہ نہیں بتایا' میری ماں کیسی تھی ــــــ اُس نے مجھے ایک مرتبہ پیار تو کیا ہو گا .... "

شدتِ جذبات سے اُس کی آواز گلوگیر ہو رہی تھی ۔ جگوّ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

" نہیں' وہ بد نصیب تمہاری پیشانی پر اپنی محبت کا بوسہ نہ دے سکی ۔ موت نے اُس کے ہونٹ سی دیئے "۔

یہ سُن کر شہزادی کی چیخ نکل گئی اور وہ اپنی " ماں " کی محبت کو یاد کر کے سسکیاں بھرنے لگی ۔ سردار کا اپنا دِل بھی بھر آیا تھا ۔ اُس نے زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر لوٹ آیا ۔

اُس کی واپسی سے پہلے ہی اکثر خانہ بدوش سردار کے خیمے کے سامنے اکٹھے

"یقین کی کہا بات سرکار! یو تو ہمار جوان آپ کانوں سُن کے آیو۔ کہت ہے۔ بنجارے بڑا گھمنڈ کرت رہے یو بات پر کہ صاحبِ عالم کا مقابلہ عورت جات کرے ہے۔"

ولی عہد کے لیے پہلی خبر دلنواز ثابت ہوئی مگر خانہ بدوش حسینہ کے میدانِ مقابلہ میں اُترنے کی خبر بہت حیران کن اور بے ڈھب تھی۔ قاسم نے اپنی شاہی حیثیت اُس سے پوشیدہ رکھی تھی اور خود کو ایک معمولی سپاہی ظاہر کیا تھا مگر کل جب اُسے معلوم ہوگا۔ جنگل میں اُس نے جس شکاری کو اپنے ناوکِ حُسن سے گھائل کیا۔ جس سے رسمِ محبت بڑھائی وہ چاند نگر کا ولی عہد اور ہونے والا والی ہے تو کیا وہ جنگلی ہرنی کی طرح بِدک کر بھاگ نہ جائے گی ——؟

ساری رات انہی خیالوں میں کروٹیں بدلتا اور عجیب و غریب تجویزیں سوچتا رہا۔

بس خیالِ یار تھا اور دلِ بیمار —— جب ستارۂ سحر نمودار ہوا اور اُس کی خمار آلود پلکیں جلنے لگیں تو نجانے کب نیند کا جھونکا آیا اور کب وہ خوابوں کے حسین جزیرے میں اُتر گیا۔

جب آنکھ کھُلی سورج محل سرا کی برجیوں اور مینٹیوں پر بنفشی شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ اور قلعہ کے دروازے پر قرنائیں پھونکی جا رہی تھیں۔ اُس نے اپنے بوڑھے غلام عبداللہ سے پہلے بختیار مرزا کے متعلق دریافت کیا تھا لیکن جشن کا دن آپہنچا اور بختیار ابھی تک لوٹ کے نہ آیا تھا۔ اب اُسے ایک اور تشویش لاحق ہوئی۔ خانہ بدوش تو چاند نگر پہنچ گئے تھے۔ کیا بختیار مرزا انگریز شکاریوں کے جال میں پھنس گیا ہے؟

ملکہ بیگم کی حاضری دے کر، اپنی بھیجی سے دُعائیں لیتا کنیزوں، غلاموں اور خواجہ سراؤں کی "مبارک سلامت" کی آوازیں سُنتا ہوا جب وہ محل سرا سے نکلا دستۂ خاص کے سپاہی خوش رنگ وردیاں پہنے اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ جونہی قلعہ کے دروازہ کی طرف چلا۔ نقیب نے بگل بجایا جس کی آواز کے ساتھ ہی طبل و دمامہ پر چوٹ پڑی اور فصیل پر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد توپیں سر ہونے لگیں۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ولی عہد ذیشان محل سرا سے روانہ ہو چکے۔

قلعہ کے وزراء امراء زرق برق لباس پہنے اُس کی پیشوائی کے لیے حاضر تھے سب سے پہلے مدار المہام جعفر نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور مبارکباد پیش کی۔ پھر دیوان دُنی چند وزیر جنگ میر ولی اللہ، میر منشی احمد شجاع، حاکم چترگڑھ میرزا شاہ رُخ۔ محاسب اعلیٰ جسونت راؤ۔ داروغۂ خاص العابدین، افسر مالگذاری ریواجی، سپہ سالار حیدر جنگ اور دیگر

اور جری باپ کا خون دوڑ رہا ہے جس نے اپنی زندگی میں شیروں سے پنجے لڑائے پھر پندرہ سال تک اُسے فنونِ حرب کی تعلیم و تربیت دی جاتی رہی مَیں نے سُنا ہے۔ تربیت کے زمانہ میں اُس نے اپنے استاد شیر جنگ کی سترہ تلواریں توڑ دی تھیں۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ وزیر جنگ شیر جنگ کی زندگی میں کوئی بہادر اُس کی تلوار نہ توڑ سکا تھا۔ ولی عہد غیر معمولی طاقت اور مہارت رکھتا ہے اور اُس کے مقابلے پر وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جس نے شہسواری اور سپہگری میں ویسی ہی مہارت حاصل کی ہو——"

تمام لوگ نہایت خاموشی اور توجہ سے سردار کی بات سُن رہے تھے ایک لمحہ خاموش رہ کر اُس نے کہا۔

"مَیں نے فیصلہ کیا ہے۔ شہزادی اُس کا مقابلہ کرے گی کیونکہ وہ بھی آٹھ سال تک فنونِ جنگ کی مشق کرتی رہی ہے۔"

شہزادی کا نام سُنتے ہی مجمع میں ایک سنسنی پھیل گئی۔ کاشو پھر بجلی کی طرح تڑپ کر اُٹھا۔ "یہ ہماری توہین ہے سردار——! مردوں کے جیتے جی عورتیں مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"

"نہیں یہ ہماری عزت ہے۔ چاند نگر کو بتا دینا چاہتا ہوں۔ خانہ بدوش لڑکیاں بھی بہادروں کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔ کل میری بیس برس کی محنت کا امتحان ہوگا اور اگر شہزادی امتحان میں پوری اُتری تو میرا سر فخر سے اُونچا ہو جائے گا....."

رات کے سناٹے میں سردار جگو کی آواز بادل کی طرح گرج رہی تھی۔

قاسم نصف رات کے قریب جب ملکہ بیگم کی تیمارداری سے لوٹا تو غلام گردش میں بھیل سردار منصور کا کا اس کا منتظر تھا۔ اس نے بتایا سردار جگو اپنے قافلہ کے ساتھ نیلم ندی کے اُس پار ویرانے میں اُترا ہے۔ ولی عہد یہ خبر سُن کر بھونچکا سا رہ گیا پھر اُس کے ذہن کے اُفق پر محبت کے کتنے ہی رنگ بکھرتے چلے گئے۔ دوسری اطلاع یہ تھی۔ کل خانہ بدوشوں کی طرف سے شہزادی صاحبِ عالم کا مقابلہ کرے گی اور اس اطلاع پر وہ یوں اُچھل گیا جیسے اُس پر تلوار سے وار کیا گیا ہو۔

"کیا تمہیں یقین ہے خانہ بدوشوں نے یہی فیصلہ کیا ہے؟"

اور ولی عہد ذیشان کی آمد کا غُل ہُوا۔ تمام لوگ مشتاق نگاہوں سے صدر دروازہ کی طرف دیکھنے لگے۔

پہلے شاہی پھریروں اور رنگ رنگ کے تکونی نشانات کے درمیان نیزوں کے پھل اُٹھائے دستۂ خاص کے سوار نمودار ہوئے اور دو دو کی قطاروں میں صدر دروازہ سے گزر کر میدان میں پہنچے۔ ان کے عقب میں وہ سب عمائدین و اکابرین دکھائی دیئے جو قلعہ میں ولی عہد کی سلامی کے لیے آئے تھے پھر طبل و کوس کی آوازوں میں سپہ سالار حیدر جنگ فوجی دستہ کے ہمراہ پہنچا مگر لوگوں کو جس روئے زیبا کا انتظار تھا وہ نظر نہ آیا۔

ولی عہد فصیل ہی سے اُس عمارت کی طرف مڑ گیا تھا جہاں اُسے لباس بدلنا اور ہتھیار بند ہونا تھا۔

وزراء امراء کے لیے اعلیٰ نشستوں کے اُوپر شامیانے نصب تھے۔ غیر ملکی سفیر اور بیرونی ریاستوں کے معزز مہمان بھی انہی شامیانوں کے نیچے پُرتکلف کرسیوں پر ایستادہ تھے ایک کونہ میں کرنل کلوٹ بھی ریذیڈنسی کے انگریز عملہ کے ساتھ یوں اُداس بیٹھا تھا جیسے ریاستی عوام کی یہ آزادی، مسرت اور سپاہیانہ دِل چسپی بچھو کی طرح اُس کے قلب و ذہن کو ڈس رہی ہو۔

شامیانوں کے نیچے رنگ رنگ کی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ میدانِ چوگان کے چاروں طرف جگہ جگہ ریاست کے قومی پرچم نصب تھے اور ایک آزاد و خود مختار ریاست کے باشندے دِلی مسرتوں کے ساتھ اپنے نئے حکمران کی تخت نشینی کا جشن منا رہے تھے۔

مقابلہ میں شریک ہونے والے بہادروں کے لیے شاہی شامیانوں کے بالمقابل جنوبی سمت قناتوں کی چار دیواری اور رنگین شامیانے کھڑے کیے گئے تھے جہاں وہ اپنے ساتھیوں اور حمایتوں کے ہمراہ پہنچ چکے تھے۔ بڑے بڑے گرانڈیل عظیم الجثہ اور دیو قامت جنگی بہادروں اور شہسواروں کے درمیان جو لوہے کے خود پہنے، زرہ و جوشن میں ملبوس مقابلہ کے لیے تیار بیٹھے تھے خانہ بدوشوں کا سردار جگو بھی اپنی بہادر بیٹی شہزادی۔ سردار سلیمان۔ بونگی۔ کاشو۔ بالی۔ رنگا اور لالو کے ہمراہ موجود تھا۔ باقی خانہ بدوش تمام تماشائیوں میں گھُل مِل گئے تھے۔

تھوڑی دیر قبل جب قرناؤں اور دماموں کی رعد انگیز صداؤں کے درمیان ولی عہد کی آمد کا غُل مچا تھا۔ سردار جگو کی مشتاق اور پیاسی نگاہیں بھی اپنے لختِ جگر کا دیدار

عمائدینِ سلطنت، امرائے دربار، علمائے کرام، پنڈت پروہت اور قاضی۔ منشی اردابیگی باری باری ہاتھ ملاتے اور مبارک باد پیش کرتے گئے۔ سپہ سالار حیدر جنگ کے فوجی دستہ نے سلامی کی رسم ادا کی۔

سترھویں توپ سر ہو رہی تھی جب ولی عہد اپنے کوتل گھوڑے پر سوار وزراء و امراء کے جلو میں قلعہ کے دروازہ سے باہر آیا اور چوگان گاہ کی طرف چل دیا۔

میدانِ چوگان جسے قدیم رومی اور یونانی تماشا گاہوں اور گھوڑ دوڑ کے میدانوں کے نمونہ پر تیار کیا گیا اور جہاں کم و بیش پچاس ہزار تماشائیوں کے لیے زینہ بہ زینہ نشستوں کا انتظام تھا۔ ہجوم خلائق سے اٹا پڑا تھا۔ جس طرف نگاہ جاتی تھی۔ آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ اس میدان کے مشرقی بازو پر ایک دو منزلہ عمارت میں خواتین و بیگمات اور امیر زادیوں کے لیے بالکونیاں بنائی گئی تھیں۔ جہاں جا بجا پردوں کے پیچھے بیٹھ کر وہ بہ آسانی سپہ گری کے مقابلوں سے لطف اندوز ہو سکتی تھیں۔ انہی بالکونیوں میں جن کے سامنے ڈھاکہ کی ململ کے پردے آویزاں تھے ایک بالکونی صرف ملکہ بیگم کے لیے وقف تھی اور وہ اپنی خواصوں اور کنیز خاص مرجینا کے ہمراہ ابھی ابھی عمارت میں داخل ہوئی تھی۔

چاند نگر کی تاریخ میں سپہ گری کے یہ مقابلے اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجوبہ ہی تھے۔ آج تک کسی حکمران نے اپنی تخت نشینی سے قبل بہادروں اور شہسواروں کو مقابلہ کے لیے نہیں للکارا تھا۔ یہ صرف شہزادہ قاسم کی جرأت و شجاعت اور خود اعتمادی تھی جس نے ریاست کے لوگوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔

یہ تقریب کچھ ایسی ہی پُرکشش تھی کہ قرب و جوار سے ہزاروں لوگ دارالحکومت چلے آئے تھے۔ سپہ گری کے مقابلوں کی دلچسپی تو اکثر بہادروں کو ریاست کے دور افتادہ علاقوں سے بھی کھینچ لائی تھی یہ ایک تماشا بھی تھا اور بہادری کا امتحان بھی۔

شہزادہ قاسم کی شہسواری اور فنِ حرب کی دور دور تک دھاک بیٹھی تھی۔ اس لیے مقابلہ کی جرأت صرف گنتی کے چند بہادروں نے کی تھی لیکن تماشا دیکھنے والوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ میدان چوگان میں انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

سورج ابھی نیزے بلند ہوا تھا جب قرنا کی پُرہیبت آواز سے فضا گونج اٹھی،

طبل و دمامہ کی رعد آفریں گرجوں میں لوگوں نے سفید گھوڑے پہ ایک سوار کو بگولے کی طرح صدر دروازے سے گزرتے اور میدان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کے فولادی خود پر قیش کی کلغی ظاہر کر رہی تھی وہ چاند نگر کا بہادر اور جری ولی عہد قاسم ہے لیکن سردار جگوؔ کی نگاہوں کو ایک مرتبہ پھر مایوس ہونا پڑا۔

ولی عہد نے چہرے پہ پٹکا لپیٹ رکھا تھا جسے آہنی جالی نے ڈھانپ لیا تھا پیشانی بھی خود میں چھپ کر رہ گئی تھی۔ چہرے پر صرف اُس کی شعلہ بار آنکھیں اور ستواں ناک ہی نظر آ سکتی تھی۔ کوئی شخص اُسے شناخت نہ کر سکتا تھا۔

اُس نے ایک کنارے پر گھوڑا روکا جو لگام کھینچتے ہی پچھلی ٹانگوں پہ الف ہو گیا۔ اُسے سنبھال کر وہ نیزہ تولنے لگا۔ اُس کا حریف جو ایک طویل قامت اور گرانڈیل سوار تھا، میدان کے دوسرے سرے پر نیزہ سنبھالے تیار کھڑا تھا۔ اس کا چوڑا چہرہ، بڑی بڑی خوفناک آنکھیں، بھاری کلّے اور گچھے دار مونچھیں اُس کی ہیبت آفرینی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ ولی عہد اور اس کے جسم میں ایک اور تین کی نسبت رہی ہوگی آہنی خود اور زرہ و جوشن میں وہ ایک جنگی سورما نظر آ رہا تھا جو تنہا سینکڑوں حریفوں پہ بھاری تھا۔

شاہی نقیب نے اُس کے نام اور مقام کا اعلان کیا پھر میر سپہ گری نے جو دونوں حریفوں کے درمیان ایک سمت ہٹ کر کھڑا تھا ہوائی فائر کیا اور اُس کی آواز کے ساتھ ہی دونوں اس تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف لپکے جیسے کمانوں سے تیر چھوٹتے ہیں۔ گھوڑے ہوا کو پیچھے چھوڑتے چند ہی ثانیوں میں قریب پہنچ گئے۔ سورج کی روشنی میں نیزوں کے پھل کوندے کی مانند چمکنے لگے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو زد میں لے کر وار کیے پھر "زناٹے" کے ساتھ گزر گئے۔ دونوں ہی بڑی صفائی سے وار بچا گئے تھے۔ تھوڑے فاصلے سے گھوڑے پھر موڑ لیے گئے اور اس مرتبہ وہ زیادہ تندی اور وحشت سے حملہ آور ہوئے لوہے سے لوہا ٹکرانے کی آواز بلند ہوئی اور لوگ تڑپ کر رہ گئے ———

ولی عہد کے خوفناک حریف نے فوراً دوسرا حملہ کر دیا تھا۔ شہزادہ ابھی اپنے سفید گھوڑے کو موڑ ہی رہا تھا کہ حریف کا نیزہ اُس کے پہلو میں چمکا اور لوگ سمجھے اب اس کا تیز پھل ولی عہد کی پسلی میں زخم لگائے گا لیکن فوراً ہی لوگوں کو بجلی سی تیرتی دکھائی دی پھر ایک نیزہ فضا میں اُڑتا نظر آیا۔ دوسرے لمحے سارا میدان تالیوں اور خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا۔

کرنے کے لیے دیوانہ وار اُٹھی تھیں وہ اپنی نشست پر جہاں سے دو اڑھائی فرلانگ طویل وعریض میدان کا ہر منظر بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ پاگلوں کی طرح صدر دروازے پر نظریں جمائے مضطرب بیٹھا تھا اس کے جسم پر ایک عجیب سی کپکپی طاری تھی۔ بیس برس کے بعد وہ پہلی مرتبہ اپنے نورِ نظر کو دیکھنے آیا تھا جو ریاست چاندنگر کی تمناؤں کا مرکز اور آزادی کا نشان بن چکا تھا لیکن چند لمحوں کے اضطراب گیر انتظار کے بعد اُس کی نگاہیں مایوس لوٹ آئیں نجانے ولی عہد ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا۔ پھر اس نے شہزادی کی طرف دیکھا جو اس کے پہلو میں اپنے مخصوص قبائلی لباس میں ملبوس بڑے انہماک سے اُن شاہی سواروں کو دیکھ رہی تھی جو خوش رنگ وردیاں پہنے بینڈ کی آواز پر مارچ کر رہے تھے ——— شاید وہ ان سواروں میں اپنے "بہادر" کو تلاش کر رہی تھی۔

لمحہ بھر کے لیے باپ بیٹی کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور عجیب سے حجاب کے ساتھ دونوں نے یوں آنکھیں چرائیں جیسے ان کی چوری پکڑی گئی ہو۔ خاص طور پر شہزادی کی بے چینی نمایاں تھی مگر دونوں ہی ایک دوسرے کی بے تابی و بے قراری سے ناواقف تھے۔ نہ بیٹی باپ کی مسّرت انگیز بے چینیوں کا مطلب سمجھی نہ باپ بیٹی کی لجائی شرمائی آنکھوں کا بھید پا سکا۔ مگر نظریں ملی تھیں تو کوئی نہ کوئی بات بھی ہونی چاہیے تھی۔ جگّو نے کہا۔

"بیٹی ——— ! آج تمہاری بہادری کا امتحان ہے۔ کوئی گھبراہٹ تو نہیں"۔

"نہیں بابا ——— !" شہزادی کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسّم تیر گیا۔" ولی عہد جنگل کے درندوں اور خونی ببروں سے زیادہ طاقتور تو نہیں ہو سکتا"۔

جگّو کے چہرے پر ہنسی کی لہریں تھر تھرانے لگیں۔ اسی لمحے میدان میں شور و غل اُٹھا، فصیل پر قرنائیں پھونکی گئیں جن کی ہیبت آفریں گونج دلوں پر دہشت سی طاری کرنے لگی پھر شاہی شامیانے کے سامنے ایک سوار چبوترے پر کھڑے ہو کر سرکاری نقیب نے بآوازِ بلند ولی عہد ذی شان کی آمد کا اعلان کیا۔

ہزاروں تماشائیوں کے ساتھ سردار جگّو کی بے تاب نگاہیں پھر صدر دروازے پر منڈلانے لگیں اور شہزادی نے بھی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے حریف کو دیکھنے کے لیے آنکھیں اُٹھائیں۔

میدان کا ہر منظر صاف نظر آتا تھا اور وہ دونوں ہی ولی عہد کی مسلسل کامیابی پہ مسرور وشادماں تھیں۔

ملکہ بیگم نے جس "معصوم صحرانورد" کو گود میں لیا اور پرورش کیا تھا آج وہ شہر نشینوں کا محافظ اور چاند نگر کا سب سے بہادر نوجوان ثابت ہوا تھا یہی احساس اُس کی روحانی مسرت کا باعث تھا۔ پھر آج تو اُس کی بیٹی اُسی پالے ہوئے شیر سے مقابلہ کرنے والی تھی۔

جونہی نقیب نے خانہ بدوش لڑکی کا نام پکارا ملکہ بیگم اور مرجینا دونوں احساس نہایت سے کپکپا اُٹھیں۔ مرجینا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ململ کا مہین پردہ ایک طرف کھسکا دیا تاکہ شہزادی کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔ ملکہ بیگم خوشی سے پاگل ہوئی جارہی تھی۔ اگرچہ مرجینا منہ اندھیرے ہی سردار جگنو سے مل آئی اور اُسے رات کے پہلے پہر خفیہ دروازہ سے ملکہ محل میں آنے دعوت دے آئی تھی۔ لیکن ملکہ اس قدر بے تاب و مضطرب تھی کہ اگر اُس کا بس چلتا تو خود اُڑ کر خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر جا پہنچتی اور اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر بیس برس کے ہجر و فراق کا صلہ اُتار دیتی ——— بہر طور یہی وقت ضبط و احتیاط کا تھا۔ معمولی سی لغزش بھی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی تھی ——— ملکہ اور کنیز نے اپنی کانپتی نظریں اُٹھائیں اور دھڑکتے دلوں سے شہزادی کا انتظار کرنے لگیں۔

شہزادی اپنا قبائلی لباس پہنے سیاہ گھنیری زلفوں کو چمڑے کی سُرخ ٹوپی میں چھپائے اور چہرے پر ارغوانی پٹکا لپیٹے ہولے ہولے گھوڑا کداتی میدان میں آئی۔ اس کی رفتار میں وہ تندی اور تیزی نہ تھی جس کا دوسرے شہسواروں نے مظاہرہ کیا تھا بلکہ ان کے برعکس وہ پُرسکون اور مطمئن نظر آرہی تھی اپنی حد پہ پہنچ کر اُس نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور ولی عہد کی طرف نظر دوڑائی جو کافی فاصلہ پر اُس کے بالمقابل کھڑا تھا۔

ہزاروں تماشائیوں کے باوجود میدان پر ایک عجیب سناٹا طاری تھا۔ لوگ دم سادھے اس حیرت انگیز مقابلے کے منتظر تھے ——— ایک خانہ بدوش لڑکی مانے ہوئے شہسوار اور ماہر حرب کے مقابلے پہ نکلی تھی جس نے بڑے بڑے گراںڈیل اور خوفناک سورماؤں کو پچھاڑ دیا تھا۔

خانہ بدوش حسینہ اور ولی عہد کی معرکہ آرائی کا آغاز چوگان سے ہوا۔

شہزادہ نے بان بُوجھ کر گھوڑے کو اس طرح موڑا تھا کہ حریف کا نیزہ اس کے پہلو پر آجائے۔ جونہی مدمقابل آگے بڑھا ولی عہد نے پہلو کاٹ کر اس کے نیزے کو ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گرفت سے نکل کر فضا میں اُڑتا چلا گیا۔ یہ ایک ایسا ماہرانہ حملہ تھا کہ دیکھنے والے دم بخود رہ گئے۔ سردار جگو بے اختیار اپنی نشست پر اُچھل گیا۔ شہزادی حیرت پاش نگاہوں سے دیکھتی ہی رہ گئی۔

پھر یکے بعد دیگرے تین سوار اور آئے اور تھوڑے تھوڑے مقابلہ کے بعد زخم کھا کر رخصت ہو گئے۔ البتہ پانچواں حریف جو قدوقامت اور ڈیل ڈول میں شہزادہ کے برابر تھا سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ وہ نیزہ بازی میں حیرت انگیز مہارت رکھتا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے۔ بعض اوقات حریف شہزادہ کو دباتا اور رگیدتا ہوا دور تک چلا گیا اور لوگ اس شبہ میں مبتلا ہو گئے۔ شاید وہ ولی عہد کو مات دینے اور زخم لگانے میں کامیاب ہو جائے لیکن قاسم نے ایک مرتبہ بھی اس کا نیزہ اپنے جسم سے چھونے نہ دیا بلکہ چند حملوں کے بعد اُس نے حریف کے شانے کو چھید ڈالا اور وہ نیزہ پھینک کر تلوار سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔

قاسم نے بھی تلوار نکال لی لیکن اس فن میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ چند ہی پینتروں کے بعد اس نے اپنے مدمقابل کو بے بس کر دیا اور اس کی تلوار توڑ ڈالی پھر اس کے جسم پر دوسرا زخم لگانے ہی والا تھا کہ حریف نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مقابلے سے بھاگ نکلا۔ —— لوگوں نے قیامت کا شور اُٹھایا اور فضا "زندہ باد" کے نعروں سے گونجنے لگی۔

اچانک نقیب نے خانہ بدوشوں کے سردار جگو کی بیٹی شہزادی کے مقابلہ کا اعلان کیا اور میدان میں گویا ایک قیامت سی بپا ہو گئی۔ لوگ شاید اسی مقابلہ کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے پگڑیاں اُچھالیں، رومال اُڑائے، تالیاں پیٹیں اور چیخ چیخ کر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔

میدان چوگان کے مشرقی پہلو میں چوبی بالکونیوں کے مہین پردوں میں کئی لہریں اور سرسراہٹیں پیدا ہوئیں جہاں چاندنگر کی بیگمات، خواتین اور امیرزادیاں سرخ و سفید پردوں کے پیچھے سپہ گری کے مقابلے دیکھ رہی تھیں۔ درمیانی بالکونی میں جس کے باہر شاہی خواصیں کھڑی تھیں۔ ملکہ بیگم اور اس کی کنیز خاص مرجینا کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ یہاں سے

کی ۔ ملکہ بیگم نے ایک جھرجھری سی لی ۔ اسے خیال آیا کہ ساتھ والی بالکونی میں جعفر کی بہن زمانی بیگم اپنی خواصوں کے ساتھ موجود ہے ۔ یقیناً اُس حرّافہ کے کان اسی سمت لگے ہوں گے ۔

اتنے عرصے میں قاسم اور شہزادی دونوں دوسرے مقابلہ کے لیے تیار ہو چکے تھے ۔

تماشائی اگرچہ خانہ بدوش حسینہ کی شہسواری اور نشانہ کی حیرت انگیز مہارت کا مظاہرہ کر چکے تھے پھر بھی ان کے نزدیک یہ بات تعجب خیز ہی تھی کہ اُس نے ولی عہد ایسے اعلیٰ شمشیر زن کے مقابلہ پر تلوار ہی کو پسند کیا تھا ۔

لوگوں کا خیال تھا وہ گھوڑے کی سواری اور چوگان میں بے شک ولی عہد کے برابر اُتری ہے لیکن تیغ زنی میں اُس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گی لیکن جب مقابلہ شروع ہوا لوگ حیرت سے ہونٹ کاٹنے لگے ۔ شہزادی ایک ماہر شمشیر زن کی مانند اپنے حریف کا ہر وار روکتی اور خود بھی ضرب لگاتی تھی ۔ گھوڑا اس کے اشارے پر حرکت کر رہا تھا اور وہ جدھر چاہتی اُسے بہ آسانی موڑ لیتی تھی اگرچہ اُس کی پُشت پہ ایک بڑے کچھوے کی کھوپڑی کی ڈھال موجود تھی جس پہ تیندوے کی سخت ترین کھال منڈھی ہوئی تھی اس کے باوجود اس نے ایک مرتبہ بھی ڈھال کی ضرورت محسوس نہ کی ۔

قاسم اس کے مقابلے پہ کچھ اُلجھن سی محسوس کر رہا تھا ۔ دونوں اس قدر قریب تھے کہ بخوبی ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ سکتے تھے ۔ ان کے ہونٹوں کے درمیان صرف تلواروں کا فاصلہ تھا ۔ شہزادہ جانتا تھا وہ اس وقت کس سے نبرد آزما ہے ۔ شاید یہی بات اُس کے آڑے بھی آ رہی تھی ۔ ایک مرتبہ تو وہ کچھ ایسا کھو گیا کہ اگر عین وقت پر گھوڑا ہی پہلو نہ بچا گیا ہوتا، تو شہزادی کی تلوار اُس کی پسلی میں زخم لگا چکی ہوتی ——— اس منظر کو دیکھ کر لوگوں کے کلیجے دھک سے رہ گئے ۔

دونوں کی آنکھیں بار بار چار ہوئیں ۔ ولی عہد شہزادی کی سحر انگیز سرمگیں آنکھوں میں ڈوب کر اُبھرتا رہا لیکن خانہ بدوش حسینہ نے ایک مرتبہ بھی اس کی آنکھوں سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کی ۔ البتہ ایک دفعہ جب ولی عہد اُسے گھور رہا تھا ۔ شہزادی نے اُن آنکھوں کو تعجب اور حیرت سے ضرور دیکھا تھا جیسے وہ پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو ۔ اس پر بھی وہ اپنے حریف سے غافل نہ تھی ۔ اس نے اپنی جھنجھلاہٹ کا اظہار اوچھے وار سے کیا جسے شہزادہ نے تلوار پر روکا ۔ پھر دونوں تلواریں "جھنن .... سنن ......" کی آواز کے ساتھ ٹکرائیں اور اُلجھ گئیں ۔ قاسم جان چکا تھا شہزادی اس سے خائف نہیں ۔

میدان کے وسط میں دو گیندوں کو آگ دکھائی گئی۔ پھر میر سپہ گری پلکتا ہوا پیچھے ہٹا اور اس کے اشارے کے ساتھ نقارے پہ چوٹ پڑی۔ دونوں حریف نیزے تان کر سنبھل گئے۔ گھوڑے بھی اپنے سواروں کو ہوشیار پا کر کنوتیاں بدلنے لگے جس وقت میر سپہ گری نے بندوق داغی دونوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور اُنہیں سرپٹ چھوڑ دیا۔

تماشائیوں میں ایک بے چینی اور سنسنی سی پھیل گئی۔

دو تیر تھے جو بیک وقت کمانوں سے چھوٹے، دو بجلیاں تھیں جو ایک ساتھ کوند گئیں۔ چند ہی لمحوں میں دونوں ایک ساتھ میدان کے وسط میں پہنچے۔ نیزوں کے پھل زمین کی طرف جھکائے اور خود گھوڑوں کی گردنوں پہ جھکے جھکے عقابوں کی طرح سلگتی گیندوں پر جھپٹے۔ گھوڑوں نے میدان کے وسط میں پہنچ کر لہر بھری ٹھیک اُسی لمحے سواروں نے بجلی ایسی تیزی سے نیزوں کو حرکت دی اور سلگتی گیندوں کو انیوں میں اُڑس کر بگولوں کی طرح ایک دوسرے کے پاس سے گزر رہے۔

دونوں گیندیں اُن کے نیزوں کے پھلوں پر سلگنے لگیں اور وہ اُنہیں فضا میں لہراتے مخالف سمتوں میں نکل گئے۔ جونہی گیندیں زمین سے اُٹھ کر ان کے نیزوں پہ بلند ہوئیں تماشائیوں نے بیک زبان نعرۂ تحسین بلند کیا پھر وہ شور و غل مچا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ سب سے حیران کن خانہ بدوش حسینہ کی شہسواری کا انداز تھا جس نے بڑے بڑے سواروں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

میدانِ چوگان کی بالکونیوں میں باریک پردوں کے پیچھے کتنی ہی نسوانی چیخیں اور سسکیاں تڑپ کر رہ گئیں۔

ملکہ بیگم کی بوڑھی آنکھوں میں بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ پھر اُس کے ہونٹ کپکپائے۔

"سردار جگو نے ہمارے لیے چاندبی بی تیار کر دی۔"

یہ کہتے کہتے بوڑھی بیگم کی پلکوں پہ پانی کے قطرے تھرتھرانے لگے۔ جوشِ مسرت سے مرجینا کی حالت بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔ ناگہاں ملکہ نے رومال سے آنکھیں صاف کیں اور کانپتے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی۔

"مرجینا ——— ! تم نے سردار جگو کو تاکید تو کر دی تھی تا کہیں وہ آج رات بھول نہ جائے۔"

کنیز نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھی اور اشارے سے مالکن کو خاموش رہنے کی تاکید

سائے ڈھلنے لگے اور اب صرف چند لمحے باقی رہ گئے تھے جب یہ مقابلہ کسی فیصلہ کے بغیر ختم ہو جاتا کیونکہ شمشیر زنی کے مقابلہ کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک پہر کا وقت مقرر کیا گیا تھا اور یہ وقت تھوڑا نہ تھا۔ دونوں کو لڑتے ہوئے کم وبیش ایک پہر ہونے والا تھا اور اس دوران میں ایسا بہادر نوجوان جو متعدد سورماؤں کو پچھاڑ چکا تھا ایک لڑکی کو زیر نہ کر سکا۔

اُس نے آخری کوشش کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ وہ اپنے تمام گُر آزما چکا تھا مگر شہزادی کی تلوار ہَوا میں اُڑ سکی نہ کوئی زخم لگا۔ اب اس کی آخری کوشش یہ تھی وہ اپنی حریف کی تلوار توڑ دے۔ اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے قوتِ بازو کا مظاہرہ ضروری تھا۔ اس نے تین چار جچے تلے ہاتھ مارے مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ لوہا لوہے سے بجتا رہا۔ اس کا پانچواں ہاتھ ——— اُسے یقین تھا یہ وار یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہو گا اُس نے پُوری قوت سے تلوار ماری۔ یہ ایسی ضرب تھی کہ اگر کسی کے سَر پر پڑی ہوتی تو فولاد کا خود کاٹتی اور کھوپڑی کو چیرتی نکل جاتی ———

شاہی بالکونی میں ملکہ بیگم پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی۔

یک لخت فضا میں ایک تیز جھنجھناہٹ اُبھری، ساتھ ہی ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک پھل ہَوا میں اُڑتا چلا گیا لیکن وہ لمحہ انتہائی مبہوت کُن تھا جب قاسم نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں صرف دستہ ہی باقی رہ گیا ہے اُس کی اپنی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔

اِس خلافِ توقع حادثہ سے اُسے دانتوں پسینہ آگیا۔ پھر اُس کا ہاتھ بجلی کے کوندے کی طرح حرکت میں آیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ شہزادی کا بازو اُٹھ چکا ہے۔ اُس نے پلک جھپکنے کے وقفہ میں دوسری تلوار نکال کر خانہ بدوش لڑکی کا وار روکا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ تماشائی دم بخود رہ گئے۔ جب دوسری مرتبہ تلوار تلوار سے ٹکرائی اور چھنا کا پیدا ہُوا بے اختیار سارا میدان تحسین و آفرین کے نعروں سے گونج اُٹھا اور لوگوں نے چلّا چلّا کر دلی عہد کی پھرتی اور ہوشیاری کی داد دی ورنہ ایسے مواقع پر تلوار کے ساتھ انسان کے ہوش و حواس بھی اُڑ جاتے ہیں اور وہ مکمل طور پر حریف کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔

شہزادی کی تلوار سیدھی اُس کے سینے کی طرف آئی تھی۔ یقیناً وہ جیت جاتی اگر قاسم حیرت انگیز پھرتی اور تیزی کے ساتھ دوسری تلوار نکال کر اس کا وار نہ روک لیتا۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہُوا اور انتہائی سنسنی خیز تھا۔

شہزادی کے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ اُسی لمحہ قرنا کی رعد انگیز آواز گونجی۔ یہ

اس نے اپنا مخصوص وار چلانے کے لیے شہزادی کی تلوار پر پورا دباؤ ڈال دیا۔ اس کے بعد ایک ہی جنبش جو بجلی ایسی تیزی کے ساتھ عمل میں آئے گی اس کی تلوار کو ہوا میں اڑا دے گی لیکن قاسم کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ خانہ بدوش لڑکی نے پوری قوت سے اس کے دباؤ کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ خود اسے دباتی چلی گئی۔ شہزادہ کو محسوس ہوا۔ اس کے بازوؤں میں ایک مرد کا مقابلہ کرنے کی پوری قوت موجود ہے۔ پھر دوسرا مرحلہ تو انتہائی خطرناک ثابت ہوا۔ اگر وہ تیزی سے اپنا ہاتھ پیچھے نہ ہٹا لیتا تو خود اس کی اپنی تلوار ہوا میں اڑتی نظر آتی کیونکہ عین اسی لمحے شہزادی نے بھی وہی حربہ استعمال کیا جسے وہ آزمانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ بال بال بچا۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایک طرف موڑ کر ہلکی سی لہر بھری اور نئے انداز سے حملہ کرنے کی سوچنے لگا۔

اتنے عرصے میں تو اس نے چھ بہادروں کی تلواریں بے کار کر دی تھیں لیکن شہزادی بدستور مقابلے پر ڈٹی ہوئی تھی۔

اب وہ اسے ہراساں کرنے پر اتر آیا ——— ”بچو ——— یہ وار کاری ہو گا۔“

مگر وہ مسکرا کر رہ گئی اور بڑے اطمینان سے اس کے وار روکتی رہی جو یقیناً بڑے مہلک تھے۔ اس نے سوچا اپنی حریف کو مشتعل کرنا چاہیے۔ اشتعال میں وہ ضرور کوئی ایسی حرکت کر گزرے گی جو فائدہ بخش ہو لیکن معلوم ہوتا تھا خانہ بدوش لڑکی نے مشتعل ہونا سیکھا ہی نہیں وہ اس کے سامنے ٹھنڈے لوہے کی دیوار بن کر کھڑی تھی۔

قاسم نے اس تیزی کے ساتھ پے در پے وار کیے کہ تماشائیوں کے سانس تک رکنے لگے انہوں نے محسوس کیا اب لڑکی زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے گی۔

تھرتھراتے اور لہراتے ہوئے پردہ کے پیچھے خود ملکہ بیگم اپنے ”بیٹے“ کی وحشت پر کانپ اٹھی مگر اس کا کوئی وار کارگر نہ ہو سکا۔ سردار جگو کی تربیت یافتہ لڑکی بڑی صفائی سے ہر وار تلوار پر روکتی رہی۔

”کھٹ .... کھٹ .... ٹن .... ٹن ....“ کی آواز کے ساتھ لوہا لوہے سے ٹکراتا رہا۔ لوگ دم سادھے۔ سانس روکے اس حیرت انگیز لڑائی کو دیکھتے رہے جو انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ قاسم کے بازو شل ہو گئے اور وہ سمجھ گیا اس کی حریف اسے کوئی موقع نہیں دے گی۔ شمشیر زنی میں وہ کسی طرح بھی شہزادہ سے کم نہ تھی۔

ملکہ بیگم کا یہ اندازہ کچھ غلط نہ تھا۔

رات کے اندھیرے میں نیلم ندی کے اُس پار ویرانے میں بیسیوں چراغ روشن تھے اور اُن کی لوئیں ہوا کے جھونکوں سے آنچلوں کی طرح لرز رہی تھیں۔

چاند نگر روشنیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ ولی عہد کے جشنِ میلاد پر سارے شہر میں چراغاں ہو رہا تھا اِدھر نیلم ندی کے ویرانہ میں خانہ بدوش بھی پہلی مرتبہ شہزادی کی سالگرہ منا رہے تھے۔ لڑکیاں مِل کر گا رہی تھیں۔ بنجارے تاڑی کے نشہ سے مدہوش ہو رہے تھے اور ٹھیک اُسی وقت سردار جگو اپنے اونچے خیمہ کے اندر شہزادی کو مبارک باد دے رہا تھا۔

خیمہ کے اندر وہی دونوں تھے یا وہ لالٹین جو ایک بانس کے ساتھ لٹک رہی تھی اور جس کی زرد روشنی میں ان کے چہروں کے خطوط کچھ اور گہرے ہو گئے تھے سردار جگو نے بیٹی کے سَر پہ ہاتھ رکھا اور کہا۔

"آج میں کس قدر خوش ہوں؛ شاید تم اس کا اندازہ نہ لگا سکو۔ تم نے میری محنتوں کا صلہ بخش دیا ہے"۔

"بابا ——— ! اس امر کا بہت افسوس ہے میں ولی عہد کی صورت نہ دیکھ سکی"۔

سردار حسرت بھرے لہجے میں بولا۔ "اُسے دیکھنے کی تمنّا تو میں بھی رکھتا تھا لیکن تمنّا پوری نہ ہوئی"۔

"لیکن ولی عہد کی آنکھیں .... ٹھہرو بابا ——— ! ...."

یہ کہہ کر شہزادی نے سردار جگو کا سُرخ پٹکا اُٹھا کر جلدی سے اُس کے چہرے پر کچھ اس طرح لپیٹ دیا کہ صرف ناک اور آنکھیں نظر آ سکیں۔

"یہ کیا کر رہی ہو پگلی ——— !"

اور شہزادی تحیّر خیز آواز میں بولی۔

"میرا اندازہ بالکل ٹھیک نِکلا ——— بابا ——— ! ولی عہد کی آنکھیں ہو بہو تم سے مِلتی تھیں۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر مجھے تمہاری آنکھیں یاد آ گئی تھیں ہے نا عجیب بات"۔

سردار جگو ایک لمحہ کے لیے کانپ اُٹھا پھر اُس نے چہرے سے پٹکا ہٹایا اور بولا۔

مقابلہ ختم ہونے کا اعلان تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے گھوڑوں کی باگیں موڑیں اور اپنے اپنے مقام کی طرف چل دیئے۔ سارا میدان تالیوں اور نعروں کے شور سے گونج رہا تھا۔ خانہ بدوش دیوانگی کے عالم میں از خود رفتہ ہو کر اچھل کود رہے تھے۔

شہزادی نے واقعی اُن کے سر فخر سے اُونچے کر دیئے تھے اور سردار جگو کے پہلو میں بیٹھا ہُوا کاشو جسے اپنی بہادری پر بڑا گھمنڈ تھا اُس وقت یہی سوچ رہا تھا۔ اگر وہ ولی عہد کے مقابلہ پر نکلتا تو یقیناً کبھی کا ناکام ہو کر لوٹ چکا ہوتا۔ قاسم نے جس فنّی مہارت اور قوت کے ساتھ وار کیے تھے انہیں روکنا کاشو کی قدرت سے باہر تھا۔ اب اسے سردار جگوّ کی قوّتِ فیصلہ پر مسّرت ہو رہی تھی۔

شہزادی جونہی شامیانہ کے قریب پہنچی سردار جگوّ نے لپک کر اُسے جا لیا اور خود سہارا دے کر گھوڑے سے اُتارا۔ وہ کس قدر خوش اور نازاں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جوشِ مسّرت سے اُس کا خون بارُود کی طرح پھٹ جائے گا۔

لڑکی ——— "بابا" ——— کہہ کر باپ سے لپٹ گئی اور بوڑھے خانہ بدوش کے ہونٹ اس کی پیشانی پر تھر تھراتے چلے گئے۔ اسی لمحے بے شمار لوگوں کا ہجوم مختلف سمتوں سے خانہ بدوش حسینہ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بڑھا لگا اور اگر سپاہی اپنے گھوڑے دوڑاتے فوراً ہی مداخلت کے لیے نہ پہنچ جاتے تو شاید باپ بیٹی اُس ہجوم سے نکل ہی نہ سکتے۔

فوجی مقابلوں کی تقریب بخیر و خوبی ختم ہو گئی۔ اب رات کو ولی عہد کی بیسویں سالگرہ پر جشنِ چراغاں تھا اور دوسرے روز تخت نشینی کی تقریب۔

ملکہ بیگم جب جھروکہ سے اُٹھی فرطِ مسّرت سے اُس کے بدن کا ہر حصّہ کانپ رہا تھا اور اُس کی آواز بھی تھر تھرا رہی تھی ———

"وہ چاند بی بی سے زیادہ بہادر ہے مرجینا ——— ! چاند نگر کو بلاشبہ ایسی ہی ملکہ کی ضرورت ہے۔ اس کامیابی کے بعد اگر میں اعلان کر دوں کہ ولی عہد کی شادی خانہ بدوش لڑکی سے کی جائے گی تو کون مخالفت کرے گا ——— شاید کوئی بھی نہیں۔ اُس نے چاند نگر کے ولی عہد کو جیتا ہے۔"

"بابا ! ہیرے جواہرات تو شہزادیوں کو میسّر آتے ہیں - میری ماں نے یہ ہار کہاں سے لیا تھا —— بتاؤ بابا —— ! تم بولتے کیوں نہیں ...... کیا سوچنے لگے ؟"

سردار جگو واقعی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا - مگر فوراً ہی اُس نے خود کو سنبھال لیا اور غمزدہ آواز میں بولا -

" پرانے زخم کریدا نہیں کرتے بیٹی ! ہار دیکھ کر نجانے تم کیا سوچنے لگیں لیکن یہ چوری کا مال نہیں "-

" خانہ بدوشوں کی بیویوں کے پاس ہیرے جواہرات نہیں ہوتے بابا ! سچ بتاؤ میری ماں کون تھی ؟"

" خاموش ہو جاؤ -"

" بابا —— ! جب کبھی ماں کے بارے میں پوچھتی ہوں تم ٹال جاتے ہو بتاتے کیوں نہیں - کیا تم ماں سے ناراض تھے —— کیا اُس نے تمہیں کوئی دکھ دیا تھا ؟"

" میں اس سے کیوں ناراض ہوتا وہ تو میری رُوح تھی - میں نے اس کے بعد دوسری شادی کا تصور ہی نہیں کیا حالانکہ جب زینو فوت ہوئی میری عمر بمشکل تیس سال کی ہو گی - میں جوان تھا اور سردار سلیمان مجھے اپنی بڑی لڑکی کا رشتہ دینے پہ آمادہ تھا مگر تمہارے باپ نے زینو کی یاد کو دل سے اور تمہیں اپنے سینہ سے لگایا اور عمر کے بیس سال گزار دیئے... اس سے زیادہ میں اور کیا کر سکتا تھا بس اب مجھ سے اور کچھ نہ پوچھو "-

سردار کے قلب و ذہن پہ ایک عجیب سی لرزش تھی - وہ کپکپاتی آواز میں بولا -

" میں کچھ دیر کے لیے باہر جاؤں گا - تم چاہو تو آرام کر و اور جی چاہے تو اپنی سالگرہ کا جشن دیکھو - روشنی بہت عمدہ ناچ رہی ہے - تم اس کی پائل کی جھنکار سن رہی ہو نا ؟"

رات کے تاریک اور خاموش پروں پہ اُڑتی مدھم سے شور کی آواز خیمہ میں بھی سُنائی دے رہی تھی - اس شور میں پائل کی جھنکار بھی شامل تھی جو بار بار رُکتی ، ٹوٹتی اور بکھرتی معلوم ہوتی تھی - ڈیرے سے کچھ فاصلہ پہ جہلم ندی کے کنارے خانہ بدوشوں کا جمگھٹا لگا تھا اور اس جمگھٹے میں خانہ بدوش رقاصہ روشنی رقص کے جادو بکھیر رہی تھی -

شہزادی کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا وہ بھی رقص سے محظوظ ہونا چاہتی ہے مگر اُس کی زبان تو جیسے گنگ ہو چکی تھی - اس نے صرف آنکھوں کی زبان سے گفتگو کی سردار پھر

"آج تم پاگلوں کی سی حرکتیں کیوں کرنے لگیں ——— وہ ایک ریاست کا ولی عہد، نواب فرخ کا بیٹا اور میں ایک غریب خانہ بدوش"۔

"نہیں بابا ——— ! میں قسم کھا کر کہتی ہوں، ولی عہد کی آنکھیں ہو بہو تم سے ملتی ہیں۔ نہ صرف آنکھیں بالکل ناک بھی"۔

"کیا اپنے ساتھ مجھے بھی پاگل کر دو گی ؟"

یہ کہہ کر سردار ہولے سے ایک طرف گھوم گیا اُس نے جُھک کر لکڑی کا ایک صندوق کھولا اور اندر سے کپڑے میں لپٹا ہوا ہاتھی دانت کا ایک خوب صورت ڈبّہ نکالا۔ شہزادی حیرت و تعجب سے اُسے دیکھنے لگی۔

"یہ کیا ہے بابا ——— !"

"تمہاری ایک امانت"۔

"میری امانت ؟"

"ہاں ——— بیس برس سے اس کی حفاظت کر رہا ہوں"۔

یہ کہہ کر سردار نے ہاتھی دانت کے صندوقچہ کا ڈھکنا اُٹھا دیا اور لالٹین کی روشنی میں ہیرے جواہرات سے مرصع ایک ست لڑا ہار جھلمل جھلمل کرنے لگا جس کی چمک دمک نے شہزادی کی آنکھیں چندھیا دیں وہ حیرت پاش نظروں سے اُس ہار کو دیکھتی رہ گئی۔ سردار جگّہ نے اُس کے تحیّر کو بھانپ لیا اور بولا۔

"بیس برس پہلے جب تم نے جنم لیا تو تمہاری ماں نے مرنے سے پہلے یہ ہار میرے سپرد کیا اور کہا تھا۔ جب میری بیٹی بیس برس کی ہو جائے ہار اُسے میری طرف سے پہنا دینا یہ مجھ بدنصیب کی آخری نشانی ہے آج تم ٹھیک بیس سال کی ہو چکی ہو اس لیے تمہاری ماں کی آخری نشانی تمہارے سپرد کرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر سردار نے ہار بیٹی کی طرف بڑھا دیا۔

"ماں کی آخری نشانی ...... مگر پہلے تو کبھی تم نے اس ہار کا ذکر نہیں کیا"۔

"اس کی ضرورت نہ تھی اور تم جانتی ہو میں بے موقع بات کرنے کا عادی نہیں"۔

شہزادی کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے ہار تھام لیا۔ سُرخ و سفید اور نیلے پیلے جواہرات سے کرنیں سی پھوٹنے لگیں۔

(۱۲)

ولی عہد قاسم کی بیسویں سالگرہ پر چاند نگر بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

ایسا عظیم الشان چراغاں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ چاروں طرف روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ کوئی کوٹھک، کوئی عمارت، کوئی مکان، کوئی جھونپڑا ایسا نہ تھا جہاں چراغ نہ جل رہے ہوں۔ حتیٰ کہ انگریزی ریذیڈنسی کی عمارت پر بھی چند چراغ روشن تھے جن کی میلی سی مدھم روشنی اس عالی شان عمارت میں یوں لگ رہی تھی جیسے کمپنی سرکار کے ارمان جل رہے ہوں۔

واقعی یہ چراغ نہ تھے کرنل کلوٹ کے دلِ صد چاک کے داغ تھے جن کی نمائش ضروری سمجھی گئی تھی۔

یوں تو چاند نگر آج رات "روشنیوں کا شہر" بن گیا تھا۔ لوگ باگ، لڑکے بالے چراغاں کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے گھروں سے نکل آئے تھے۔ ہر کوچہ و بازار میں ہاؤ ہو کا شور جاگ رہا تھا لیکن ریذیڈنسی کی منڈیروں پر گنتی کے چند چراغ اس ماحول کی وحشت میں اضافہ کر رہے تھے۔

اچانک تاریکی میں دو پُراسرار سائے ایک غلام گردش سے نکل کر احاطے میں آئے

رُک گیا۔

"مَیں تاکید کرتا ہوں اس ہار کی حفاظت ہر حال میں ضروری ہے غفلت اور لاپروائی نہ کرنا ——— یہ تمہاری ماں کی امانت تھی ......"

پھر اس نے بوجھل قدم اُٹھائے اور چیونٹی کی سی رفتار سے چلا۔ شہزادی جانتی تھی۔ زنیو کی یاد بڑی شدت کے ساتھ اُبھری ہے اور کیا عجب وہ اس کی قبر کے آس پاس ویران کھنڈر میں گھومتا رہے اور ساری رات جاگ کر گزار دے۔ اُس نے بڑی مدھم آواز میں پوچھا۔

"بابا ——— ! کب تک لوٹ آؤ گے؟"

"میرا انتظار نہ کرنا بیٹی! شاید آج دیر سے آؤں"۔

یہ کہہ کر چُپ چاپ خیمے سے باہر نکل گیا۔ شہزادی ہار تھامے ہولے ہولے دروازے پر آئی اور اندھیرے میں سردار کو گم ہوتے دیکھنے لگی۔

وہ چراغوں کی تھرتھراتی ہوئی روشنیوں سے بچتا خیموں اور مرسلوں کے جھونپڑوں کی اوٹ لیتا تیزی سے کھنڈر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ کچھ دُور تک شہزادی کو اُس کا سایہ نظر آتا رہا۔ پھر وہ سیاہ دھبّہ میں منتقل ہو کر اندھیرے میں گھُل مِل گیا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ شہزادی کے دِل میں درد کی ایک لہر اُٹھی اُس کا جی چاہا وہ لپک کر جائے اور بابا کا ہاتھ پکڑ کر واپس لے آئے۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا۔ کہیں بابا رات کے اندھیروں میں گم نہ ہو جائے۔ بس ایک عجیب سا احساس تھا جس نے اُس کے قلب و ذہن کو جکڑ لیا تھا اور وہ پتھر کی طرح ساکت وصامت کھڑی نجانے کیا کیا سوچتی رہی۔ پھر یک لخت شور و غل نے اس کی محویت توڑ دی۔

خانہ بدوش چراغوں اور مشعلوں کی روشنی میں مصروف ناؤ نوش تھے اور انہوں نے رو شنی کے رقص پر بیک زبان تحسین و آفرین کے نعرے لگائے تھے۔

شہزادی نے ہار اپنی صدری کے اندر چھپا لیا اور چراغوں کی تھرتھراتی روشنیوں کے درمیان جن میں بعض بجھ چکے تھے اور بعض بجھنے کے لیے بھڑک رہے تھے ایک رُوح کی طرح ہولے ہولے چلتی نیلم ندی کی طرف بڑھنے لگی۔ جھونپڑوں کے اندر بعض عورتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں شاید وہ اپنے بچّوں کو سُلا رہی تھیں۔

جعفر ریذیڈنٹ کو مطمئن کرنے لگا ـــــــ! "محل کے تمام پہریدار جشن منا رہے ہیں۔ میں نے اُن کے لیے بہترین شراب مہیا کی ہے۔ تین خوب صورت لڑکیاں بھی کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ چکی اور اُن کا دِل بہلا رہی ہیں۔ وہ اس وقت تک بے ہوش ہو چکے ہونگے۔ میں نے محل کا خفیہ راستہ بھی تلاش کر لیا ہے۔ ایڈگر اسی راستے اندر داخل ہو گا۔ میرے جانباز جگہ جگہ اس کی حفاظت پر مامور ہوں گے۔ کام مکمّل ہونے کے بعد اُسے بحفاظت باہر نکال دیا جائے گا ـــــــ آپ سمجھ گئے نا؟"

"یہ ٹھیک ہے پھر بھی احتیاط لازمی ہے۔ تم خود جانتے ہو ایک غیر ملکی آدمی کا کسی ایشیائی حکمران کی خواب گاہ میں داخل ہونا کس قدر خطرناک ہے۔ وہ انگریز ہے اور اگر دیکھ لیا گیا تو قیامت آجائے گی۔ اس لیے ایڈگر کو بچانا تمہارا فرض ہے۔"

"رات کی دوسری نوبت کے وقت ایڈگر اِسی عمارت میں واپس پہنچ چکا ہو گا۔"

ابھی جعفر نے فقرہ پورا ہی کیا تھا کہ تیسرا سایہ غلام گردش سے نکل کر اُن کے قریب پہنچ گیا۔ وہ سیاہ اور چُست لباس میں تھا جو کھال کی مانند اُس کے جسم سے پیوست ہو گیا تھا اندھیرے میں اس کی خوفناک آنکھیں افریقی چیتے کی طرح چمک رہی تھیں۔

یہ انگلستان کا خطرناک مجرم ایڈگر ہنری تھا جسے لندن کے لوگ "مسٹر بلیک" کے نام سے جانتے اور کانپتے تھے۔

چاند نگر کے ولی عہد کو ٹھکانے کے متعدد منصوبوں کی ناکامی کے بعد کرنل کلوٹ کی نگاہِ انتخاب مسٹر بلیک پر پڑی جو لندن سے ایک ہندوستانی مہاراجہ کا تعاقب کرتا ہوا اتفاقاً بمبئی پہنچا تھا اُسے مہاراجہ کے ہیروں کی بجائے کرنل کلوٹ کے پیغام میں زیادہ کشش نظر آئی اور وہ اُڑتا ہوا چاند نگر پہنچا۔ کسی زمانہ میں ایڈگر ہنری اور کرنل کلوٹ اکٹھے ہی تعلیم پاتے تھے۔ جب انہوں نے عملی دُنیا میں قدم رکھا تو ایک ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں بھرتی ہو کر برصغیر آ پہنچا دوسرے نے جرائم کی زندگی اختیار کر لی اور "مسٹر بلیک" کے نام سے شہرت پائی۔

ایک دوست نے دوسرے دوست یا ایک ڈاکو نے دوسرے ڈاکو کی ضرورت کو محسوس کیا اور دس ہزار پونڈ پر معاملہ طے پا گیا۔

دراصل کرنل کلوٹ اب جعفر یا اس کے حواریوں پر اعتبار نہ کر سکتا تھا وہ ہر قیمت پر چاند نگر کی آزادی کو لوٹنے پر تُل چکا تھا۔ ولی عہد کے سَر کی قیمت مقرر ہوئی اور ایڈگر ہنری

اور ہولے ہولے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے جہاں قندیل کی مُردہ سی روشنی میں ادھیڑ عمر انگریز پہریدار بندوق اُٹھائے کھڑا تھا۔ اس نے بھی سایوں کو آتے دیکھ لیا اور کسی قدر چاق و چوبند ہو گیا لیکن سائے گیٹ کی طرف بڑھنے کی بجائے سرو کے اُونچے درختوں کے پاس رُک گئے جہاں وہ بالکل سیاہ دھبّے سے بن کر رہ گئے پھر ایک سایہ نے اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"ہم یہیں ایڈگر کا انتظار کرتے ہیں۔"

یہ آواز جانی پہچانی اور انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ کے سوا اور کسی کی نہ تھی ایک لمحہ خاموش رہ کر وہ پھر کہنے لگا۔

"جعفر —— ! یاد رکھو زندگی میں پہلی مرتبہ میں یہ بھیانک خطرہ تمہارے لیے مول لے رہا ہوں —— محض تمہارے لیے۔۔۔۔۔"

دوسرا سایہ چاند نگر کا وزیرِ سلطنت جعفر تھا۔ اس نے کہا۔

"مجھے آپ کی مسلسل مہربانیوں کا احساس ہے کرنل ! میں نے بھی کمپنی کی خاطر کئی مرتبہ جان کی بازی لگائی ہے۔"

"مگر جیت کبھی نہ سکے ——"

"تقدیر —— کرنل ! میری تقدیر ۔۔۔۔۔۔۔۔"

"تمہاری تقدیر کہیں آج بھی کوئی پیچ نہ ڈال دے۔"

"نہیں —— آج تقدیر کو ہماری تدبیر کا ساتھ دینا پڑے گا۔"

ریذیڈنسی کی دوسری منزل کے برآمدہ میں ایک اور سایہ نمودار ہُوا پھر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ کرنل کلوٹ نے اُسے دیکھ لیا تھا۔ وہ جعفر سے مخاطب ہُوا۔

"ایڈگر انگلستان کا خونخوار ترین آدمی ہے اور کبھی ناکام نہیں ہوا۔ وہ اپنے شکار کو مہیب دیواروں کے اندر بھی جا لیتا ہے آج تک بیس سے زیادہ خون کر چکا ہے۔ وہ پونس کو بھی ٹھکانے لگا دے گا مگر اس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔ ایڈگر کی آمد صیغۂ راز میں رکھی گئی ہے۔ میں کل ہی اُسے لندن روانہ کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ دس ہزار پونڈ پیشگی وصول کر چکا ہے۔"

"فکر نہ کرو کرنل —— ! آج میرے انتظامات مکمّل ہیں۔"

یہ کسی زینہ کا دروازہ تھا۔ سردار جگوّ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور جھک کر خلا میں اُتر گیا۔

اُس نے چوتھی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ زینہ کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اگر مرجینا اُسے پہلے ہی نہ بتا چکی ہوتی کہ چوتھی سیڑھی پر پہنچتے ہی دروازہ آپ سے آپ بند ہو جائے گا اور دیوار کے ساتھ لگی چرخی گھمانے سے دوبارہ کھُل جائے گا۔ وہ یقیناً گھبرا جاتا۔ مگر پوری سات سیڑھیاں اُتر کر جب اُس نے سرنگ میں قدم رکھا۔ جلی ہوئی چربی کی بُو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی وہ سوچنے لگا اِس سرنگ میں چربی کی بُو کیسی؟"

فوراً ہی اس کے دماغ نے فیصلہ دیا کہ تھوڑی دیر پہلے کوئی شخص مشعل لے کر سرنگ میں داخل ہوا ہے جس میں چربی جلائی گئی ہوگی۔ کہیں مرجینا ہی تو اس کا انتظار کرتی واپس نہیں چلی گئی ہے۔

تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے وہ دیوار کو ٹٹولتا ہولے ہولے آگے بڑھنے لگا۔ سرنگ میں گھمبیر تاریکیاں منجمد ہو کر رہ گئیں۔ اندھوں کی طرح چلتا وہ جلد ہی دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ اندازے کے مطابق اس نے بمشکل پچاس قدم فاصلہ طے کیا ہوگا۔ آگے پھر ایک زینہ تھا۔ چوتھی سیڑھی پر قدم رکھ کر اُس نے دیوار پر لگی چرخی کو تلاش کر لیا اور ہولے ہولے گھمانے لگا۔ اِس احتیاط کا مقصد یہ تھا کہ معمولی سا کھٹکا بھی نہ ہو سکے۔ چرخی کا ایک چکّر پورا ہوتے ہی دیوار گرنے کی مدھم سی آواز آئی اور اس کے ساتھ ویسا ہی ایک خلا نمودار ہوُا۔ سردار جگو بلّی ایسے نرم قدموں سے زینہ عبور کر کے خلا میں داخل ہو گیا۔

اس نے سر نکال کے دیکھا وہ ایک غلام گردش کے ویران گوشہ میں کھڑا تھا جو ملکہ محل کے عقبی حصّہ میں واقع تھی۔ وہ آہستگی کے ساتھ زینہ سے باہر آگیا اور فوراً ہی اُس کی پُشت پر دروازہ آپ سے آپ بند ہو گیا۔ وہ نرم قدموں سے غلام گردش میں چلنے لگا۔

ابھی اس نے چودہ یا پندرہ قدم اُٹھائے ہوں گے کہ اُچھل کر ایک ستون کی اوٹ میں ہو گیا۔ غلام گردش کے پہلو میں ایک چھوٹا سا حفاظتی حجرہ تھا۔ اس حجرے میں شمع کی ٹمٹماتی مدھم روشنی میں اُس نے بیک وقت تین آدمیوں کو سرگوشیاں کرتے دیکھا تھا۔ ان میں ایک شخص سر سے پاؤں تک سیاہ چُست لباس پہنے بالکل فرشتۂ اجل معلوم ہوتا تھا۔ چہرے سے وہ کوئی انگریز نظر آتا تھا۔ دوسرا ریاست چاند نگر کا مدارالمہام جعفر تھا اور تیسرے کے جسم پر ریاستی جانبازوں کا لباس تھا۔

بنے اُس کی موت کا بیڑہ اُٹھالیا۔ جعفر کا کام صرف یہ تھا۔ وہ ایڈگر کو بحفاظت شاہی محل تک پہنچا دے۔

جونہی ایڈگرہنری اندھیرے میں چلتا قریب آیا کرنل کلوٹ نے جعفر سے اُس کا تعارف کرایا اور بتایا کہ وزیرِ سلطنت اُسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ لندن کے لیٹرے نے جعفر کو نگاہوں میں تولا پھر کرنل کلوٹ سے مخاطب ہو کر انگریزی زبان میں بولا۔

"کیا یہ مجہول آدمی واقعی میری کوئی مدد کرے گا؟"

"میرا خیال ہے تمہیں صرف خنجر استعمال کرنا پڑے گا باقی سب کام یہی مجہول آدمی سرانجام دے گا۔"

ایڈگر نے ایک مرتبہ پھر جعفر کو سَر سے پاؤں تک دیکھا اور چلنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

وہ تینوں گیٹ پر آئے۔ ایک سمت اندھیرے میں جعفر کی فٹن تیار کھڑی تھی۔ کرنل کلوٹ نے انہیں رخصت کیا اور خود ریذیڈنسی میں لوٹ گیا۔ بگھی اندھیرے میں شاہی محل کا راستہ طے کرنے لگی۔

قلعہ کی فصیل کے آس پاس ملگجے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔

برجوں، ممٹیوں، شاہی کوشکوں اور قصروں کی دیواروں پر ہزاروں چراغ قطار در قطار جھلملا رہے تھے مگر ان کی لرزاں روشنیوں کے عکس بیرونی فصیل تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ بس مدھم روشنی کا ایک ہلکا سا غبار تھا جو فصیل اور شاہی کوشکوں کے درمیان اڑ رہا تھا اور یہی غبار فصیل کی دوسری سمت چھائی ہوئی تاریکی کی چادر پر مدھم سا حاشیہ بن گیا تھا۔

سردار جگو اس تاریکی میں جھاڑیوں کی اوٹ لیتا اُس پتھر کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو گیا جس کی مرجینا نے نشاندہی کی تھی۔ یہی پتھر خفیہ دروازے کی کنجی تھا۔

اُس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دُور و نزدیک کوئی آدمی نظر نہ آسکا۔ فصیل کا بُرج قریباً چالیس قدم پرے تھا ممکن ہے اس میں کوئی پہریدار بیٹھا ہو لیکن اُس کی نگاہ یہاں تو ہرگز نہ پہنچ سکتی تھی۔ سردار نے دھڑکتے دِل کے ساتھ پتھر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر حرکت دی۔ وہ بہ آسانی گھوم گیا۔ جونہی چکر پُورا ہوا مدھم سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ فصیل کا ایک حصّہ نیچے گرتا چلا گیا اور قریباً چار فٹ لمبا، اڑھائی فٹ چوڑا ایک خلا نمودار

آج خلاف معمول برآمدے کی قندیلیں گل کر دی گئی تھیں جب کہ محل سرا کی ہر دیوار، ہر منڈیر اور ہر کگار پر چراغ جل رہے تھے۔ ان کی روشنیوں کا عکس برآمدے میں ہلکے غبار کی صورت میں پھیلا تھا۔

ایڈگر سانپ کی طرح رینگتا نیم تاریکی میں آگے بڑھ رہا تھا کہ مشرقی سمت سے کسی کی بھدی اور مکروہ آواز سن کر اچھلا اور ایک ستون کی اوٹ میں ہو لیا۔ آواز داروغۂ محل کے حجرے سے آئی تھی یوں لگا جیسے کوئی شخص شراب کے نشہ میں کسی سے لڑ رہا تھا۔ عین ممکن تھا کوئی پہریدار اسی حالت میں قصر کی جانب آنکلتا مگر فوراً ہی وہ بھدی آواز خاموشیوں میں ڈوب گئی۔ پھر سناٹا طاری ہو گیا۔ اس سناٹے میں ایڈگر نے ملحقہ کمرے سے خراٹوں کی آواز سنی اور اس کے ہونٹوں پر اطمینان بخش مسکراہٹ تیر گئی۔ یہ قاسم کے خاص ملازم عبداللہ کی نیند کا اعلان تھا جو آج رات غالباً گھوڑے بیچ کر سویا تھا۔

ایڈگر ستون کی اوٹ سے نکل کر دریچہ کی طرف بڑھا جو حسبِ توقع کھلا ملا۔ اس نے بہت آہستگی سے کواڑ کھول دیئے اور اطلس کا نیلا پردہ ہوا سے لہرا گیا۔ پھر پردہ آہستہ سے ایک طرف ہٹا دیا گیا۔ سیاہ پوش قاتل نے کمرے کا جائزہ لیا۔ فانوس کی شمعیں خاموش تھیں لیکن دیوار گیر قندیل کی نیلی روشنی کمرے میں ''طلسمی دھند'' بن کر تیر رہی تھی۔ نیلگوں روشنی میں کوئی شخص دریچے کی سمت پشت کیے مسہری پر محوِ خواب نظر آیا۔ بھلا یہ بدنصیب شخص ولی عہد کے سوا کون ہو سکتا تھا جو کمر کے بل دراز تھا —— اور ایڈگر بہ آسانی اس کی شہ رگ کاٹ سکتا تھا۔

انگریز بھیڑیے نے کمر سے خنجر نکالا، آنکھوں میں خونیں چمک پیدا ہوئی۔ دس ہزار پونڈ کی رقم یقیناً حوصلہ افزا تھی لیکن اس وقت قاتل کے پیکر میں انگریز حاکمیت کروٹ لے کر جاگ اٹھی تھی۔ چاند نگر پر انگریزی اقتدار کے رستہ میں صرف شہزادہ قاسم حائل تھا۔ اس وقت اس کی گردن اور خنجر کے درمیان چند ہی قدم کا فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ طے ہو جانے کے بعد چاند نگر کے قلعہ پر ''یونین جیک'' لہرا سکتا تھا —— ایڈگر نے خنجر دانتوں میں دبایا اور چند قدم کا یہ فاصلہ طے کرنے کی خاطر دونوں ہاتھ دریچے کی دہلیز پر ٹیک دیئے مگر عین اس وقت جب وہ اچک کر اندر چھلانگ لگانے ہی والا تھا عقب سے کوئی نوک دار چیز اس کی گردن میں چبھ گئی جو کسی تلوار کی تیز نوک ہی تھی پھر درندے کی سی تیز غراہٹ سنائی دی۔

''خنجر پھینک دو۔''

اس حکم کی تعمیل خود بخود ہو گئی وہ انتہائے حیرت تھی یا فرطِ خوف —— بہرحال ایڈگر

رات کے وقت جعفر کو شاہی محل میں دیکھ کر سردار کا ماتھا ٹھنکا کیونکہ مرجینا کی زبانی وہ مدارالمہام کے بعض "کارنامے" سن چکا تھا۔ جگو نے محسوس کیا جشنِ چراغاں کی رات محل سرا میں کوئی پُراسرار ڈراما کھیلا جا رہا ہے۔

وہ ہولے ہولے سرکتا اور ستونوں کی اوٹ لیتا ہُوا حجرے کی دیوار سے آلگا۔ اب اُن کی آواز بخوبی سُن سکتا تھا۔ جعفر سیاہ پوش انگریز سے مخاطب تھا۔

"مسٹر ایڈگر ——— ! دوسری غلام گردش عبور کرنے کے بعد تم پرنس کے کمرہ کے سامنے جا پہنچو گے۔ جس کا دریچہ تمہیں کھُلا ملے گا۔ اُس طرف آج کوئی پہریدار نہیں۔ وہ سب کے سب مشرقی حجرے میں بے ہوش پڑے ہیں۔ صرف پرنس کا ملازم خاص عبداللہ ملحقہ کمرے میں سو رہا ہے لیکن وہ بوڑھا ہے اور اس کے بیدار ہونے سے پہلے تم اپنا کام کر کے لوٹ آؤ گے۔ شہزادہ کے کمرے کی پرلی سمت بھی دو جانباز بیٹھے ہیں وہ کسی کو اس طرف آنے نہ دیں گے۔"

سردار جگو کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا وہ حالات کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ جعفر نے ایڈگر کو اشارہ کیا کہ وہ چل دے۔ سیاہ پوش انگریز جس کی کمر میں بارہ انچ کا خنجر آویزاں تھا مچھلی کی طرح تڑپ کر کمرے سے نکلا اور غلام گردش میں رینگ گیا۔ جونہی وہ پرے ہٹا جعفر جانباز کو کھینچتا ہُوا دروانہ کی طرف لپکا اور تیز سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"کیجی ——— ! بس چند ہی لمحوں کے بعد تم ایڈگر کا پیچھا کرو گے۔ جب وہ قاسم کو قتل کر کے لوٹے کسی سرو کی اوٹ سے اچانک اس پر ٹوٹ پڑو۔ اگر وہ تمہاری تلوار سے بچ نکلا تو تم زندہ نہ رہ سکو گے۔ تمہارا وار جچا تُلا ہونا چاہیے۔ سمجھے ——— مجھے دُور مت سمجھو......."

یہ کہہ کر جعفر بھی ایک طرف اندھیرے میں رینگ گیا۔

اگرچہ محل سرا کی دیواریں روشن تھیں اور ہر سمت چراغ جل رہے تھے لیکن غلام گردش کے عقبی باغیچے میں جہاں سرو دسمن اور اناروں کے پودے دم سادھے کھڑے تھے۔ ہلکی ہلکی تاریکی کی دُھندسی چھائی تھی جگو نے پہاڑی سانپ کی طرح لہر بھری اور پودوں کی اوٹ میں اس تاریکی میں لپکتا چلا گیا۔ وہ چاہتا تھا سب سے پہلے غدار جعفر کا سر قلم کرے۔ جو اس کے بیٹے کی موت کا پھندا تیار کر رہا تھا لیکن اب تو جعفر سے بھی پہلے ایڈگر کی فکر تھی ——— جو اپنے مشن پر روانہ ہو چکا تھا۔

ایڈگر موت ایسی خاموشی کے ساتھ "قصرِ ولی عہد" کے برآمدے میں نمودار ہُوا۔

اسی میں تھی وہ بھاگ جائے۔

کیا سردار جگو اُسے نکل جانے دے گا؟

اُس نے تڑپتے ہوئے سیاہ پوش انگریز پر وحشیانہ انداز میں گھونسے برسانے شروع کر دیئے۔ بے شک ایڈگر عمر میں اس سے جوان اور جسم کا مضبوط تھا لیکن بوڑھے خانہ بدوش کے ہاتھ بھی پتھر کی مانند سخت تھے۔ ایڈگر کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ وہ جھنجھلا کر سردار جگو پر گرا اور اس کا زبردست گھونسہ کھا کر لڑکھڑاتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ایڈگر نے محسوس کیا اُس کے دل پر جیسے کسی نے بھاری ہتھوڑے سے ضرب لگائی ہو۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے بے شمار ننھے ننھے ستارے سے ناچنے لگے۔ ذہن اندھیرے میں ڈوب گیا ایک لمحہ کے لیے اُس کا جسم گھائل پرندے کی طرح تڑپا۔ کانپا، کپکپایا پھر اس کی گردن ڈھلک گئی۔

انگلستان کا سرخ بھیڑیا ایڈگر ہنری ——— یا ——— "مسٹر بلیک" جس کی دہشت سے پورا لندن کانپتا تھا ——— جو دس ہزار پونڈ کے عوض ولی عہد قاسم کا سر کاٹنے آیا تھا، موت کے لمبے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

کرنل کلوٹ اور جعفر کی اُمیدوں کا جنازہ ایڈگر کی موت کی صورت میں اُٹھا۔

بوڑھے سردار کو اُسے زیر کرنے میں کافی محنت کرنا پڑی تھی۔ اب وہ اس کے سرہانے کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اُس نے منہ سے بہنے والا خون آستین سے صاف کیا اور فرش پر اپنی تلوار اُٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ اچانک ایک تلوار سردار کے سینے کی طرف آئی۔

"خبردار ———!"

سردار اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے اس نے مدار المہام کو دیکھا جو چھ جانبازوں کے ہمراہ بگولے کی مانند چکراتا سر پر پہنچ گیا پھر چھ نیزوں کی انیاں اُس کے اِرد گرد چمکنے لگیں۔ غصہ کے مارے جعفر کی آنکھوں سے چنگاریاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ بھیڑیے کی طرح غراتا ہوا آگے بڑھا۔

"بدمعاش بڈھے! تُو نے اپنی موت کو خود آواز دی ہے۔ مَیں تجھے ولی عہد ذیشان پر قاتلانہ حملہ کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں ——— لے جاؤ اس بدبخت کو۔"

اچانک ایک جانی پہچانی آواز بلند ہوئی۔ "ٹھہرو ———"

ایک ساتھ متعدد نگاہیں اس نیم تاریک زینہ کی طرف اُٹھ گئیں جدھر سے آواز آئی تھی۔ قاسم تیغِ عریاں ہاتھ میں لیے اندھیرے میں ساکت و صامت کھڑا تھا۔ نجانے وہ کب باہر آیا

کے ہونٹ آپ سے آپ کھُل گئے اور خنجر ایک چھناکے سے فرش پر گرا ۔ رات کے سناٹے میں اس بکی / آواز دُور تک گونجتی چلی گئی ——— ایڈگر نے محسوس کیا گردن پر تلوار کا دباؤ بڑھ گیا ہے اس کے عقب میں سردار جگو نے جُھک کر خنجر اُٹھانے کی کوشش کی ٹھیک اُسی وقت ایڈگر نے بندر کی طرح اُچھل کر فرش پر لوٹ لگائی اور خنجر پر جھپٹا ۔

خنجر پھر اس کے ہاتھ میں تھا اور سہ دیوار کے ساتھ کھڑا شعلہ بار آنکھوں سے جگو کو گھور رہا تھا ۔ ظاہر ہے ایسے نازک وقت میں ذراسی غفلت بھی سردار کی موت کا سامان بن جاتی ۔ اس کا بازو بجلی کی طرح حرکت میں آیا ۔ تلوار کا اُلٹا وار ایڈگر کے ہاتھ پر پڑا اور خنجر اس کی گرفت سے نکل کر پرندے کی طرح اُڑا اور کھٹاک سے زمین پر گرا ۔ ایڈگر کے ہاتھ سے خون کی بوندیں گرنے لگیں ۔

سردار نے حریف کو پھر بے بس کر دیا اور خوفناک آواز میں غرایا ۔

"کون ہو تم ——— جعفر کے علاوہ تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے ؟"

موت کے قاصد نے چُپ سادھ لی ۔ اسی لمحے دروازہ کھُلنے کی آواز سنائی دی اور ایڈگر نے اُچھل کر سردار پر چھلانگ لگا دی ۔ یہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا ۔ جگو مرمر کے فرش پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور ایڈگر سمیت فرش پر گرا ۔ وہ ابھی سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ سیاہ پوش بھیڑیا پھر اُچھلا اور اس کی کلائی پر بوٹ رکھ کر کھڑا ہو گیا ۔ تلوار کے قبضہ پر جگو کی گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی ۔ پھر ایڈگر تلوار اُٹھانے کے لیے جھکا اسی اثنا میں سردار بھی اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور ایڈگر ایک طرف لڑھکا لیکن خانہ بدوش ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ناکامی کے جوش میں تلملاتا ہوا انگریز اس پر پل پڑا اور اُس نے یکے بعد دیگرے متعدد مکّے رسید کر دیئے ۔ جگو اپنے آپ کو بچاتا پیچھے ہٹتا گیا ۔ اُس کے دانتوں سے خون بہنے لگا ۔ حریف اس پر چڑھتا آ رہا تھا ۔ یک لخت سردار نے آگے بڑھ کر ایڈگر کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور اس کی ہڈیاں کڑکڑا اُٹھیں ۔ وہ بندر کی طرح کسمسایا مچھلی کی مانند تڑپ کر بازوؤں کی گرفت سے نکلا اور سیدھا خنجر کی طرف جھپٹا ۔ سردار نے لپک کر چھلانگ لگائی اور ایڈگر کا بازو پکڑ کر پوری طاقت سے مروڑ دیا ۔

"کڑک !"........ کی آواز گونجی ۔ اس کے ساتھ ہی انگریز کی مکروہ اور بھیانک چیخ بلند ہوئی ۔ خانہ بدوش نے اس کا بازو بیکار کر دیا تھا ۔ اب وہ سردار کی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ بازو ٹوٹ جانے کی وجہ سے اُس کے اندر مقابلہ کی رُوح کمزور پڑ گئی تھی اور عافیت

"شہزادۂ عالی ــــــ! مَیں خانہ بدوشوں کا سردار جگو اور اس لڑکی کا باپ ہوں جس نے آج عالی جاہ سے سپہ گری کا مقابلہ کیا ......"

قاسم فرطِ حیرت سے بھونچکا رہ گیا۔ دوسرے بھی اُسے تعجّب آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"مَیں شاہی محل میں اس وقت داخل ہوا جب آپ کا نمک حرام وزیر ایک حجرے میں سیاہ پوش انگریز کو آپ کے قتل کے متعلق آخری ہدایت دے رہا تھا۔ غالباً اُس نے انگریز کو ایڈگر کے نام سے یاد کیا تھا اُس وقت گیبجی اس کے ساتھ تھا ....."

یہ سنتے ہی جعفر پہ بجلی ٹوٹ پڑی۔ ہذیانی انداز میں چلّایا۔

"جھوٹ ..... غلط ...... بکواس ......"

"جعفر ــــــ! خاموش رہو۔"

قاسم کے لہجے میں سرزنش تھی ــــــ پھر وہ جگو کی طرف متوجہ ہو گیا جو کہہ رہا تھا۔

"خطرے کو دیکھ کر مَیں نے انگریز کا تعاقب کیا اور اُسے عالی جاہ کی خواب گاہ کے باہر آلیا۔ وہ پاگلوں کی طرح مجھ پہ حملہ آور ہُوا جس کا انجام آپ کے سامنے ہے اسے ڈھیر کرنے کے بعد ابھی مَیں سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ یہ واقعہ پیش آگیا۔"

جعفر پہ پھر ہذیان کا دورہ پڑا۔

"صاحبِ عالم ــــــ! سردار جگو نے جو کچھ بیان کیا بالکل غلط اور مَیں نے جو کچھ کہا ہے بالکل درست ہے۔ اگر یہ حضور کے قتل کا ارادہ لے کر نہیں آیا تو رات کے وقت محل سرا میں اس کی موجودگی کا اور کیا مطلب ہے؟"

جعفر کی منطق نے سردار کی پوزیشن کو خطرے میں ڈال دیا۔ سوال بڑا بے ڈھب بھی تھا اور بڑا اہم بھی جس نے ولی عہد کو چونکا دیا۔ وہ بولا۔

"سردار جگو ــــــ! تمہیں اپنی آمد کا مقصد بتانا پڑے گا۔"

"میری آمد کا مقصد نیک ہے لیکن مَیں بیان نہیں کر سکتا۔"

"جب تک صفائی پیش نہ کرو تم بے گناہ نہیں ٹھہر سکتے ــــــ"

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا ہوں۔"

سردار اگر چاہتا تو ملکہ بیگم کا حوالہ دے کر اپنی پوزیشن واضح کر سکتا تھا لیکن جس راز کو

اور کب زینہ میں جا پہنچا ——— اُس کے عقب میں بوڑھا عبداللہ بھی تلوار تھامے ایستادہ تھا۔

جعفر کی آنکھوں سے خوف وہراس جھانکنے لگا۔ پھر وہ بدحواسی کے عالم میں فوراً کورنش کے لیے جُھک گیا۔ "صاحب عالم!" قاسم اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آگیا اور سردار جگو کی بے تابانہ نظریں اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ اس نے بیس سال کے بعد جوان بیٹے کی صورت دیکھی تھی۔

"جعفر بابا ——— ! رات کے وقت محلسرا میں یہ کیا ہو رہا ہے؟"

جعفر اس سوال پر کچھ اور بوکھلا گیا۔ پھر ذرا سنبھل کر بولا۔

"صاحبِ عالم ——— ! تھوڑی دیر پہلے گیجی خبر لایا کہ اس نے دو آدمیوں کو بیرونی فصیل کے پاس مشتبہ حالت میں دیکھا اور چھپ کر ان کی گفتگو بھی سُنی ہے وہ دونوں شہزادۂ عالی کے قتل اور تاجِ شاہی چرانے کی سازش کر رہے تھے جو کل حضور کے فرقِ عالی کی زینت بننے والا ہے۔ گیجی کی اطلاع پر میں جانبازوں کو ساتھ لے کر محلسرا میں آ پہنچا۔ خدا کا شکر ہے۔ صاحبِ عالم کو کوئی خراش بھی نہیں آئی اور ہم نے قاتل کو ٹھیک وقت پر گرفتار کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ دونوں بدمعاش کسی بات پر آپس ہی میں جھگڑ پڑے اور اس نے اپنے ساتھی کو ہلاک کر دیا ——— بہرحال یہ قاتل ہے"۔

جعفر نے موقع کی مناسبت سے فوراً ایک کہانی گھڑ لی تھی۔

ولی عہد نے سردار جگو کے سراپا پر نظر ڈالی اور مدارالمہام سے پوچھا۔

"کون ہے یہ آدمی؟"

"شکل وصورت سے ڈاکو اور قاتل معلوم ہوتا ہے"۔

جعفر سردار کو شعلہ بار آنکھوں سے گھورتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کون ہو تم؟ صاحبِ عالم تمہارا نام دریافت کر رہے ہیں"۔

سردار جگو کی نظریں تو بیٹے کے چہرے پر مرتکز تھیں اس نے جعفر کے سوال پر توجہ ہی نہیں دی۔ قاسم بھی اس کی محویت پر حیران تھا۔ اب وہ براہِ راست جگو سے مخاطب ہوا۔

"بولتے کیوں نہیں بھلے آدمی کون ہو تم؟"

سردار جگو کی آنکھوں میں شفقتِ پدری کی لہریں تھرتھرانے لگیں لیکن اس وقت وہ عجیب صورتِ حال سے دوچار تھا۔ اُس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"آپ مجھے اُسی دیوار کی ایک اینٹ سمجھ لیں جس پہ چاند نگر کی عمارت کھڑی ہے"۔
سردار کا جواب بڑا معنی خیز تھا۔ قاسم کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ "تو تم اپنی آمد کا مقصد بیان نہیں کرو گے؟"
اب سردار کے ہونٹوں پر سکوت کی مہر لگ گئی تھی اُسے خاموش دیکھ کر جعفر نے کہا "صاحبِ عالم ——— ! مجرم کی خاموشی اپنے جرم کا اقبال کر رہی ہے"۔
اچانک ولی عہد فیصلہ کن لہجے میں بولا۔
"سردار جگو کو زنداں میں بند کر دو اور ہمارے فیصلے کا انتظار کرو"۔
سردار چونک اُٹھا۔ جعفر کو گویا منہ مانگی مراد مل گئی اس نے بڑے ادب سے سر جھکا دیا۔
شہزادہ نے معنی خیز نگاہوں سے جعفر کو دیکھا اور اپنے حکم کی مزید وضاحت کی۔
"جعفر بابا ——— ! سردار جگو کی قسمت کا فیصلہ ہم خود کریں گے۔ تم نے ہمارا مطلب سمجھ لیا ہوگا ——— اب ہم تخلیہ چاہتے ہیں"۔
جعفر جانبازوں کے ساتھ سردار کو نیزوں کے حلقہ میں لے کر رخصت ہو گیا اس کے جاتے ہی ولی عہد نے داروغۂ محل کو قریب بلایا اور ایڈگر کی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
"رستم! اس لاش کو اپنی تحویل میں لے لو اور ہمارے حکم کے بغیر دفن نہ کرو ——— ——— عبداللہ ——— ! تم اسی وقت میر ولی اللہ اور حیدر جنگ کو ہمارا سلام دو۔ ہم ابھی ان سے ملنا چاہتے ہیں"۔
ٹھیک اُس وقت جب قاسم یہ احکام دے کر چلنے کے لیے مڑا قلعہ کے دروازہ پر آدھی رات کی نوبت گونج اُٹھی۔

جس وقت شہزادہ قاسم میر ولی اللہ اور حیدر جنگ کو آج کے واقعہ کی تفصیل اور اپنے اندیشے سنا رہا تھا اُس وقت ملکہ بیگم اپنے قصر میں بڑی بے تابی سے سردار جگو کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ وعدہ کے مطابق اُسے آدھی رات سے پہلے آجانا چاہیے تھا لیکن دوسری نوبت بج چکی تھی اور اس کا ابھی تک کوئی پتہ نہ تھا۔
خفیہ رستے سے آتے ہوئے اُسے صرف راجپوت محافظ سادو سے سامنا کرنا پڑتا اور سادو کو اس کی آمد سے پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا اُسے حکم تھا جو نہی خانہ بدوش سردار کو

بیس سال تک سینے میں دفن رکھا اس کے فاش ہو جانے کا خطرہ تھا۔ خانہ بدوش کی باتوں نے ولی عہد قاسم کو اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ نجانے کیا بات تھی وہ سردار جگو کے بیان کو جھٹلانا نہ چاہتا تھا۔ اس کا بے خوف اور پُروقار چہرہ اس کے بیان کی تائید کر رہا تھا۔ اس کا ذہن بجلی ایسی تیزی سے جعفر اور ریذیڈنٹ کی ملی بھگت کی طرف منتقل ہو گیا۔ اگر کرنل کلوبٹ بھی قتل کی سازش میں شریک ہے تو اس نے حالات پر قابو پانے کے لیے انگریزی فوج ضرور طلب کی ہوگی اور ایک سیدھے سادے اندازے کے مطابق جشنِ تخت نشینی کے وقت کمپنی سرکار کی فوج کو لازمی طور سے ریاست میں پہنچ جانا چاہیے۔ بصورتِ دیگر ریذیڈنٹ سازش میں شریک نہ ہوتا۔

اِس خیال کے آتے ہی قاسم تڑپ اُٹھا۔

تو اس کا مطلب ہے انگریزی فوج کل صبح تک یقیناً ریاست کی سرحد عبور کر رہی ہوگی۔ اب انگریز سے اُلجھنے اور نپٹنے کا وقت آگیا تھا ـــــ لیکن یہ خانہ بدوشوں کا سردار جگو درمیان میں کہاں سے ٹپک پڑا، محل سرا میں اُس کی پُراسرار آمد کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

فوراً ہی قاسم کے ذہن نے جعفر کے خلاف فیصلہ دیا مگر تخت نشینی اور حصولِ اختیارات کی ساعت تک وہ خون، قتل اور قید کے فیصلوں سے بچنا اور دشمنوں کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا تخت نشینی کی تقریب تک وہ خاموش ہی رہے گا اور یہ ہرگز ظاہر نہ ہونے دے گا وہ ان کی سرگرمیوں سے آگاہ ہو چکا ہے۔ پھر جس طرح عقاب اپنے شکار پہ جھپٹتا ہے وہ تمام سازشیوں کو بالکل ناگہاں زنجیروں میں جکڑ دے گا۔

قصر کا پُراسرار سناٹا قدموں کی چاپ سے ٹوٹ گیا اور داروغۂ محل رستم کیانی چند پہریداروں کے ہمراہ پہنچ گیا۔ وہ کانپ رہا تھا اور اس کے ساتھیوں کا نشہ بھی ہرن ہو گیا تھا۔ داروغہ نے ولی عہد کو بتایا آج محل کے پہریداروں کو شراب پلا کر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ آہا ـــــ تو یہ قصہ ہے۔ قاسم نے تیز نظروں سے جعفر کی طرف دیکھا لیکن پھر فوراً ہی خانہ بدوش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"سردار جگو ـــــ! نہ تو ابھی تک تمہارے بیان کی تصدیق ہوئی ہے نہ تم محل میں آنے کا مقصد بتانا چاہتے ہو۔ آخر محل سے تمہارا کیا واسطہ؟"

"سردار جگو کو اسی وقت ہمارے حضور پیش کیا جائے۔ اس کے ساتھ مدارالمہام جعفر بھی حاضر ہو۔ اس حکم کی فوری تعمیل ہونی چاہیئے۔"

اس نے حکمنامہ پر مہرِ خاص ثبت کی اور اسے مرجینا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "تم خود پہنچو مرجینا ——— ! ساؤ کو ساتھ لے جاؤ۔ زنداں کا داروغہ اپنے حجرے میں ہوگا۔ تم سردار کو لے کر چلی آنا۔ ساؤ جعفر کو بلا لائے گا۔"

مرجینا نے شاہی فرمان سنبھالا اور آندھی کے جھونکے کی طرح زینہ میں اُڑتی چلی گئی۔

جعفر نے سردار جگو کو زندان ہی میں نہیں ڈالا بلکہ ٹکٹکی پر بھی بندھوایا۔

اُسے یاد آیا۔ آج سے بیس برس پہلے بھی جب شہزادہ قاسم پیدا ہُوا تھا۔ خانہ بدوش سردار شاہی محل میں آیا اور ملکہ بیگم کی کنیز، خاص مرجینا اُسے لے کر آئی تھی۔ بیس سال کے بعد جلوسِ تخت نشینی سے ایک رات قبل سردار جگو پھر شاہی محل میں داخل ہوتا اور اُس کی آخری کوشش کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے۔ وہ سوچنے لگا۔

خانہ بدوش سردار کا شاہی محل سے کیا تعلق ہے ؟

بیس برس پہلے مرجینا بیگم اُسے کیوں لے کر آئی تھی ؟

بیس سال کے بعد جگو آدھی رات کے وقت محل میں کیوں آیا ؟

کیا اُسے ملکہ بیگم ——— یا ——— مرجینا میں سے کسی نے بلایا تھا ؟

مرجینا کنیز ہے اتنی جراُت نہیں کر سکتی کہ کسی خانہ بدوش کو ملنے کے لیے محل میں بلائے۔ یقیناً اُسے ملکہ بیگم نے بلایا تھا مگر کیوں ———، ملکہ بیگم کا سردار جگو سے کیا واسطہ ہے ؟ وہ خانہ بدوش سردار میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے ؟

یہی سوال جعفر کو پریشان کر رہا تھا اور اِسی کا جواب پوچھنے کے لیے اُس نے اپنے خاص اختیارات سے کام لے کر سردار جگو کو ٹکٹکی پر بندھوایا اور گیجی کو حکم دیا تھا اُس سے پوچھے وہ آدھی رات کو شاہی محل میں کیوں آیا تھا ؟

گیجی اپنے آقا کی طرح انتہائی ظالم اور کینہ جُو آدمی تھا۔ جب سردار نے اُس کے متعدد سوالات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے کوڑے برسانا شروع کر دیئے۔

سردار جگو زنداں کے اندر ٹکٹکی پر بندھا تھا اور گیجی کے کوڑے برس رہے تھے۔

دیکھے کمرۂ ملاقات میں ٹھہرائے اور فوراً ملکہ بیگم کو اُس کی آمد سے مطلع کر دے۔

مرجینا بھی حیران تھی اُس نے کہا۔

"ملکہ حضور ——— ! میں نے سردار کو محل کے خفیہ رستہ سے اچھی طرح آگاہ کر دیا اور یہ بھی سمجھا دیا تھا اگر کوئی پہریدار اُسے دیکھ لے تو بے دھڑک کہہ دے کہ ساوُ سے ملنے آیا ہے۔ جگو نے وعدہ کیا تھا وہ ضرور آئے گا اور سردار وعدے کا پابند ہے۔"

ابھی الفاظ مرجینا کے منہ میں تھے کہ اچانک زینہ میں قدموں کی چاپ اُبھری اور وہ دونوں چونک اُٹھیں ——— شاید ساوُ سردار جگو کی آمد کی خبر دینے آیا ہے۔ آنے والا بے شک ساوُ تھا لیکن وہ سردار کی آمد کی نہیں بلکہ گرفتاری کی خبر لے کر آیا تھا۔

ملکہ بیگم اور مرجینا پر ایک ساتھ بجلی ٹوٹ پڑی۔

"اُسے کس نے گرفتار کیا کیوں گرفتار کیا ———؟"

جواب میں ساوُ نے جو واقعہ سُنایا وہ حیرت انگیز تھا۔ سردار جگو ایک سیاہ پوش انگریز کے ساتھ صاحبِ عالم کو قتل کرنے اور شاہی تاج چرانے آیا تھا۔ جعفر نے اپنے جانبازوں سمیت عین وقت پر اُسے ولی عہد کی خواب گاہ پر گرفتار کر لیا۔ اُس نے اپنے انگریز ساتھی کو قتل کر دیا تھا۔ ولی عہد کے حکم سے وہ اس وقت زنداں میں ہے۔ کل اُس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

"کیا اُس نے یہ نہیں بتایا وہ محل میں کیوں آیا تھا؟"

"نہیں۔ صاحب عالم نے بہت پوچھا لیکن سردار جگو خاموش رہا۔"

اچانک مرجینا چیخ اُٹھی۔

"ملکہ حضور ——— ! وہ زندگی کے آخری سانس تک خاموش رہے گا۔ یقیناً جعفر نے اُسے کسی سازش میں پھانس لیا ہے۔ اس کی رہائی کا حکم نامہ جاری کیجیے۔"

"مگر ..... مگر ..... اُسے ولی عہد کے حکم سے زنداں میں ڈالا گیا ہے۔"

ملکہ بیگم پریشان تھی۔

"پھر کیا ہے۔ ابھی وہ خود مختار حکمران نہیں آپ اپنے خاص اختیار سے صاحبِ عالم کے کسی بھی فیصلہ اور حکم کو منسوخ کر سکتی ہیں۔"

ملکہ بیگم نے کانپتے ہاتھ سے قلم اُٹھایا اور ایک مختصر سا فرمان لکھا۔

ہوئی کراہیں اور سسکیاں بھی خاموشی میں تبدیل ہوتی چلی گئیں۔ انتہائے اذیت سے اس کی آنکھوں کے پپوٹے بند ہونے لگے۔ حتیٰ کہ اُس کی گردن ڈھلک گئی۔

بوڑھا سردار تیسری مرتبہ بے ہوش ہوا تھا۔ جعفر نے اپنا ہاتھ لہرایا اور گرج کر بولا۔ "اسے ہوش میں لاؤ۔"

فوراً ہی دو جانباز پانی کے پیالے اٹھائے آگے بڑھے اور سردار جگو کے منہ پر چھینٹے دینے لگے۔ لیکن اس مرتبہ سردار کسی اور ہی طرح بے ہوش ہوا تھا اُس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ حرکت نہ کی، جھرجھری نہ لی پھر کیچی نے اس کی کلائی پر اُنگلی رکھ دی اور خوف آمیز نظروں سے جعفر کی طرف دیکھ کر چلّا اُٹھا۔

"یہ تو مر گیا سرکار ——!"

سردار جگو واقعی مر گیا تھا۔ اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اُس نے ملکہ بیگم کے راز کی قیمت اپنی جان کی صورت میں ادا کی تھی —— وہ چاند نگر کی آزادی کے لیے اپنے بیٹے پر قربان ہو چکا تھا ——

سردار کی موت کی خبر سنکر جعفر بوکھلا اُٹھا۔

اسی اثنا میں زنداں کا داروغہ بھاگا ہوا جعفر کے پاس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک شاہی فرمان تھا۔ اُس نے بتایا۔

"ملکہ بیگم کی کنیز خاص مرجینا اور محافظِ اعلیٰ ساؤ باہر کھڑے ہیں۔ وہ سردار جگو کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔"

جعفر نے فرمان پڑھا پھر داروغہ کو لے کر باہر آیا۔ رات کے سناٹے میں مرجینا اور ساؤ بالکل موت کے فرشتے ہی نظر آئے وزیرِ سلطنت نے اپنے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر محسوس کی۔ مرجینا خلافِ توقع جعفر کو دیکھ کر چونک اُٹھی اور ٹھٹک کر بولی۔

"مجھے اُمید ہے تم نے ابھی تک اسے ہلاک نہیں کیا ہو گا۔"

جعفر کے بدن پر لرزش دوڑ گئی۔ اس نے اٹک اٹک کر جواب دیا۔

"ملکہ بیگم کا حکم سر آنکھوں پر لیکن مجرم خطرناک ہے اُسے ایک سپاہی اور ایک عورت کے ساتھ روانہ نہیں کیا جا سکتا .... میرا مطلب ہے .... وہ فرار بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر ایک انگریز کے قتل کا الزام ہے .... صبح تک اس کی حفاظت بہر طور ضروری

"شائیں شائیں" کی آواز سرسراتی پھر اس بھیانک آواز میں بوڑھے سردار کی دردانگیز کراہ بھی شامل ہو جاتی لیکن اس کے ہونٹ نہ کھل سکے تھے۔

وہ دو مرتبہ بیہوش ہو چکا تھا۔اس کے بدن کی کھال جگہ جگہ سے اُدھڑ گئی تھی۔پیٹھ تو بالکل لہولہان تھی اور گوشت کے ریزے اُڑ رہے تھے مگر اس حالت میں بھی گیجی کا کوڑا برستا رہا۔دم توڑتی ہوئی مشعل کی مدھم زرد روشنی ماحول کی وحشت میں اضافہ کر رہی تھی اور گیجی سے چند ہی قدم کے فاصلہ پر جعفر اپنے چہرے پر موت کی ہیبت ناک سنگینیاں لیے چپ چاپ کھڑا تھا۔فرطِ اذیت سے بوڑھے سردار کی آنکھوں میں موت کے سائے کانپنے لگے۔ اچانک جعفر گرجا۔

"بتاؤ محل میں کیا لینے آئے تھے؟"

سردار جگو خاموش تھا۔

"بے وقوف بڈھے! اپنی جان سے دشمنی نہ کرو"۔

نیم بے ہوش سردار نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"یہی بتا دو ——— بیس برس پہلے تم محل سرا میں کیوں آئے تھے۔کیا ملکہ بیگم سے تمہارا کوئی خفیہ تعلق ہے۔کیا وہ نواب فرخ کی بجائے تمہارے ساتھ ....."

نیم جان سردار تڑپ اُٹھا۔اس نے فرطِ نفرت سے وزیر کے منہ پر تھوک دیا اور وہ مشتعل ہو کر چلایا۔

"اِسے مارو ——— اس وقت تک مارو جب تک یہ تڑپ تڑپ کر مر نہیں جاتا"۔ اور گیجی کا کوڑا پھر حرکت میں آگیا۔جگو کی بوٹیاں اُڑنے لگیں۔

جگو جانتا تھا اگر اس کی زبان سے ایک بھی لفظ نکلا جو افشائے راز کا ذریعہ بن گیا تو اُس کے بیٹے کو فی الفور قتل کر دیا جائے گا ——— ملکہ بیگم، مرجینا اور خود اُسے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے گا بلکہ اس کی عزیز بیٹی "شہزادی" کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اِسی خطرے کو ٹالنے کے لیے بوڑھے سردار نے سارا عذاب اپنی گردن پر اُٹھا لیا اور ہونٹوں پر سکوت کا تالہ ڈال دیا۔اُس نے ایسی چُپ سادھ لی تھی جسے وحشیانہ سزا اور موت کی دہشت بھی شکست نہ دے سکی۔

کوڑے کی بھیانک سرسراہٹیں جاری رہیں لیکن سردار جگو کے ہونٹوں پر تڑپتی

جگائے تھے۔

میدان کے درمیان پہنچ کر سواروں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں۔ وزیرِ سلطنت جعفر کا نائب گیجی ان کے آگے آگے تھا۔ گھوڑا رکتے ہی اُس نے دو سواروں کو اشارہ کیا اور انہوں نے ایک لاش خانہ بدوشوں کی طرف اُچھال دی۔ تمام لوگ یہ بھیانک منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ سینوں کے اندر اُن کے سانس رُک رُک کر چلنے لگے۔

وہ لاش سردار جگو کی تھی ——— خانہ بدوشوں پر بجلی ٹوٹ پڑی پھر اُنہیں گیجی کی غضب ناک آواز سنائی دی۔

"یہ تمہارے سردار کی لاش ہے جو ڈاکو اور قاتل تھا رات اُس نے شاہی محل میں گھس کر شہزادۂ عالی کو قتل کرنے اور شاہی تاج چُرانے کی جرأت کی تھی لیکن موقع پر گرفتار کر لیا گیا اور اسے موت کی سزا دی گئی۔ وزیرِ سلطنت جعفر کا حکم ہے سُورج غروب ہونے سے پہلے تمام خانہ بدوش ریاست کی سرحد سے نکل جائیں۔ اگر تم نے حکم کی تعمیل نہ کی تو گرفتار کر کے قہر و غضب کی چکی میں پیس دیئے جاؤ گے۔ اپنے بدبخت سردار کا انجام یاد رکھو اور فوراً چاند نگر سے نکل جاؤ ———"

فرطِ حیرت اور وفورِ صدمہ سے تمام لوگ بُت بن گئے ——— اسی اثنا میں شمالی راستے پر جو پہاڑی گھاٹیوں کے پیچ و خم میں سانپ کی طرح رینگتا ہوا نیلم ندی کے میدان میں آنکلتا تھا متعدد ٹاپوں کی آواز بلند ہوئی ——— گیجی نے فوراً گھوڑے کی باگ موڑی اور پلٹ کر دیکھا۔ شمالی راستے پر گیارہ بارہ بھیل سوار گھوڑے اڑائے چلے آرہے تھے۔ اُن سے آگے آگے ایک سوار جس نے ریاستی مصاحبوں کا لباس پہن رکھا تھا دریا کے پُل کی طرف رواں دواں تھا۔

گیجی گھوڑے کی پُشت پر اُچھل سا گیا پھر ایک سوار سے مخاطب ہو کر بولا۔

"آخاہ ——— یہ تو بختیار مرزا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے وہ بھیل سوار ہیں جو صاحب عالم کے ہمراہ شکار کو گئے تھے ——— لیکن یہ اتنی عجلت میں کیوں ہیں"۔

بھیل سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے دریا کا پُل ڈھول کی طرح بجنے لگا۔ شکاری عقابوں کی طرح اُڑتے چلے گئے ——— گیجی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہَوا سے باتیں کرنے لگا۔ باقی سوار بھی دھول اُڑاتے اس کے پیچھے ہو لیے۔

ہے۔ ورنہ کمپنی سرکار .... نہیں ۔ مجرم صبح سے پہلے کسی صورت زنداں سے باہر نہیں آسکتا اس کی حفاظت کا ذمہ دار کون ہوگا؟"

"مَیں اس کی حفاظت کا ذمہ لیتی ہوں"۔

"نہیں مرجینا ——— ! میرا تجربہ کسی عورت پہ اعتبار نہیں کر سکتا۔ ملکہ بیگم سے کہو وہ صبح تک انتظار کریں"۔

مرجینا ساؤ کے ہمراہ مایوس لوٹ گئی ملکہ محل کی طرف چلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ جعفر نے حکم عدولی کر کے شاید اپنی موت کو آواز دی ہے مگر اس سرکشی کا کچھ اور مطلب بھی تو ہو سکتا ہے۔ پھر وہ تصور میں توپوں کے گڑگڑانے کی صدائیں سننے لگی۔ اس کے ذہن میں کئی اندیشے بھوتوں کی طرح رقص کر رہے تھے۔

یکم جنوری ۱۸۰۱ء کا سورج بنفشی رنگ بکھیرتا طلوع ہوا۔

نیلم ندی کے اُس پار پہاڑیوں کی ترائی میں سویا ہوا ویرانہ جہاں خانہ بدوشوں نے پڑاؤ ڈالا تھا صبح کے شور میں ہولے ہولے جاگ رہا تھا۔ ندی کے ساتھ ساتھ درختوں اور جھاڑیوں پر چڑیوں کی چہکار اور جنگلی پھولوں کی مہک نئی زندگی کا احساس دِلا رہی تھی۔

یہ نئی صدی اور نئے سال کی پہلی صبح تھی۔ اسی ویرانہ میں رات خانہ بدوشوں نے گزشتہ سال کو الوداع کہی اور "شہزادی" کی بیسویں سالگرہ کا جشن منایا تھا ———

اب نشۂ عیش خمار کی انگڑائیوں میں ٹوٹ رہا تھا اور خانہ بدوشوں پر ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔ اِدھر سورج کی اوّلیں کرنیں مشرقی پہاڑیوں سے اُتر کر ویرانے کی شکستہ عمارت پر تھرتھرائیں، بستروں میں دُبکے ہوئے بادیہ نشین جمائیاں اور انگڑائیاں لیتے جاگ اُٹھے۔ اُدھر ریاستی سواروں کا ایک مسلح دستہ نیلم ندی کا پُل عبور کر کے ڈیرے کی طرف بڑھتا نظر آیا۔

اتنی سویرے ریاستی سپاہیوں کی آمد خالی از علت نہ تھی۔

بادیہ نشین جھونپڑوں اور خیموں کے غرفوں سے آنکھیں مَل مَل کر سواروں کو حیرت و تعجب سے دیکھنے لگے وہ ایک دوسرے کو معنی خیز اشارے کرتے باہر لپکے ان کے چہروں پر اضطراب و پریشانی نے کروٹیں بدلیں، آنکھوں کے گوشوں سے انجانا خوف جھانکنے لگا۔

ہولے ہولے وہ اُس میدان میں جمع ہو گئے جہاں رات روشنی نے رقص کے فتنے

کھڑے ہو کر سلیمان نے دونوں بازو بلند کیے اور بولا۔

"سردار کا قتل کسی سازش کا نتیجہ ہے اور انتقام ہمارا فرض ہے ہم یہ فرض پورا کریں گے۔ مگر اس سے پہلے تمہیں اپنے نئے سردار کا انتخاب کر لینا چاہیئے۔ قبائلی دستور کے مطابق صرف وہی شخص نیا سردار بن سکتا ہے۔ جو مرنے والے سردار کے خون کا بدلہ لے سکے ـــــ"

چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں "سردار سلیمان ...... سردار سلیمان ....."

سلیمان کہنے لگا ـــــ "مجھے تمہارے فیصلہ سے انکار نہیں لیکن میں بڈھا ہو چکا ہوں اور بڑھاپا مصلحت اندیش ہوتا ہے۔ وہ سوچتا زیادہ اور لڑتا کم ہے تم کسی جوان کو اپنا سردار بنا لو ـــــ"

اچانک مجمع میں شور اٹھا اور لوگ راستہ چھوڑنے لگے۔ سردار جگو کی بیٹی لوگوں کو پرے ہٹاتی ہجوم کے درمیان لپکتی جھپکتی چلی آ رہی تھی۔ خانہ بدوش خود بخود راستہ سے ہٹتے اور کٹتے چلے گئے۔ شہزادی تیر کی طرح سیدھی باپ کی لاش پر آئی اور جگر خراش لہجے میں ـــــ "بابا" ـــــ کہہ کر اس سے چمٹ گئی۔

باپ بیٹی کی آخری ملاقات کا منظر اس قدر درد آفریں تھا کہ کوئی شخص آنسو ضبط نہ کر سکا، سب رونے لگے۔ شہزادی کہہ رہی تھی۔

"بابا ـــــ ! اپنی لاڈلی کو تنہا کیوں چھوڑ گئے ...... میں تمہارے بغیر کیسے جی سکوں گی ..... مجھے بھی ساتھ لے چلو بابا ـــــ ! میں مر جاؤں گی .... مر جاؤں گی ......"

یہ کہہ کر شہزادی زور زور سے سخت زمین پر ٹکریں مارنے اور زخمی پرندے کی طرح تڑپنے، پھڑکنے لگی۔ سردار سلیمان اور کاشو نے فوراً اسے سنبھالا مگر وہ تو فرطِ الم سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان بہہ نکلا ـــــ دنیا میں ایسے مہربان اور محبت کرنے والے باپ بہت کم ہوتے ہیں جیسا باپ شہزادی کو نصیب ہوا تھا۔ پھر وہ اس کی موت پر کیوں نہ تڑپتی ـــــ کیوں نہ ٹکریں مارتی ـــــ یہاں تو عورتیں ہی نہیں مرد بھی رو رہے تھے۔

صدمہ سے نڈھال شہزادی نے سردار کے جسم پر کوڑوں کی ضربوں اور زخموں کو دیکھا

ریاستی سواروں کے مُڑتے ہی خانہ بدوش جو نقشِ حیرت بن گئے تھے۔موجِ دریا کی طرح حرکت میں آئے اور تیزی سے سردار کی لاش کی طرف جھپٹے۔سب سے پہلے کاشو اور بالی مُردہ جسم کے پاس پہنچے پھر سلیمان اور بوبگی آگے بڑھے۔اُن کے عقب میں خانہ بدوشوں کا ہجوم تھا۔سردار سلیمان نے جگو کی لاش کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا —— پُشت پر کھال کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے۔لہو رِس رِس کر زخموں پر جم گیا تھا۔سارے جسم پر کوڑے کے نشانات نیلی سیاہ دھاریاں بن کر اُبھر آئے تھے۔چہرہ بھی متورم تھا اور دونوں جبڑوں پر چوٹوں کے داغ تھے۔خانہ بدوشوں کی چیخیں نکل گئیں۔ان کا محبوب سردار —— جس نے اُن کی قبائلی زندگی کا رُخ موڑ دیا۔انہیں محنت و تجارت سکھائی، فوجی تربیت دے کر غیرت و شجاعت کے پُتلے بنا دیا۔اُن کے سامنے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ظالموں نے اُسے موت کے بھیانک ترین عذاب میں مبتلا کر کے جان لی تھی۔اُس پر چوری اور قتل کے ناقابلِ یقین الزام لگائے گئے تھے کیونکہ جگو نے اپنے قبیلہ کو چوری، رہزنی، ڈاکہ اور اغوا و فرار کی لعنتوں سے بچایا اور مشقت و تجارت کی نئی ڈگر پر ڈال دیا تھا۔وہ جھوٹ نہ بولتا تھا، کسی کو دھوکا نہ دیتا تھا مگر خود جھوٹ اور دھوکے کا شکار ہو گیا تھا۔

لوگوں کی آنکھوں میں آنسو اور دِل صدمہ کی ضرب سے چُور تھے۔اچانک سردار سلیمان جگو کی پیشانی پر بوسہ دیتا کھڑا ہوا اور بولا۔

"حکومت نے سردار جگو کو ختم نہیں کیا ہماری زندگی کی خوشیاں لوٹ لی ہیں۔اب وزیر سلطنت جعفر حکم دے رہا ہے ہم ریاست کی سرحد سے نکل جائیں۔جعفر نے ہماری غیرت کو للکارا ہے مگر ہم اس وقت تک چاند نگر سے نہیں جائیں گے جب تک سردار کے قتل کا انتقام نہ لے لیں۔"

کاشو پکارا —— "انتقام"

بالی للکارا —— "انتقام"

سب خانہ بدوش چلائے —— "انتقام انتقام"

وہ غم و غصہ سے پاگل ہو رہے تھے قبیلہ کے جس مرد، عورت، بچے، بوڑھے نے اس المناک حادثہ کی خبر سُنی بھاگا چلا آیا۔لوگوں کا جوش و خروش بڑھتا ہی گیا۔نوجوانوں کی نبضوں میں خون پگھل ہوئی آگ بن کر دوڑنے لگا۔پھر سردار جگو کی لاش کے سرہانے

آواز گونج رہی تھی ـــــــ

"اگر بابا چاند نگر کے محل میں قتل نہ ہوتا، ریاست کا وزیر اُس کے خلاف سازش نہ کرتا تو شاید میں سردار بننے کا فیصلہ نہ کرتی۔ مگر میں ایک ریاست کے وزیر سے نپٹنے کا طریق جانتی ہوں"۔

سب سے پہلے کاشو نے اس کی بات کاٹی ـــــــ

"یہ درست ہے تم بہادر باپ کی بہادر بیٹی ہو۔ سپہ گری میں کسی سورما سے مات نہیں کھا سکتیں۔ لڑنے کے گُر بھی جانتی ہو پھر بھی عورت ہو اور آج تک کوئی عورت خانہ بدوشوں کی سردار نہیں بن سکی ـــــــ"

"کاشو ـــــــ! میں سردار بننے کا فیصلہ کر چکی ہوں اگر کسی کو یہ فیصلہ منظور نہیں تو قبائلی دستور کے مطابق مقابلہ کے لیے تیار ہوں"۔

یہ کہہ کر شہزادی نے اپنی کلائی کی چوڑیاں توڑ ڈالیں، پاؤں سے جھانجھنیں اُتار کر پھینک دیں اور ہاتھ کلہاڑی کے دستہ پہ رینگ گیا۔

تمام لوگ تحیّر کے عالم میں دم بخود کھڑے تھے۔ بوڑھے مرد جو زمانے کے کئی رنگ دیکھ چکے تھے۔ شہزادی کے الفاظ کو وقت اور روایت کی ترازو میں تول رہے تھے نوجوانوں کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے ـــــــ کاشو اور بالی ایسے بہادر بھی "مقابلہ" کا لفظ سُن کر بغلیں جھانکنے لگے۔ اچانک سلیمان آگے بڑھا اور شہزادی کے پہلو میں آ کر رُک گیا۔ اس نے کہا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں آج تک کوئی عورت خانہ بدوشوں کی سردار نہیں بن سکی لیکن اُن میں شہزادی ایسی بہادر عورت بھی کہاں پیدا ہوئی جو سرداری کا دعویٰ کرتی سردار کے لیے پہلی اور آخری شرط بہادری ہے۔ اس میدان میں ہم شہزادی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پھر وہ سردار جگو کی بیٹی ہے۔ میں خانہ بدوشوں کی پُرانی روایت کو توڑ کر شہزادی کو سردار تسلیم کرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر بوڑھے سلیمان نے بیٹی سے اپنی کلہاڑی نکال کر شہزادی کے سامنے ڈھیر کر دی اور کمر تک جُھک گیا پھر دوسرے لوگ بھی اپنی کلہاڑیاں پھینک کر جُھکتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب نوجوان کاشو نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی۔ تمام مرد و زن شہزادی کے سامنے

اور چیخ کر بولی۔

"بابا ——— ! تم نے زندگی میں کسی کی تلوار کا زخم نہ کھایا تھا یہ کوڑے کیسے برداشت کر لیے ——— ؟"

پھر دیوانوں کی طرح اُس کے زخموں کو چومنے لگی۔ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ سردار کا منجمد لہو چاٹ کر شہزادی کی حالت یک لخت تبدیل ہو گئی۔ اُس نے آنسو پونچھ دیئے۔ حیرت انگیز عزم و حوصلہ کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ لوگوں نے بھی اپنے دلوں میں ایک طوفانی لہر کو رُخ کاٹتے ہوئے محسوس کیا۔ پھر وہ سردار سلیمان سے مخاطب ہوئی۔

"سردار سلیمان! میرے آنے سے پہلے تم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا؟"

سلیمان نے بتایا وزیر جعفر نے پیغام بھیجا ہے۔ غروبِ آفتاب سے پہلے ہم چاند نگر کی سرحد سے نکل جائیں لیکن میں سوچ رہا ہوں ہمیں اپنا نیا سردار منتخب کر لینا چاہیے۔ ایسا سردار جو جگو کے خون کا انتقام لے سکے"۔

"کوئی سردار چُن لیا گیا؟"

"نہیں ———"

شہزادی کی آنکھوں میں ایک نئی چمک پیدا ہوئی۔ اُس نے دونوں ہاتھ اپنے کولہوں پر ٹکا لیے اور شیرنی کی طرح تن کر کھڑی ہو گئی۔ پھر خانہ بدوش مردوں اور عورتوں نے اُس کی آواز سنی۔

"بابا جو رتھانہ ڈاکو ——— وہ طاقت، غیرت اور آن رکھتا تھا۔ چاند نگر کے محل میں اُسے دھوکے سے قتل کیا گیا اور قبائلی دستور کے مطابق انتقام لیے بغیر ہم پر نیند حرام ہے۔ وہ تمہارا سردار مگر میرا باپ تھا اور اپنے باپ کے لیے میں تم سے زیادہ غیرت اور حق رکھتی ہوں۔ اس لیے میرا فیصلہ ہے بابا کے خون کا انتقام لینے کے لیے میں خود قبیلہ کی سردار بنوں گی ...."

یہ اعلان سُن کر لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔ کاشو اور بالی کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ سردار سلیمان۔ بونگی۔ لالو اور رنگا جیسے بڑے بوڑھے اور تجربہ کار لوگ تحیر زا نظروں سے شہزادی کو دیکھنے لگے ——— قبیلہ کی عورتیں اور دوشیزائیں بھی حیرت سے ایک دوسرے کو تکنے لگیں ——— مجمع پر سناٹا طاری ہو گیا اور اس سناٹے میں شہزادی کی

(۱۴)

سردار جگو کے مرنے کی خبر سنکر شہزادہ قاسم تڑپ اُٹھا۔ یہ اطلاع مدار المہام جعفر نے بھجوائی تھی کہ اپنے جرم سے گھبرا کر رات جگو نے جیل میں خودکشی کر لی ہے۔ ریاستی سواروں کے ہمراہ اس کی لاش خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر بھیج دی گئی اور اُنہیں چاندنگر سے چلے جانے کا حکم دے دیا گیا ہے تاکہ خانہ بدوش کوئی شرارت نہ کر سکیں۔

یہ سب کچھ سُن کر قاسم کو یوں لگا جیسے جعفر نے اُس کے کلیجے میں گھونسا مار دیا ہو۔ وہ سردار جگو کو مجرم نہ سمجھتا تھا۔ اُسے رات بھر زنداں میں رکھنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ خود اس واقعہ کی تحقیق کرنے اور جعفر کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے کی فکر میں تھا۔ جگو کی "خودکشی" ایک افسانہ تھا جس کی آڑ میں جعفر نے اپنے خلاف سب سے بڑا ثبوت ختم کر دیا۔ گویا ولی عہد کے احکام کی واضح خلاف ورزی کی گئی تھی۔ اُس نے بڑے غصّے میں حکم دیا۔

"داروغہ جیل کو ابھی حاضر کیا جائے"۔

اور دل پکڑ کے بیٹھ گیا۔ ایک عجیب سا غم جس کا کوئی نام نہ تھا جگر کو کاٹنے لگا۔ ایک نامعلوم صدمہ سے جس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ دل ڈوبنے لگا، حیران تھا یہ کیا

سرنگوں ہو چکے تھے جو کولہوں پہ ہاتھ ٹکائے سروِ قد کھڑی تھی۔ پھر کاشو نے بھی اپنی کلہاڑی زمین پر ڈھیر کر کے گردن جھکا دی۔

جگو کی بیٹی خانہ بدوشوں کی سردار بن گئی۔ اس نے لوگوں کو سر اٹھانے کا حکم دیا اور فیصلہ کن آواز میں بولی۔

"خیمے اکھاڑ لو، جھونپڑے اٹھا لو۔ ہم آج ہی چاند نگر سے روانہ ہو جائیں گے"۔

چند ہی لمحوں کے بعد خانہ بدوش کھنڈر کے اردگرد جمع تھے اور سردار جگو کو قبائلی اعزاز کے ساتھ اس کی بیوی زینو کے پہلو میں دفن کیا جا رہا تھا۔

"وہ فوری ملاقات چاہتے ہیں۔"

ولی عہد خود بختیار مرزا کے مشورہ و مصاحبت کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کیونکہ سردار جگو کے قتل نے اُسے بے حد غمگین و پریشان کر دیا اور وہ سمجھتا تھا۔ بختیار اسے بتا سکے گا کہ وہ خانہ بدوش جگو کی بیٹی کے صدمہ میں کس طرح شریک ہو۔ وزیرِ سلطنت جعفر کے متعلق کیا حکم صادر کرے اور فوراً اُسے طلب کر لیا۔

جیل کا داروغہ گردن لٹکائے باہر نکل رہا تھا جب بختیار مرزا آندھی کے جھونکے کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑی جلدی میں ہے اور انتہائی اہم باتیں گوش گزار کرنا چاہتا ہے مگر ولی عہد پر نگاہ پڑی۔ اُسے ملول، پریشان اور برافروختہ دیکھا تو ٹھٹکا اور حیرت زدہ سا پوچھنے لگا۔

"صاحبِ عالم! چہرے پر غصہ اور آنکھوں میں غم کیوں؟"

"ہمارے مدار المہام نے رات سردار جگو کو قتل کر دیا۔ لاش خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر پھنکوا دی"۔ ولی عہد کا لہجہ افسردہ تھا۔

بختیار مرزا نے بھیل سواروں کے ہمراہ نیلم ندی کا پل عبور کرنے سے پہلے پہاڑی ویرانے میں خانہ بدوشوں کا ڈیرا دیکھا مگر یہ نہیں جانتا تھا وہ سردار جگو کا قبیلہ ہو گا۔ حیران ہو کر بولا۔

"سردار جگو چاند نگر میں کب آیا؟"

شہزادہ قاسم نے بتایا کہ خانہ بدوش بہادری کے مقابلوں میں شریک ہونے آئے تھے۔ اُن کی طرف سے جگو کی بیٹی نے ولی عہد کا مقابلہ کیا اور وہ اسے شکست نہ دے سکا مگر رات کو سردار جگو پُراسرار طور پر محل کے اندر موجود تھا اور اس نے اپنی جان پر کھیل کر ولی عہد کو قتل کی ایک ہولناک سازش سے بچایا جس میں یقیناً جعفر اور انگریز ریذیڈنٹ شریک تھے اُس نے واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ سازش کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے سردار جگو کو احتیاطاً زنداں میں ڈالنے اور صبح پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا مگر جعفر نے رات ہی اُس کی جان لے لی۔

بختیار مرزا یہ سب کچھ سن کر دنگ رہ گیا۔ جہاں خانہ بدوش سردار کا قتل انتہائی الم ناک تھا وہاں شہزادی کے مقابلے سے لے کر سردار جگو کے شاہی محل تک پہنچنے اور ولی عہد کو ایڈگر بلیک کے حملے سے بچانے کے تمام واقعات انتہائی سنسنی خیز تھے۔ وہ پریشان سا

ہوگیا۔ بات صرف اتنی نہ تھی کہ سردار جگو کی بیٹی سے محبت کا تقاضا کچھ اور تھا۔ پریشان صرف اس نہ تھا کہ شہزادی چاندنگر کے بارے میں کیا سوچے گی، کیا رویہ اختیار کرے گی بلکہ یہ غم، یہ صدمہ تو کسی اور ہی نوعیت کا تھا۔ جیسے سر پہ آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔ جیسے زمین پاؤں تلے سے نکل گئی ہو۔ رات اس نے سردار جگو کا چہرا دیکھا جس پر شفقت کا رنگ تھا۔ آنکھوں میں جھانکا تو وہاں کوئی اور ہی مضمون تھا اور اب وہ چہرا تصور میں بار بار اُبھرتا۔ وہ آنکھیں رہ رہ کر تڑپائے جا رہی تھیں۔ وہ چہرا کسی دشمن کا نہیں، اپنا تھا۔ اُن آنکھوں میں نفرت نہیں، شفقت اور محبت تھی۔ کیسا تھا وہ چہرا۔ کیسی تھیں وہ آنکھیں ——— قاسم سوچتا اور تڑپتا رہا۔ نجانے کیوں دِل بیٹھا جا رہا تھا اور اندر ایک ٹوٹ پھوٹ سی جاری تھی مگر اس ٹوٹ پھوٹ کا سبب جاننے سے قاصر تھا۔

اسی اثنا میں چوبدار نے داروغہ جیل کے آنے کی اطلاع دی۔ خود کو سنبھالتا ہوا اٹھا اور حاضری کی اجازت دی۔ داروغہ ابھی سلام سے فارغ نہ ہوا تھا کہ اس نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ہر سوال کا ایک ہی جواب تھا۔

"جو کچھ کیا وزیرِ سلطنت جعفر نے کیا۔"

"کیا کیا جعفر نے؟"

داروغہ نے بتایا۔ "وزیرِ سلطنت اپنے نائب گیجی کے ہمراہ جس کے ہاتھ میں چرمی کوڑا تھا، سردار جگو کی کوٹھڑی میں چلا گیا اور صبح سردار کی لاش ایک ٹکٹکی سے اُتاری گئی ——" شہزادہ قاسم نے شدتِ کرب سے منہ دوسری طرف پھیر لیا کہ داروغہ اس کی آنکھوں میں پانی کی چمک نہ دیکھ سکے جو سردار جگو پر ہونے والے ظلم کی حقیقت جان کر آنکھوں میں تیر گیا تھا مگر داروغہ نے ایک اور سنسنی خیز انکشاف کر کے اُسے دم بخود کر دیا۔

"حضور! رات بیگم محل کی کنیز مرجینا اور ساؤ ملکہ بیگم کا حکم نامہ لے کر آئے تھے کہ سردار جگو کو اسی وقت ہمارے حضور پیش کیا جائے۔ جعفر بھی ساتھ حاضر ہو مگر مدار المہام نے اُنہیں مایوس لوٹا دیا اور ملکہ بیگم کو پیغام بھیجا تھا کہ صبح تک انتظار کریں۔"

"تاکہ وہ صبح تک سردار جگو کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر سکے؟"

شہزادہ قاسم اس طرح تڑپا جیسے چاہتا ہو کہ ابھی جعفر کو موت کی نیند سُلا دے مگر کوئی حکم جاری نہ کر پایا تھا کہ چوب دار نے بختیار مرزا کی ہنگامی آمد کی اطلاع دی اور بتایا۔

"تم قصرِ سفید میں انتظار کرو۔ ہم امی حضور کو دیکھ کر وہیں آئیں گے اور تمہاری کہانی سُنیں گے۔"

یہ کہہ کر اُسی حالت میں بگولے کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ کنیز غبارِ راہ کی مانند پیچھے پیچھے اُڑتی چلی گئی اور بختیار مرزا وہیں حیران و ششدر دم بخود کھڑا رہا۔ جگو کے قتل کی خبر سن کر ملکہ بیگم کا بیہوش ہو کے گرنا ایک طرفہ تماشہ تھا جو فہم و ادراک سے بالاتر تھا۔

آج شام کو ولی عہد کی تخت نشینی کا جشن تھا۔ ملکہ بیگم کو تمام اختیاراتِ حکومت بیٹے کے سپرد کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا اور قاسم کو ریاست کے نئے حکمران کی حیثیت میں تخت پر بیٹھتے دیکھ کر چاند نگر کی آزادی کا صدقہ اُتارنا تھا۔ لباسِ فاخرہ زیب تن کر کے خواتین و بیگمات کی "مبارک بادیں" قبول کرنا تھیں کہ اُس کا بیٹا والیٔ ریاست کی مسند پر بیٹھا ہے مگر بیگم محل میں صورتِ حال دن چڑھتے ہی اچانک خراب ہو گئی اور ملکہ بیگم کی بے ہوشی و بیماری نے اُن بیگمات و خواتین کو بھی بڑا بے چین و غمگین سا کر دیا جو مبارک باد دینے آئی۔ انتظار گاہ میں بیٹھی تھیں۔ مدار المہام جعفر کی بہن بیگم زمانی کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آتی اور اس بے ہوشی کا سبب جاننے کے لیے کنیزوں کی ٹوہ میں تھی۔ ناگہاں ولی عہد ذیشان شہزادہ قاسم کی آمد کا اعلان کیا گیا اور بہت سی نظریں چلمنوں کی جھلملیوں سے نکل کر غلام گردش میں دوڑ گئیں۔

شہزادہ ایک بُری خبر سُننے کے باوجود بڑے وقار سے چلتا ملکہ بیگم کے کمرۂ خاص کی طرف بڑھا جو اُوپر تھا مگر جب "انتظار گاہ" کے قریب سے گزرا "مبارک، سلامت" کی آوازیں کانوں میں پڑیں۔ وہ چُپ چاپ چلتا رہا۔ زینے کے دروازے پر راجپوت محافظ سادُو نے ننگی تلوار لہرا کر سلامی دی۔ جب سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر پہنچا، مرجینا نے آگے بڑھ کر ریشمی پردہ ہٹایا اور صاحبِ عالم کو لے کر کمرۂ خاص میں داخل ہوئی۔

ملکہ بیگم کو ہوش آچکا تھا۔ قاسم سعادت مندی کے جذبہ سے قریب پہنچا۔ ماں کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور مضطرب سے لہجے میں بولا۔

"امی حضور! ابھی ابھی خبر سُنی کہ آپ بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

"ہاں ——— ایسا ہی ہوا تھا۔" اس نے کمزور آواز میں جواب دیا۔

"شاید سادُو نے آپ کو سردا جگو کے قتل کی خبر سُنائی تھی۔"

ہو کر پوچھنے لگا۔

"سردار جگو رات کے وقت شاہی محل میں کیوں اور کس راستے داخل ہوا ؟"

"ہم نے سردار سے محل میں آنے کا مقصد پوچھا مگر اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف خاموش رہا۔"

"سردار کی خاموشی کا مطلب کیا ہو سکتا ہے ؟"

"کچھ بھی ہو مگر وہ ہمارا محسن تھا۔ اس نے ایک یقینی خطرے سے ہماری جان بچائی۔"

"ممکن ہے اُسے جعفر اور ریذیڈنٹ کی سازش کا پہلے ہی علم ہو گیا ہو اور کسی کو اطلاع دینے کی بجائے اُس نے خود محل میں گھس کر آپ کو بچانے کی ترکیب سوچی ہو۔"

"ہم کچھ نہیں جانتے بختیار مرزا ! مگر یہ ضرور سمجھ گئے ہیں کہ جعفر انگریز ریذیڈنٹ کے اشاروں پر کھیل رہا ہے۔ وہ ہمارے قتل کی سازش میں شریک تھا۔ ورنہ سردار جگو کی جان نہ لیتا۔"

بختیار مرزا کو فوراً اپنی حاضری کا مقصد یاد آیا۔ "صاحبِ عالم ! میں بھی ایک بہت بڑی سازش کی خبر لے کر جگنا بن سے بھاگا آیا ہوں۔ انگریزی فوج چاند نگر پر حملہ کے لیے چلی آتی ہے اور گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ ...."

ٹھیک اُسی لمحے بیگم محل کی نوجوان کنیز شگفتہ بھاگی بھاگی، گھبرائی گھبرائی کمرے میں داخل ہوئی اور کمر تک جھکتی بولی۔

"صاحبِ عالم کو ملکۂ عالیہ نے یاد فرمایا ہے۔ میرے منہ میں خاک، اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"کیا ہوا اُن کی طبیعت کو ؟"

"بس کنیز اتنا جانتی ہے، ساؤ تھوڑی دیر پہلے خانہ بدوشوں کے سردار جگو کے قتل کی خبر لے کر آیا تھا۔ خبر سنتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں اور گرتے گرتے حضور کو یاد فرمایا......"

"یہ کیا کہہ دیا تُو نے ؟" ولی عہد کی آواز کانپ رہی تھی۔

"سچ عرض کیا ہے صاحبِ عالم !"

ولی عہد سردار جگو کے قتل پر خود پریشان تھا لیکن اس کے قتل کی خبر سُن کر ملکہ بیگم کی بیہوشی تو سمجھ میں نہ آنے والا معمّا تھا۔ بیگم محل کی کنیز نے ایک حیرت انگیز اور ناقابلِ فہم خبر سنائی تھی۔ وہ گھبرا کر اُٹھا اور بختیار مرزا سے بولا۔

بھیل سردار حیدری میرے ہی حکم پر اسے جنگلوں میں ڈھونڈنے نکلا تھا مگر تمہارے جشنِ جلوس پر وہ خود بخود اپنے قبیلے کو لے کر چاند نگر میں آ پہنچا اور اُس کی بیٹی نے تمہارا مقابلہ کیا۔ تمہاری تلوار کو توڑ دیا کیونکہ سردار جگو کی تربیت موم کو بھی آہن بنا دیتی ہے۔ اُس کی گزشتہ خدمات کا کچھ صلہ دینے کے لیے رات میں نے جگو کو محل میں طلب کیا تھا مگر مجھ سے ملنے کی بجائے وہ موت سے جا ملا اور تمہاری خاطر اس نے اپنی جان قربان کر دی تبھی اس کے قتل کی لرزہ خیز خبر سنتے ہی حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ دِل کٹ کے رہ گیا"۔

اس کے ساتھ ہی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر رخساروں پہ بہنے لگے۔ شہزادہ قاسم یہ باتیں سنکر، یہ منظر دیکھ کر سکتے میں آ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک خانہ بدوش نے چاند نگر کی آزادی کے لیے کوئی ایسی عظیم قربانی دی ہوگی۔ کوئی ایسا بڑا احسان کیا ہوگا جس کا بدلہ چکانے کی خواہش نے ملکہ بیگم کو بیس سال تک بے چین و مضطرب رکھا اور جب بدلہ چکانے کی ساعت آئی، غدار جعفر نے چاند نگر کے محسن کو ڈس لیا۔ سردار جگو کی موت پر قاسم اپنے دل میں ایک ایسا شگاف پڑ گیا تھا جس کا کوئی نام نہ تھا مگر ملکہ بیگم کی زبان سے اُس کی مہربانیوں کا ذکر سنکر تو کلیجے میں خنجر سے اُترتے محسوس کیے۔ دِل میں غم کے بھنور پڑنے لگے اور سخت بے چین اور افسردہ نظر آنے لگا۔ کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کیا کہے، کیا نہ کہے، آخر ملکہ بیگم ہی بولی۔

"صاحبِ عالم! تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ اس غم کا مداوا کر سکو"۔

"آپ کو صرف حکم دینا ہے امی حضور! تعمیل آپ کے بیٹے کا فرض ہے"۔

"میں سردار جگو کی بیٹی کا دکھ تو نہیں بانٹ سکتی مگر اُس سے ملنے کی طلب گار ہوں۔ شہزادی کو گلے سے لگا کر اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں کہ جگو کو محل میں بلایا مگر اس کی حفاظت کا بندوبست نہ کر سکی۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد وہ یتیم آنسو بہا رہی ہوگی، ماتم کر رہی ہوگی۔ تم جگو کی بیٹی کو میرے پاس لے آؤ شاید مجھ سے ملنے کے بعد اُس کے غم کی شدت کچھ کم ہو جائے۔ شاید میں اُس کے لیے کچھ کر سکوں"۔

یہ طلب تو ایسی تھی جس کے لیے خود ولی عہد تڑپ رہا تھا۔ بیٹے کے دِل کی خواہش ماں کے ہونٹوں پہ آ گئی تھی مگر غمگین سے لہجے میں بولا۔

"امی حضور! آپ نے کہنے میں بہت دیر کر دی"۔

قاسم کا خیال تھا۔ وہ اس بات کی تردید کرے گی کیونکہ کسی خانہ بدوش کی موت اتنی اہم نہیں ہو سکتی کہ ملکہ بیگم بے ہوش ہو کے گر پڑے مگر اپنے سوال کے جواب میں اُس نے جو کچھ سُنا جو کچھ دیکھا وہ توقع کے بالکل برعکس بلکہ حیرت انگیز تھا۔ خانہ بدوشوں کے سردار کا نام سُنتے ہی ملکہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں اور لرزتی کپکپاتی آواز میں بولی۔

"کاش! جگو کی آئی مجھے آجاتی قاسم! کاش! نمک حرام جعفر نے اُس کی بجائے مجھے ٹکٹکی پر باندھ کر ہلاک کر دیا ہوتا ——"

قاسم لرز اُٹھا —— "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی حضور!"

"جو کچھ دِل پر بیت رہی ہے وہی کہہ رہی ہوں۔ کیا تمہارا دِل اس بات کو مانتا ہے کہ جگو تمہیں قتل کرنے آیا تھا؟"

"نہیں مگر جب سردار سے پوچھا گیا وہ شاہی محل میں کیوں آیا تھا اُس نے خاموشی اختیار کی اور زبان نہیں کھولی۔"

"اگر جگو کا بند بند کاٹ دیا جاتا پھر بھی اس کی زبان نہ کھلتی۔ وہ کچھ نہ بولتا۔ کیونکہ اُسے مَیں نے بلایا تھا ——"

"آپ نے بُلایا تھا" شہزادہ قاسم فرطِ حیرت میں کھڑا ہو گیا "کیوں؟"

"تاکہ اس کی مہربانیوں کا بدلہ چکا سکوں۔"

"امی حضور! ہم آپ کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آخر ایک خانہ بدوش آپ پر کیا مہربانیاں کر سکتا تھا؟"

"تم نہیں جانتے قاسم! سردار جگو کے مجھ پر کتنے احسان ہیں" ملکہ رندھے ہوئے لہجے میں کہنے لگی —— "وہ چاند نگر کا محسن تھا۔ تمہارے لیے اپنے دِل میں بے پناہ شفقت رکھتا تھا۔ اس پر کتنی ہی بڑی قیامت بیت جاتی پھر بھی تمہارے لیے اس کے ہونٹوں سے دُعا ہی نکلتی کیونکہ وہ اُن وفاداروں میں سے ایک تھا جو چاند نگر کی آزادی کے لیے تڑپتے رہے۔ آج سے بیس برس پہلے سردار جگو نے اس ریاست کی آزادی کے لیے ایک ایسی قربانی دی تھی جس نے ہم سب کو نئی زندگی بخش دی۔ آج اگر چاند نگر آزاد ہے تو صرف اس لیے کہ جگو نے ہماری بیڑیاں کاٹ دی تھیں۔ مَیں کئی سال سے اس کی تلاش میں تھی مگر وہ ہم پر احسان کر کے ایسا غائب ہوا کہ پھر اس نے شکل بھی نہیں دکھائی۔ تم یہ بھی نہیں جانتے صاحبِ عالم!

مالکن کو سنبھالا اور آنسو بہاتی شہزادے سے مخاطب ہوئی ———

"صاحبِ عالم! آپ کی جیجی بھی یہی کہتی ہے ۔شہزادی کو روک لیں۔"

پھر بگولے کی طرح باہر لپکی ۔ فوراً دو تین خواصیں اس کے ساتھ بھاگی آئیں شگفتہ شاہی طبیب کو بلانے دوڑ گئی اور ملکہ بیگم کے سرہانے پھر مورچھل ہلنے لگے ۔شہزادہ قاسم سخت پریشان تھا ۔مرجینا نے سرگوشی کی ۔

"صاحب عالم! اگر آپ نے دیر کر دی تو جانے والے دُور نکل جائیں گے۔"

وہ چونکا ۔" مگر امی حضور کی حالت . . . . . . "

"مَیں نے شاہی طبیب کو بُلا لیا ہے آپ فکر مند نہ ہوں۔"

قاسم بڑی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلا ۔چہرے پر فکر و تشویش کی پرچھائیاں سی کانپ رہی تھیں ۔دماغ ملکہ بیگم کی بیماری میں اور دلِ سردار جگو کی بیٹی کی روانگی میں اٹکا تھا ۔سوچا اُسے تو خود شہزادی کو روکنے کا جتن کرنا چاہیئے تھے ۔ بڑی افراتفری میں اپنے کمرے تک پہنچا اور فوراً بھیل سردار منصور کاکا کو طلب کیا ۔صرف وہی ایک شخص ایسا تھا جو ولی عہد کے الفاظ کی اہمیت سمجھتا اور اُنہیں عملی جامہ پہنا سکتا تھا ۔

"منصور کاکا! آج ہم ایک بڑی خدمت تمہارے سپرد کرتے ہیں ۔خوب غور سے سُن لو ۔یہ صرف ہماری نہیں ملکہ بیگم کی بھی خواہش ہے کہ خانہ بدوشوں کا راستہ کاٹو ۔اُنہیں چاند نگر سے جانے نہ دو اور شہزادی سے کہو کہ ملکہ بیگم نے اُسے بلایا ہے"۔

بھیل سردار یہ حکم سن کر چونکا خانہ بدوش لڑکی سے ولی عہد کی دلچسپی کا راز تو جانتا تھا مگر ملکہ بیگم بھی شہزادی میں دلچسپی لے گی یہ بات اُس کے لیے بڑے معنی رکھتی تھی ۔ فوراً سر جھکا کر بولا ۔

"ہم ابھی جات رہے سرکار! اور بنجاروں کو رستے میں گھیر لیویں۔"

"بھیل سواروں کا پورا دستہ ساتھ لے کر جاؤ ۔تم خانہ بدوشوں کے راستوں سے واقف ہو ۔ضرور اُنہیں ڈھونڈ لو گے مگر زبردستی کی ضرورت نہیں ۔شہزادی ملکہ بیگم کا پیغام سُن کر واپس نہ آئے تو اس کے کان میں کہہ دو ——— بہادر نے بلایا ہے ۔وہ لوٹ آئے گی مگر یہ نہیں بتانا کہ ہم ہی بہادر ہیں ۔ وہ ہمیں ایک شکاری کی حیثیت سے جانتی ہے ۔ ہمارا مطلب سمجھ رہے ہو؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"خانہ بدوش چاند نگر سے چلے گئے"۔

"کب چلے گئے؟" آواز کے ساتھ ملکہ بیگم کا دل بھی کانپ رہا تھا۔

"آج سویرے جب اُن کے ڈیرے پر سردار کی لاش کے ساتھ جعفر کا یہ حکم بھی پہنچا تھا کہ وہ چاند نگر سے فوراً نکل جائیں"۔

یہ خبر ملکہ بیگم کے دل و دماغ پر بجلی بن کر گری۔ تڑپ کر مسہری سے اُٹھی اور قاسم کو شانوں سے پکڑ کر گلوگیر آواز میں کہنے لگی۔

"سردار جگو کی بیٹی کو روک لو صاحبِ عالم! وہ مجھ سے ملے بغیر نہیں جا سکتی۔ خانہ بدوشوں کے پیچھے سوار دوڑاؤ۔ اُن کا راستہ کاٹو۔ اُنہیں واپس بلاؤ۔ شہزادی انعام کی بجائے زخم کھا کر جا رہی ہے —— اُسے ہر قیمت پر روک لو۔ تمہاری ماں تم سے التجا کر رہی ہے کہ شہزادی اپنی آنکھوں میں آنسو لے کر نہ جائے۔ بس اُسے ایک بار میرے پاس لے آؤ۔ صرف ایک بار مجھ سے ملا دو۔ ورنہ مجھے زندہ نہیں پاؤ گے قاسم!"

ملکہ بیگم کی آنکھوں سے چھما چھم آنسو برس رہے تھے۔ اگرچہ خانہ بدوشوں کو روک لینا۔ شہزادی کو واپس لے آنا خود شہزادہ قاسم کے دل کی آواز تھی مگر وہ ملکہ بیگم کی گھائل ممتا کا درد نہ جانتا تھا۔ اُسے یہ حقیقت معلوم نہ تھی کہ بیس سال کے بعد پہلی بار بیٹی ماں کے شہر میں آئی اور اُس سے ملے بغیر لوٹ رہی تھی۔ ملکہ بیگم پر اس سے بڑی قیامت اور کیا ٹوٹ سکتی تھی مگر زبان کو افشائے راز کا یارا نہ تھا۔ یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ شہزادی کو کیوں روکنا، کیوں گلے لگانا چاہتی ہے بس یہ بتائے بغیر کہ وہ اس کی بیٹی ہے ممتا کی ماری تڑپ رہی تھی، رو رہی تھی، روئے جا رہی تھی۔

اس کی بے قراری اور آنسو دیکھ کر قاسم بھی از خود رفتہ ہوا جا رہا تھا۔ ذرا حوصلہ کر کے بولا۔

"آپ کا حکم ہے تو خانہ بدوشوں کو روکنے کی کوشش کی جائے مگر اُن کے اپنے راستے اپنی منزلیں ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں مل بھی سکیں گے نہیں"۔

یہ سنتے ہی ملکہ بیگم کا جسم کانپنے لگا۔ شدتِ غم سے چہرہ زرد پڑ گیا اور قاسم کے سنبھالتے سنبھالتے دوبارہ غش کھا کر مسہری پر گر پڑی۔ وہ بدحواس ہو گیا۔ مرجینا نے اپنی

بھیل سردار حیدری چاچا کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا ——— گڑھی بکرم اور چندا مکھی گاؤں کے درمیان جنگل کنارے ایک بھیل سردار کو خون میں لت پت دیکھا گیا تھا۔ اُسے شیر نے گھائل کیا اور دیکھنے والے نے بتایا کہ بھیل سوار اور اس کا گھوڑا دونوں مر گئے تھے اور شیر نالے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف نکل گیا تھا۔

جب اودھے راؤ کو چاند نگر کے بھیل سردار کے مرنے کی خبر ملی اس نے اپنے نائب ساؤجی کو بھیجا کہ لاش اٹھالائے تاکہ دفن کر دی جائے مگر دوسرے دِن ساؤجی نے آکر بتایا کہ لاش غائب ہے۔ پہلے تو یہی سمجھا گیا کوئی درندہ لاش کو لے گیا ہے مگر تیسرے روز ایک پاسی نے ٹھاکر بتایا۔ جس دن بھیل سردار مرا اُسی دِن انگریز شکاریوں کی ایک پارٹی گھوڑوں پر سوار ادھر سے گزری۔ پارٹی میں کسی ہندوستانی ریاست کی کوئی راجکماری بھی تھی۔ اُس نے اپنے نوکروں کو لاش اُٹھانے کا اشارہ کیا اور وہ لوگ بھیل سردار کی لاش گھوڑے پر لاد کر شمال کی طرف نکل گئے۔ راجکماری کے ایک ملازم نے پاسی سے پُوچھا تھا ہاتھی کہاں ملتے ہیں کیونکہ وہ ہاتھیوں کا شکار کھیلنے آئے ہیں۔

اس سوال پر پاسی گھبرا کے بھاگ نِکلا۔ گڑھی بکرم۔ چندا مکھی۔ بندھیل گاؤں۔ گڑھی بہادر سین اور آس پاس کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں جہاں بھیل، گوند، کوہلی، میگھواڑ، پاسی، کاچھی، چمار رہتے ہیں۔ یہ بات مشہور رہے کہ ہاتھیوں کے رُوپ میں گنگوجی جنم لیتے ہیں۔ ایک بار اس یوگی نے گنگوا ہاتھی کے رُوپ میں جنم لیا تھا۔ سب پاسی، کاچھی ہاتھیوں کو گنیش دھاری اور گنگوجاری سمجھتے، اُن کی پُوجا کرتے اور ان کے شکار کو پاپ جانتے ہیں جبھی پاسی بھاگ گیا تھا مگر اُس نے بتایا جب بھیل سردار کی لاش گھوڑے پر لادی گئی لاش کے مُنہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ سمجھ گیا کہ بھیل سردار کا بھُوت گنگوجی کے دشمنوں کو جھپٹ جلائے گا۔

اس کہانی میں دو باتیں حیرت انگیز تھیں۔ انگریز شکاریوں کے ساتھ راجکماری بھیل سردار کی لاش گھوڑے پر لدوا کے لے گئی اور اُس لاش کے مُنہ سے چیخ نکلی تھی۔ جب مَیں نے یہ کہانی اپنے بھیل سواروں کو سُنائی اُنھوں نے اصرار کیا۔ ہمیں انگریز شکاریوں کا کھوج لگانا چاہیئے۔ مَیں خود یہی چاہتا تھا۔ ٹھاکر اودھے راؤ نے ایک گوند راہبر کو ہمارے ساتھ بھیج دیا۔ جب ہم گڑھی بہادر سین پہنچے۔ پتہ چلا انگریز شکاریوں نے جُگنابن

"سمجھ رہے حضور!"

"پھر جاؤ اور فوراً ان کا پیچھا کرو۔ وہ ابھی چاند نگر کی سرحد سے نہیں نکلے ہوں گے۔"

منصور کاکا انہی پیروں لوٹ گیا۔ خانہ بدوشوں کو روکنے اور چاند نگر واپس لے آنے کا کام اُس کے سپرد کر کے شہزادہ قاسم کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ اب اسے بختیار مرزا یاد آیا جو سازش کی نئی خبر لے کر آیا تھا۔

"قصرِ سفید" کے گول کمرہ کے باہر بھی پہرے دار موجود تھے۔ کیونکہ اس سے ملحقہ کمرۂ انتظار میں بختیار کے کچھ خاص مہمان بٹھائے گئے تھے اور اُن کی موجودگی میں کسی کو کمرۂ انتظار میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ ولی عہد ذی شان کی آمد کا اعلان سُن کر بختیار مرزا فوراً دروازے پہ نمودار ہوا اور اس کا استقبال کیا۔

دونوں گول کمرے میں تنہا تھے۔ بختیار نے سب سے پہلے ملکہ بیگم کے بارے میں دریافت کیا۔ شہزادہ نے بتایا۔

"اُن کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔ شاہی طبیب اور خواصیں انہیں دیکھ رہی ہیں۔ خانہ بدوشوں کو روکنے کے لیے منصور کاکا کو بیس سواروں کے ہمراہ روانہ کر دیا ہے کیونکہ ملکہ بیگم سردار جگو کی بیٹی سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"یہ تو اچھی خبر ہے صاحبِ عالم! اب اگر اجازت ہو تو میں بُری خبر بھی عرض کروں ——"

"ہم بُری خبریں سُننے کے عادی ہو چکے ہیں بختیار مرزا!" ولی عہد ایک کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا —— "ہم نے تمہیں حیدری کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خاطر گڑھی بکرم کے ٹھاکر ادھے راؤ کے پاس بھیجا تھا۔ تم کیا خبر لے کر آئے؟"

بختیار بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور بولا۔

"صاحبِ عالم! اگر میں ٹھاکر ادھے راؤ سے نہ ملتا تو زندگی بھر پچھتاتا رہتا۔ آدم خور ببر کو شکار کرنے کی کوشش میں ٹھاکر کی ٹانگ پر ضرب آئی تھی مگر اب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ اُس نے گڑھی بکرم میں میرا شاندار سواگت کیا۔ جب میں نے

وہ ہمارے کپڑوں ہی سے سمجھ گیا تھا کہ ہم جوگی ہیں پھر بھی بولا۔

"تم کو کیمپ کمانڈر کے پاس چلنا ہے۔"

وہ ہمیں خاردار کیمپ کے اندر ہانک لائے اور صرف مجھے کیمپ کمانڈر کے سامنے پیش کیا۔ وہ کرنل ونگ تھا۔ اس کے خیمہ میں دو انگریز افسروں اور نیپالی راجکماری کو بھی دیکھا اور اسے دیکھتے ہی حیران و ششدر رہ گیا کیونکہ وہ ہو بہو ریاست گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ تھی مگر میں نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔

کرنل ونگ نے بھی وہی سوال کیا اور میرا جواب بھی وہی تھا مگر اس میں اتنا اضافہ کر دیا۔

"جگن پوری کی یاترا سے پہلے ہم ہاتھی مہاتماؤں کے گلے میں جائیں گے اور کچھ دن ان کی سیوا کریں گے۔ ہم گنگو جی کے پجاری ہیں۔"

یہ سنتے ہی شہزادی فوزیہ سلطانہ کی ہم شکل کرسی سے کھڑی ہو گئی اور بڑے اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"مہاراج! کیا آپ جانتے ہیں ہاتھیوں کا گلہ کہاں ٹھہرتا ہے؟"

"ہاں ہم جانتے ہیں سندری! مگر تمہیں نہیں بتائیں گے!"

"کیوں مہاراج!"

"کیونکہ گنگو جی نے ہمیں بتا دیا ہے کہ تم لوگ ہاتھیوں کا شکار کھیلنے آئے ہو اور جنگل بن کے تمام ہاتھی گنگوا ہاتھی کی نسل سے ہیں جن کا شکار کرنا مہا پاپ ہے۔ اگر تم نے کسی ہاتھی کو مارا تو تم پر بڑا کشٹ آئے گا؟"

پھر اچانک میں نے اس کی طرف انگلی اٹھا دی۔

"تمہارے ماتھے پر اندر کا پرتاب ہے سندری! تم ضرور کسی دیس کی راجکماری اور بڑی سوبھاگیہ ہو تمہیں گنیش جی کا اپمان نہیں کرنا چاہیئے۔"

میری بات سن کر سب دنگ رہ گئے۔ کرنل ونگ، جو بڑی صاف اردو بولتا تھا کہنے لگا۔

"ہم نے گنگو جی اور گنگوا ہاتھی کی کہانی سنی ہے مہاراج! اور پرنسز کو بتایا ہے کہ ادھر کا لوگ ہاتھی کا شکار کرنے والوں کا دشمن ہو جاتا ہے۔"

سے ہٹ کر ایسی جگہ کیمپ لگا رکھا ہے۔ جدھر ہاتھی کبھی بھول کر بھی نہیں گئے۔ میں نے غور کیا تو وہ جگہ ہمارے شمالی قلعہ شکوہ سے صرف دس کوس کے فاصلے پر تھی۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ کیمپ اور قلعہ کے درمیان بعض مقامات کی پیمائش کی گئی ہے۔

یہ سب کچھ حیرت انگیز تھا۔ میرا شوق تجسس بیدا ہو گیا کیونکہ معاملہ کچھ اور ہی معلوم ہوتا تھا۔ یہ خبر مزید تعجب خیز تھی کہ کوئی مقامی باشندہ کیمپ کے قریب نہیں پھٹک سکتا جس کے اردگرد لوہے کے خاردار تاروں کی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔ انگریزی شکاریوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو سکی مگر اندازاً چودہ پندرہ بتائے جاتے تھے۔ ہندوستانی راجکماری اور اس کے دیسی ملازمین الگ تھے۔ انگریز شکاری پوری طرح مسلح بھی تھے اور میں اپنے بارہ بھیل سواروں کے ہمراہ اُنہیں گرفتار نہ کر سکتا تھا شاید وہ ہمیں حیدری کے بارے میں بھی کچھ بتانے سے انکار کر دیتے۔ گوند راہبر نے بتایا کہ شکاریوں کے کیمپ تک جانا مشکل ہو گا۔

میرے ذہن میں اچانک ایک عجیب و غریب ترکیب آئی۔ میں نے اپنے بھیل سواروں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سات سواروں کی ٹولی کیمپ سے ڈیڑھ دو کوس اِدھر برساتی نالے کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ میں ٹھرائی۔ دوسرے سواروں کے گھوڑے بھی وہیں چھوڑے اور خود پانچ بھیلوں کے ہمراہ گنگو چاری سادھوؤں کا روپ دھارا پھر ہم گیروے چولوں کے اُوپر موٹے موٹے منکوں کی مالائیں پہن کے، سنکھ پھونکتے، ناد بجاتے انگریز شکاریوں کے کیمپ کی طرف چل دیے کیوں کہ انگریز سادھوؤں، جوگیوں سے تکرار کرتے ہیں نہ اُن سے اُلجھتے ہیں۔ ورنہ مذہب دھرم کا جھگڑا کھڑا ہو جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ وہاں تک پہنچنے اور کچھ معلومات حاصل کرنے کی یہی ایک چال تھی۔ سادھوؤں کے چولے اور دوسرا سامان ہم نے گڑھی بہادر سین سے حاصل کر لیا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی ہم کیمپ کے قریب پہنچ گئے مگر اچانک تین انگریز پہرے داروں نے کیمپ سے نکل کر ہمیں گھیر لیا اور بندوقوں کی نالیاں ہماری طرف اُٹھا دیں۔ ایک انگریز نے اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں پوچھا۔

"تم کون ہے۔ ادھر کس لیے آتا ہے"

میں نے کھپری والا ہاتھ بلند کیا۔

"تم دیکھتا نہیں ہم گنگو چاری کے سادھو اور جگن پوری کی یاترا کو جاتے ہیں"

"پھر ہم بھی سویرے جواب دیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ اب آپ آرام کریں"۔

یہ کہہ کر کرنل ونگ چھولداری سے نکل گیا اور مَیں سوچنے لگا۔ وہ مجھے کچھ دن کیوں ٹھہرانا چاہتا ہے؟

میرے ساتھی اونگھ گئے یا سو رہے تھے۔ آدھی رات کا وقت تھا اور مَیں ابھی تک جاگ رہا تھا کہ اچانک چھولداری کی پچھلی پار، جاتی کھڑکی سے ایک مدھم سی آواز سنائی دی ــــــ "مہاراج!"

چھولداری میں اندھیرا تھا۔ مَیں اُٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا "کون ہے؟"

کھڑکی کے باہر کسی نے فوراً اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر مجھے آہستہ بولنے کا اشارہ دیا اور خود بھی بڑی مدھم آواز میں بتانے لگا۔

"مَیں شہزادی کا سیکرٹری حشمت سراج ہوں۔ اُنھوں نے مہاراج کو یاد کیا اور کہا ہے میں آپ کو اُن کے خیمے میں پہنچا دوں"۔

مَیں خیمہ کے عقبی دروازہ سے نکل کر حشمت سراج کے ساتھ ہو لیا اور اندھیرے میں چلتا شہزادی کے خیمہ میں پہنچا۔ خیمہ کیا اُسے ایک شاہی سراپردہ کہنا چاہیے۔ فوزیہ سلطانہ شب خوابی کے لباس میں جنّت کی حُور دکھائی دے رہی مگر کچھ پریشان سی تھی۔ اُس نے میرا سواگت کیا مجھے اپنے قریب کرسی پر بٹھایا اور حشمت سراج کو تاکید کی وہ سراپردہ کے باہر نگرانی کرے کہ کوئی آدمی ادھر متوجہ نہ ہو۔

فوزیہ سلطانہ کا حسن و شباب شب خوابی کے لباس سے چھن چھن کر مجھے دعوتِ نظارہ دے رہا تھا مگر مَیں اس وقت سادھو کے مقام پر تھا۔ وہ گویا دیوی کے استھان پر تھی پھر بھی میری طرف جھکتی ہوئی سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

"مہاراج! آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ سخت پریشان ہوں"۔

"پریشانی کا کارن؟"

"مَیں ہاتھی کا شکار کھیلنے آئی تھی مگر دس روز میں کسی ہاتھی کی شکل تک نہیں دیکھی یہ جگہ شکار کی نہیں۔ یہاں تو کوئی اور ہی آثار نظر آتے ہیں۔ نجانے یہ لوگ مجھے اپنے ساتھ کیوں گھسیٹ لائے ہیں"۔

مَیں نے اس کی بات توجہ سے سُنی پھر پوچھا۔

"تم نے ٹھیک بتایا ہے کمانڈر! راجکماری کو ہاتھیوں کا شکار نہیں کھیلنا چاہیئے"۔
پھر ہیں لڑکی سے مخاطب ہوا "تم کس دیس کی راجکماری ہو سُندری!"
"میں گلیار کی شہزادی ہوں مہاراج! نام فوزیہ سلطانہ ہے"۔
اس انکشاف نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اچانک کرنل ونگ نے پوچھا "کچھ ہمارے بارے میں بھی بتائیے مہاراج! کیا ہم لوگوں کا مشن پورا ہو گا؟"
میں نے گردن جھکائی جیسے مراقبے میں چلا گیا ہوں۔ "مشن" کے لفظ پر غور کیا۔ پھر گردن اٹھائی اور جواب دیا۔
"میں انگریزی فوج کو مارچ کرتے دیکھ رہا ہوں کمانڈر! انگریز کا ستارہ چمک رہا ہے"۔
کرنل ونگ اور اس کے انگریز ساتھی حیرت زدہ رہ گئے۔ میں نے ہاتھ بلند کر دیا۔
"بس اب ہم جائیں گے"۔
"اب تو رات ہو گئی مہاراج! اس سردی میں آپ کہاں ٹھہریں گے؟"
"آکاش کے نیچے۔ جنگل میں سمادھی لگائیں گے"۔
"نہیں مہاراج! آج رات آپ ہمارے مہمان ہیں"۔ پھر کرنل ونگ نے کسی کو انگریزی میں ہمارے ٹھہرنے اور کھانے کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔
وہ مجھ سے کافی متاثر نظر آتا یا پھر کسی خاص مقصد کے تحت مجھے کیمپ میں ٹھہرانا چاہتا تھا۔ ہمیں ایک ایسی چھولداری میں ٹھہرایا گیا جو کرنل ونگ اور شہزادی فوزیہ سلطانہ کے خیموں کے درمیان ایستادہ تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ شہزادی کا سیکرٹری حشمت سراج بھی ساتھ ہے۔ میں رہ رہ کر سوچ رہا تھا اگر یہی ریاست گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ ہے تو پھر وہ فوزیہ سلطانہ کون ہے جو چاند نگر میں انگریز ریذیڈنسی کی مہمان ہے؟
ابھی حیدری چاچا کے بارے میں بھی کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی۔ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد ہم چھولداری میں سمادھی لگا کر بیٹھے تھے کہ ناگہاں کرنل ونگ داخل ہوا۔ وہ دیکھنے آیا تھا ہمیں کوئی تکلیف تو نہیں مگر اصل مقصد کچھ اور تھا۔ بولا۔
"مہاراج! کیا آپ کچھ دن میرے پاس قیام کر سکتے ہیں؟"
"کیوں کمانڈر!"
"وجہ سویرے بتاؤں گا"۔

"راجکماری! تم چاندنگر کبھی نہیں گئیں مگر میرا گیان کہتا ہے کہ چاندنگر کے ایک بھیل سردار کو جانتی ہو۔ تم نے جنگل سے اس کا مردہ اُٹھایا تھا....."

یہ سنتے ہی فوزیہ سلطانہ دنگ رہ گئی اور مسہری سے اُٹھ کر میرے چرنوں میں بیٹھ گئی۔

"وہ ایک زخمی شکاری تھا مہاراج!" شہزادی بتانے لگی ——— "خون میں لت پت مگر اس کی نبض چل رہی تھی۔ ایک زخمی شکاری کی جان بچانے کے لیے میں نے اپنے محافظوں کے ذریعے اُسے گھوڑے پر لاد لیا اور یہاں کیمپ میں لے آئی۔ مرہم پٹی سے اچھا ہو گیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ چاندنگر کا بھیل سردار حیدری ہے۔ جگنا بن میں کسی بنجارے کو ڈھونڈ رہا تھا کہ شیر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ کرنل ونگ نے یہ سب کچھ سُنا تو اُسے بھی چاندنگر جانے سے روک لیا۔ اب میری طرح وہ بچارہ بھی قید ہے یہاں"۔

حیدری چاچا کے بارے میں یہ سن کر کہ وہ زندہ ہے میں نے اطمینان کا سانس لیا اور کھڑا ہو گیا۔ فوزیہ سلطانہ بھی اُٹھی۔ اُس کا حسنِ پریشان مجھ پر جادو کر رہا تھا۔ اب کے اس نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اشیرواد کی خواہش کی۔ میں نے ایک لمحہ کے لیے شہزادی کو اپنے ساتھ لگا لیا اور کہا۔

"غم نہ کرو سندری! تمہارے کشٹ دُور ہو جائیں گے۔ کل کرنل ونگ سے ایک بار پھر واپسی کے لیے ضد کرو"۔

"اچھا مہاراج!"

اُس نے میرا ہاتھ چوم کر مجھے رخصت کیا اور میں عقبی دروازہ سے خیمہ میں آکر چپ چاپ لیٹ گیا۔ دوسرے روز علی الصبح میرا ایک "چیلا" بھاگا بھاگا آیا۔ اس نے بتایا "وہ بوڑھا بھیل جو انگریزوں کی قید میں ہے حیدری چاچا ہے"۔

میرے "چیلے" نے حیدری کو اس وقت دیکھا جب وہ انگریز سپاہی کی نگرانی میں رفعِ حاجت کے لیے جا رہا تھا اور اپنے بھیل سردار کو پہچان لیا۔ یہ خبر سن کر دوسرے بھیل چیلے بھی مطمئن ہو گئے۔ حیدری چاچا کا زندہ مل جانا ایک معجزہ تھا۔ میں اُسے اور شہزادی فوزیہ سلطانہ کو کیمپ سے نکالنے کی ترکیب سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کرنل ونگ نے بُلا لیا۔ وہ اپنے خیمہ میں کسی نو وارد انگریز سے گفتگو کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا۔

"مہاراج! رات آپ نے انگریز آدمی کے مارچ کرنے کی بات کی تھی"۔

"پہلے یہ بتاؤ۔ کیا تمہاری کوئی ہم شکل بہن بھی ہے؟"

"نہیں۔ میں اعلیٰ حضرت والئ گلیار کی اکلوتی بیٹی ہوں۔"

"کبھی چاند نگر گئی ہو؟"

"کبھی نہیں۔"

"یہ کیمپ چاند نگر کے علاقہ میں لگایا گیا ہے۔ تم یہاں کیسے آگئیں؟"

شہزادی فوزیہ سلطانہ بتانے لگی۔

"مجھے بچپن سے شکار کا شوق ہے۔ ہاتھی کا شکار میری کمزوری ہے۔ پچھلے دنوں ہماری ریاست کے انگریز ریجنٹ نے خبر دی کہ کچھ انگریز شکاری ہاتھی کا شکار کھیلنے جگنا بن جا رہے ہیں جہاں ہاتھیوں کی اعلیٰ نسل پائی جاتی ہے۔ میرا شوق بھڑک اٹھا۔ میں نے اعلیٰ حضرت سے اجازت لی پھر اپنے سیکرٹری حشمت سراج اور چار باڈی گارڈز کے ہمراہ پارٹی میں شامل ہو گئی۔ یہاں پہنچے تو کرنل ونگ نے بتایا۔ اس علاقہ کے لوگ ہاتھی کا شکار نہیں کھیلنے دیتے کیونکہ وہ گنیش دھاری ہیں۔ میں نے ایک بار واپسی کا ارادہ کیا مگر اس نے روک لیا۔ ایک دن سختی سے کہا۔

"اب تم مجھے نہیں روک سکتے۔"

اس نے بھی سختی سے جواب دیا۔

"آپ ابھی نہیں جا سکتیں۔"

اب میں ایک طرح سے ان لوگوں کی قید میں ہوں۔ اپنی مرضی سے واپس بھی نہیں جا سکتی۔ یہ لوگ شکاری نہیں بلکہ فوجی ہیں۔ یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ میری کوئی مدد کر سکتے ہیں؟"

فوزیہ سلطانہ نے جھک کر میرے گھٹنوں کو چھو لیا۔ وہ مجھے کوئی انتر گیانی سمجھ رہی تھی۔ میں نے اس کا نازک ہاتھ پکڑ کے شرط لگائی۔

"اگر میرے کہنے پر عمل کرو تو تمہاری رہائی کا جتن کر سکتا ہوں۔"

"آپ جو کہیں گے وہی کروں گی مہاراج!"

اس نے فرطِ عقیدت سے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اب میں نے اسے ایک نیا رنگ دکھایا۔

ولیم چلا گیا تو مَیں نے تجویز پیش کی۔

"مَیں راجکماری کے پاس جاتا اور اُس سے بات چیت کرتا ہوں مگر تم یا کوئی افسر اِدھر نہ آئے۔ راجکماری کو یہ پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ مَیں اسے آپ کے لیے روک رہا ہوں"۔

کرنل ونگ میری تجویز سُن کر خوش ہو گیا۔ مجھے اپنا ہمدرد سمجھ رہا تھا۔ بولا۔

"فکر نہ کریں مہاراج! آپ پرنسز کو رام کریں کوئی آدمی اُدھر نہیں جائے گا"۔

مَیں انگریز کا "خیر خواہ" بن کر کرنل کے خیمے سے نکلا اور شاہی سراپردہ کی طرف چلا۔ پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے پر شہزادی کا سیکرٹری حشمت سراج اپنے خیمہ کے باہر مِل گیا۔ اُس نے مجھے سراپردہ کے اندر پہنچایا۔ فوزیہ سلطانہ دیکھتے ہی میری طرف لپکی۔

"آپ نے کرنل کا رویّہ دیکھ لیا مہاراج!"

"دیکھ لیا راجکماری! مگر اب تمہیں اپنا رویّہ تھوڑا سا بدلنا ہو گا"۔

"کیا مطلب"؟

"تم کرنل ونگ کو بتاؤ گی کہ میرے سمجھانے پر تم نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا ہے"۔

فوزیہ سلطانہ حیران رہ گئی۔ مَیں نے سرگوشی کی۔

"کرنل کو دھوکا دینے کے لیے اُسے اپنے بھروسے میں لینا ضروری ہے۔ یہ ترکیب چل گئی تو مَیں رات ہی تمہیں یہاں سے نکال دوں گا"۔

وہ سمجھ گئی کہ کرنل ونگ کے پُراسرار چکر سے نکلنے کے لیے کوئی چال ہی کھیلنا پڑے گی۔ کہنے لگی۔

"مہاراج! مجھے ان انگریز فوجیوں سے ڈر آنے لگا ہے۔ آپ میرے پاس آ جائیں تو حوصلہ رہے گا"۔

"مجھے اپنے پاس ہی سمجھو۔ دن کو مَیں یہیں رہوں گا مگر رات کو کیمپ کے پُورب گوشے میں سمادھی لگاؤں گا۔ آج رات تمہیں کرنل ونگ سے صلح کی خوشی میں سب انگریزوں کی دعوت کرنا ہو گی"۔

"وہ کس لیے مہاراج!"

مَیں نے اس کے کان میں بات کی۔ وہ ایک پل سوچتی رہی پھر مان گئی۔ اُسے رام کر کے اور اپنے ساتھ لے کر دوبارہ کرنل کے خیمے میں پہنچا اور اسے خوشخبری سُنائی۔

"ہاں کرنل! میرا گیان کہتا ہے انگریز آرمی مارچ کرے گی"۔

"آپ کی بات سچ نکلی مہاراج! انگریز آرمی چاند نگر کی طرف مارچ کر رہی ہے"۔

یہ سنتے ہی دِل کو دھچکا لگا اور کرنل بتانے لگا۔

"کمپنی گورنمنٹ نے چاند نگر پر حملہ کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ پرنس قاسم کا ظلم و ستم بڑھ گیا ہے۔ نئی صدی اور نئے سال کے پہلے دن پرنس قاسم کی تاجپوشی ہوگی مگر دوسرے دِن انگریز آرمی چاند نگر میں داخل ہوجائے گی اور وزیرِ سلطنت جعفر کو ریاست کا نواب بنائے گی۔ نواب فرخ کے خاندان کی حکومت ختم کر دی جائے گی۔ اودھ سے میجر جنرل ونڈسر انگریز آرمی لے کر آرہا ہے۔ اب آپ اپنے گیان سے بتائیں، چاند نگر میں ہماری فتح ہوگی یا نہیں"؛

"کرنل! اس جنگ میں کچھ گھٹنائیں۔ کچھ مشکلیں نظر آتی ہیں"۔

مَیں نے بات ٹالنے کی کوشش کی اور کرنل ونگ بولا۔

"آپ کو اب جگن پوری جانے کی بجائے یہاں کیمپ میں رہنا اور اپنے گیان سے بتانا ہوگا۔ ہم وہ مشکلیں کِس طرح دُور کر سکتے ہیں"۔

مَیں "یہ حکم" سُن کر دنگ رہ گیا۔ فوزیہ سلطانہ اور حیدری چاچا کے بعد وہ مجھے بھی کیمپ کا پابند کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں شہزادی گلیار خیمے میں داخل ہوئی اور آتے ہی بولی۔

"کرنل! آج مَیں واپس جارہی ہوں"۔

"پرنسز! ابھی آپ کی واپسی کا وقت نہیں آیا"۔

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔ مَیں یہاں سے سیدھی چاند نگر جاؤں گی"۔

کرنل ونگ چیخا ——— "نہیں"۔

شہزادی غصّے میں باہر نکل گئی۔ اُسی وقت کرنل نے ایک افسر کو بُلایا اور کہا۔

"پرنسز چاند نگر جانا چاہتی ہے اُسے گرفتار کر لو"۔

"افسر جانے کے لیے مڑا لیکن مَیں نے اُسے روک لیا اور کرنل سے کہا۔

"راجکماری کو گرفتار کرنا ٹھیک نہیں مَیں اُسے سمجھاتا ہوں کہ وہ تمہارا کہا مان لے اور واپسی کے لیے ضِد نہ کرے"۔

"او تھینک یو مہاراج! اگر آپ پرنسز کو منالیں تو مَیں آپ کا احسان مند ہونگا"

پھر وہ افسر سے بولا ——— "تم جاؤ ولیم! ابھی کچھ نہیں کرو"۔

مَیں نے کیمپ کے مشرقی گوشہ میں خاردار تاروں کو کاٹ کر راستہ بنا لیا تھا۔ شہزادی فوزیہ سلطانہ اور ہم سب اُسی رستے باہر نکلے۔ حیدری چاچا نے چاند نگر کے بھیلوں کو جو "چیلوں" کے بھیس میں تھے پہچان لیا مگر اُسے چُپ رہنے کا اشارا کر دیا گیا تھا۔

شہزادی فوزیہ سلطانہ کے محافظوں نے اپنے گھوڑوں اور ضروری سامان کے علاوہ تمام رائفلیں بھی کیمپ سے نکال لی تھیں۔ جھاڑیوں کے پیچھے بھیل سوار ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ شہزادی اُنہیں دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ مَیں نے بتایا۔

'ان سواروں کو اپنا محافظ سمجھو۔'

وہ مجھے ایک مشاق سوار کی طرح گھوڑے پر بیٹھتے دیکھ کر بھی حیران ہوئی مگر وقت کچھ کہنے اور سُننے کا نہیں تھا۔ گھوڑوں کو سرپٹ چھوڑ دیا گیا۔ سُورج طلوع ہوتے تک ہم جگنا بن کو ۲۵ میل پیچھے چھوڑ آئے تھے، ایک ندی کنارے پڑاؤ ڈالا، ہرنوں کے گوشت کا ناشتہ کیا۔ مَیں نے اور میرے چیلوں نے مصنوعی جٹائیں، منکوں کی مالائیں۔ گیرُوے چولے اُتار کر پھینک دیئے اور اپنے اصل رُوپ میں آگئے۔ شہزادی پر ایک اور حیرت گزر گئی۔

'کون ہیں آپ؟'

'چاند نگر کے ولی عہد کا خاص دوست بختیار مرزا'۔

شہزادی دنگ رہ گئی 'مگر آپ کو سادھوؤں کا رُوپ دھارنے کی کیا ضرورت تھی؟'

'ہم بھیل سواروں کے سردار حیدری چاچا کی تلاش میں آئے تھے'۔ مَیں نے حیدری کی طرف اشارہ کیا۔ 'قسمت اچھی تھی کہ سادھوؤں کے روپ میں اصلی شہزادی گلیار کے درشن بھی ہو گئے'۔

فوزیہ سلطانہ 'اصلی شہزادی گلیار' کے الفاظ پر چونکی تو مَیں نے بتایا۔

'چاند نگر میں ریاست گلیار کی ایک نقلی شہزادی بھی کئی دِن سے مقیم ہے۔ بالکل تمہاری ہم شکل۔ اسی لیے تو مَیں نے پوچھا تھا۔ کیا تمہاری کوئی ہم شکل بہن بھی ہے۔ وہ بھی اپنا نام فوزیہ سلطانہ بتاتی ہے'۔

اس انکشاف نے شہزادی پر سکتہ طاری کر دیا۔ سیکرٹری حشمت سراج بھی حیران

"کرنل! راجکماری مان گئی اور راضی نامہ کرنے آئی ہے۔"

کرنل ونگ نے حیرت و مسرت کی ملی جلی نظروں سے شہزادی کی طرف دیکھا۔ وہ بولی۔

"مجھے افسوس ہے کرنل! میں نے تمہیں پریشان کیا۔ مہاراج نے بتایا ہے کہ تمہاری بات مان لینے میں بہتری ہے۔ اب میں اُسی وقت واپس جاؤں گی جب تم کہو گے۔"

"تھینک یو پرنسز!"

"آج میرے آدمی شکار کرنے جائیں گے۔ رات کا کھانا میری طرف ہو گا۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے پرنسز!"

"اور میں بھی گھٹناؤں پر وِچار کرنے کے لیے رات کو کیمپ میں سمادھی لگاؤں گا کرنل! شہزادی کے آدمیوں کے ساتھ میرا ایک چیلا بھی جنگل سے "مقدس لکڑی" لینے جائے گا۔"

میری بات سُن کر کرنل ونگ بڑا مسرور نظر آنے لگا۔ "مہاراج! میں آپ کی کرپا کو یاد رکھوں گا۔"

پروگرام کے مطابق شہزادی کے محافظ دو ہرن شکار کر لائے۔ میرا ایک "چیلا" جنگل سے "مقدس لکڑی" لے آیا۔ اُسے دراصل بھیل سواروں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ وہ آدھی رات کو گھوڑے لے کر کیمپ کے مشرقی گوشے پر پہنچ جائیں۔ میں نے اپنا سارا دن شہزادی فوزیہ سلطانہ کے پاس گزارا۔

رات کو تمام انگریز شہزادی کی دعوت میں شریک ہوئے اور ہرنوں کے گوشت کے ساتھ شراب کا دَور بھی چلا۔ ادھر میں کیمپ کے مشرقی گوشے میں سمادھی لگا کر اپنے "جاپ" میں مصروف ہو گیا۔ ایک پہر تک دعوت کا ہنگامہ چلا۔ انگریز شراب پیتے رہے، شراب اُنہیں پیتی رہی۔ آخر حشمت سراج پیغام لے کر آیا۔

"مہاراج! شہزادی صاحبہ چلنے کو تیار ہیں۔"

"کرنل ونگ اور اس کے ساتھی کس حال میں ہیں؟"

"سب بے ہوش پڑے ہیں۔ صبح سے پہلے کوئی ہوش میں نہیں آئے گا۔"

میری بیباک نگاہیں اُس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں ۔ گھبرا کے بولی ۔
" مَیں سمجھی نہیں کچھ "۔
" سمجھنا چاہو تو بات مشکل بھی نہیں "۔
" کچھ آپ سمجھا دیں ۔ کچھ مَیں سمجھنے کی کوشش کروں گی "۔
مگر اس کی مسکراتی نظریں بتا رہی تھیں کہ " دِلی تعاون " کا مطلب اگر پہلے نہیں سمجھی تو اب سمجھ چکی ہے ۔ اس کی مسکراہٹ نے مجھے حوصلہ دیا ۔
" مطلب یہ ہے اگر ایک دِل دوسرے دِل کے ساتھ تعاون کرے تو اُن کی دھڑکنیں کائنات کے حسین نغمے میں ڈھل سکتی ہیں جسے لوگ محبت کہتے ہیں "۔
" فوزیہ سلطانہ " محبت " کے لفظ پر چونکی نہیں بلکہ مسکرا کے کہنے لگی ۔
" اچھا مہاراج ! دِلی تعاون پر غور کروں گی "۔
گویا اس نے منظوری دے دی کہ میں اُس کے ساتھ محبت کی گفتگو کر سکتا ہوں ۔ چنانچہ رستہ میں اس مسئلہ پہ بات چیت ہوتی رہی اور باتوں کی حد تک اس نے دِلی تعاون کا ثبوت دیا تو صاحبِ عالم ! یہ ہے میری رودادِ سفر ۔ مَیں حیدری چاچا کے ساتھ اصلی شہزادی فوزیہ سلطانہ اور اس کے اصل سیکرٹری حشمت سراج کو بھی لے آیا ہوں ۔ یہ لوگ کمرۂ انتظار میں بیٹھے آپ کی حاضری کے منتظر ہیں "۔
شہزادہ قاسم نے یہ رُوداد سُنی تو کسی نئی پریشانی میں کھو گیا ۔ پھر کچھ سوچ کر بولا ۔
" بختیار مرزا ! کمپنی سرکار کی فوجوں کا استقبال بارُود کے دھماکوں سے ہو گا ۔ ہم نے مناسب استقبال کا سامان بھی کر رکھا ہے ۔ البتہ شہزادی فوزیہ سلطانہ کا معاملہ بڑا پُر اسرار ہے "۔
" آپ نقلی شہزادی اور اُس کے نقلی سیکرٹری کی گرفتاری کا حکم صادر کریں ۔ سارا طِلسم ہوشربا کھُل جائے گا "۔
" مگر مدارالمہام جعفر کے بارے میں کیا کہتے ہو ؟ "
" اُسے جشنِ تاجپوشی سے پہلے گرفتار کرنا مناسب نہیں ہو گا ۔ ورنہ انگریز ریذیڈنٹ چونک جائے گا ۔ اُسے خوش فہمی میں رہنے دیجئے کہ آپ کمپنی کی سازش اور حملہ سے بے خبر ہیں "۔

وششدر رہ گیا۔

"نری شہزادی فوزیہ سلطانہ نہیں بلکہ ایک حشمت سراج سیکرٹری بھی ساتھ ہے اُس کا لباس ضرور حشمت سراج سے ملتا ہے مگر شکل نہیں ملتی"۔

شہزادی اور حشمت سراج پر حیرت کا دُوسرا دَورہ پڑا۔

"کہیں آپ مذاق تو نہیں کر رہے ؟"

"نہیں شہزادی فوزیہ سلطانہ! تمہیں چاند نگر اسی لیے لے جارہا ہوں کہ نقلی شہزادی اور نقلی حشمت سراج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اب میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کرنل ونگ نے تمہیں، حشمت سراج اور حیدری چاچا کو کیمپ میں کیوں روک رکھا تھا"۔

میں بتانے لگا۔ "تمہیں اور تمہارے سیکرٹری کو اس لیے روکا گیا کہ نقلی شہزادی اور نقلی سیکرٹری کمپنی سرکار کی کسی سازش کو پروان چڑھانے چاند نگر بھیجے گئے ہیں۔ حیدری چاچا بھیل سواروں کا سردار ہے۔ اگر یہ چاند نگر واپس چلا جاتا تو یہ راز فاش ہو جاتا کہ گلبار کی اصلی شہزادی اور اصلی حشمت سراج تو جگتا بن کے شکاری کیمپ میں ہیں"۔

فوزیہ سلطانہ پر کرنل ونگ کے پُراسرار مشن اور گستاخانہ سلوک کا معمّا کھل گیا۔ کہنے لگی۔

"بختیار مرزا! میں نقلی شہزادی اور نقلی حشمت سراج کی گرفتاری میں حکومتِ چاند نگر کے ساتھ تعاون کروں گی"۔

"شکریہ شہزادی صاحبہ! مگر تمہارا تھوڑا سا تعاون مجھے بھی درکار ہے"۔

"کیسا تعاون ؟"

"پھر بتاؤں گا"۔

میں نے بات ختم کر دی اور سفر کا اعلان کیا۔ اب پہلی سی بھاگم بھاگ تھی نہ چاند نگر دُور تھا۔ سفر کے دوران شہزادی فوزیہ سلطانہ میرے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی اور آخر اُس نے پوچھ ہی لیا۔

"آپ نے تھوڑے سے تعاون کی بات کی تھی۔ کیسا تعاون چاہتے ہیں آپ مجھ سے ؟"

"دِلی تعاون"۔

"بختیار مرزا! شہزادی صاحبہ کو اپنی حویلی میں لے جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ کسی کو اِن کی آمد کا پتہ نہ چلے"۔ پھر فوزیہ سلطانہ سے کہنے لگا۔"ہمیں اُمید ہے اس خصوصی انتظام کے لیے آپ بختیار مرزا سے تعاون کریں گی۔ اب ہم جشنِ جلوس کے بعد آپ سے ملاقات کر سکیں گے"۔

اس کے ساتھ ہی ولی عہد نے شہزادی فوزیہ سلطانہ اور بختیار مرزا کو رخصت کر دیا۔ وقت تھوڑا تھا، کام زیادہ تھے۔ اس نے میر ولی اللہ اور حیدر جنگ کو بُلا کر کچھ خاص احکامات دیئے اور اُنہیں اُسی وقت چاند نگر سے روانہ کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ایک بار پھر ملکہ بیگم کی حاضری دی اور جلوس تخت نشینی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو"۔

"تو شہزادی فوزیہ سلطانہ، حشمت سراج اور حیدری چاچا کو حاضری کے لیے طلب کیا جائے؛"

اشارا پاتے ہی بختیار مرزا نے چوبدار کو آگاہ کیا کہ ولی عہد ذیشان مہمانوں سے ملاقات کے لیے تیار ہیں اور خود شہزادی گلیار کی پیشوائی کے لیے دروازہ سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

فوزیہ سلطانہ شاہانہ وقار سے چلتی کمرے میں داخل ہوئی۔ حشمت سراج اور حیدری چاچا دونوں پیچھے پیچھے تھے۔ بختیار مرزا نے ریاست کی طرف سے "خوش آمدید" کہا اور اُسے ساتھ لے کر شہزادہ قاسم کی طرف بڑھا۔ ولی عہد نے ریاستی دستور کے مطابق شہزادی گلیار کا استقبال کیا۔ اُسے اپنی ایک طرف اور بختیار مرزا کو دوسری جانب بٹھایا۔ شہزادی کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے دوست کے درجہ و مقام کا خاص خیال رکھا تھا اور بیٹھتے ہی شہزادی سے مخاطب ہوا۔

"ہم بے حد ممنون ہیں کہ آپ نے ہمارے حیدری چاچا کی جان بچائی"۔

"اور مَیں آپ کے دوست بختیار مرزا کی ممنون ہوں کہ اِن کی تدبیر سے کرنل ونگ کے چکّر سے نکل سکی"۔

"ہم چاندنگر میں آپ کی آمد کو نیک فال سمجھتے اور آپ کی خصوصی میزبانی کا فرض بختیار مرزا ہی کو سونپتے ہیں"۔

پھر ولی عہد نے بھیل سردار کی طرف دیکھا۔

"حیدری چاچا! ہمیں خوشی ہے تم زندہ سلامت لوٹ آئے۔ آج سے چاندنگر کی محل سراؤں کے ساتھ ساتھ بختیار مرزا کی حویلی پر بھی سخت پہرہ رہے گا۔ عُلیا بانو شہزادی گلیار کی حفاظت تمہارے سپُرد کی جاتی ہے"۔

حیدری چاچا کمر تک جُھک گیا۔ "ان کی کھاتر حیدری اپنی جان لڑا دیوے سرکار ــــــ!"

ولی عہد نے ملاقات کو بالکل مختصر کر دیا اور کھڑا ہو گیا۔ فوزیہ سلطانہ اور بختیار مرزا بھی ساتھ ہی اُٹھے۔

علی الترتیب مرزا شاہ رُخ حاکم چیتر گڑھ اور بختیار مرزا بیٹھے تھے۔ تخت گاہ کی بائیں جانب ریاست کے وزیرِ مال دیوان دُنی چند کھنہ کی حیثیت سب سے نمایاں تھی۔ علمائے دین اور پنڈت پروہت بھی اپنے اپنے مرتبہ و مقام کے مطابق بیٹھے تھے۔ خواتین و بیگمات جھروکوں میں بیٹھ کر جن پر ڈھاکہ کی ململ کے پردے آویزاں تھے دربار کی کارروائی دیکھ سکتی تھیں۔ ایوان میں وہ عام لوگ جنہیں دربار میں حاضری کی اجازت دی گئی تھی اپنی اپنی نشستوں پر بصد اشتیاق بیٹھے تھے۔

اچانک توپیں داغی جانے لگیں۔ طبل و دمامہ پر چوٹ پڑی اور نقیبِ دربار نے ملکہ بیگم اور ولی عہد ذیشان کی آمد کا اعلان کیا۔ اکیسویں توپ سَر ہو چکی تو شہزادہ قاسم ملکہ بیگم کے ہمراہ بصد شان و تمکنت دربار میں نمودار ہُوا۔ کنیزِ خاص مرجینا کے علاوہ راجپوت محافظ ساوُ بھی ننگی تلوار لیے ملکہ بیگم کے پیچھے پیچھے تھا۔

تمام حاضرینِ دربار ان کی پیشوائی کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب ملکہ بیگم اور ولی عہد تشریف فرما ہو چکے۔ انہیں بیٹھنے کی اجازت ملی۔ مرزا شاہ رُخ نے میرِ دربار کے فرائض ادا کرتے ہوئے دربار آرائی کا مقصد بیان کیا۔ اس کے ساتھ ہی ملکہ بیگم نے جو نواب فرخ کی وفات کے بعد ولی عہد اور حکومت کی نگران مقرر ہوئی تھی حکومت و فرمانروائی کے تمام اختیارات نئے حکمران شہزادہ قاسم ذی شان کو منتقل کرنے کا اعلان کیا اور دیوان دُنی چند نے نواب فرخ کی خاندانی تلوار میرِ دربار مرزا شاہرخ کو پیش کی تاکہ ملکہ بیگم وہ تلوار اپنے ہاتھ سے نئے حکمران کے سپرد کرے۔

جب خاندانی تلوار مرزا شاہ رُخ کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی ملکہ بیگم کے ہاتھوں میں پہنچی اور وہ قاسم کو پیش کرنے لگی۔ تمام حاضرینِ دربار نے اُس کی آواز سنی جو جذبات کی شدت سے مرتعش تھی۔ ملکہ بیگم نے کہا۔

"صاحبِ عالم! یہ تلوار ہمارے خاندان کی یادگار اور آزادی کی علامت ہے۔ فرخ خاندان کے بزرگوں نے ہر دَور میں اسی تلوار سے چاندنگر کی آزادی کا تحفظ کیا ہے۔ آج مَیں یہ تلوار تمہیں منتقل کرتی اور تمہارے لیے نواب کی بجائے "چاند نگر کے سلطان" کا خطاب تجویز کرتی ہوں۔"

حاضرینِ دربار نے تالیاں بجا کر اس خطاب کی پُرزور تائید کی۔ قاسم نے تلوار سنبھالی اُسے بوسہ دیا اور کہا۔

(۱۴)

چاند نگر کا دربار پوری شان و شوکت کے ساتھ آراستہ ہوا - ولی عہد قاسم کے جلوسِ تخت نشینی میں عمائدین سلطنت اور چاند نگر کے امراء و رؤسا کے علاوہ ہندوستان کی کئی ریاستوں کے سفیر اور سرکاری نمائندے بھی شریک تھے - ان میں مرہٹہ پیشوا کے سفیر کو خصوصی اہمیت حاصل تھی - کمپنی سرکار کے انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ اور اس کے عملہ کے علاوہ غیر ملکیوں میں چند فرانسیسی بھی نظر آ رہے تھے -

کرنل کلوٹ کچھ متفکر دکھائی دیتا تھا - اُسے یقین دلایا گیا تھا - یکم جنوری ۱۸۰۱ء سے پہلے اُسے ضروری ہدایات بھیج دی جائیں گی اور چاند نگر کی قسمت کا فیصلہ کر دیا جائے گا مگر ابھی تک کمپنی کے کلکتہ ہیڈ کوارٹر سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی تھی - وہ بادلِ نخواستہ جلوسِ تخت نشینی کی تقریب میں شریک ہوا تھا -

وزیرِ سلطنت جعفر بھی کچھ بُجھا بُجھا تھا - اس کی توقع کے مطابق انگریزی فوج چاند نگر نہیں پہنچ سکی تھی - وہ اس بات پر بھی حیران تھا کہ نائب مدارالمہام میر ولی اللہ (جو وزیرِ حرب بھی تھا) اور سپہ سالار حیدر جنگ دربار میں موجود نہ تھے - ان کی نشستوں پر

جاتی ہے۔"

کرنل کلوٹ ایک لمحہ کے لیے چکرا کے رہ گیا مگر سنبھل کے بولا۔

" اس حکم کے نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں یور ہائی نس!"

" ہم اُن خطرناک نتائج کا انتظار کریں گے۔"

" ریذیڈنسی کی منسوخی کے لیے آپ انگلش گورنمنٹ کو کیا جواب دیں گے؟"

" جس گورنمنٹ کا ریذیڈنٹ چاند نگر میں بیٹھ کر ریاست کی آزادی کے خلاف سازشیں کرتا ہے ہم اس گورنمنٹ کو جواب دینا بھی پسند نہیں کرتے۔"

کرنل کلوٹ تڑپ اُٹھا۔ حملہ اُس کی ذات پہ کیا گیا تھا۔

" آپ میری ذات پہ الزام تراشی کر رہے ہیں۔"

سلطان قاسم پُر جلال آواز میں کہنے لگا۔

" اگر حقیقت کے اظہار کا نام الزام تراشی نہیں ہے تو ہم تم پر الزام لگاتے ہیں کہ تم نے ایڈگر بلیک کو ہمارے قتل پر مامور کیا۔ اپنے گورنر جنرل کو چاند نگر پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ انگریزی فوج طلب کی۔ ہمارے مدارالمہام جعفر کو کٹھ پتلی نواب بنانے کے لیے ہمارے خلاف اُکسایا اور اسے یہ فریب دینے کے لیے کہ ہم جعفر کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں ریاست گلیار کی نقلی شہزادی کو چاند نگر بلایا ——"

دربار پر سناٹا چھا گیا۔ نقلی شہزادی کے ذکر پر کرنل کلوٹ کا رنگ اُڑ گیا اور وہ ڈوبتی آواز میں بولا۔

" یہ غلط ہے۔"

قاسم نے گرجدار آواز میں حکم دیا۔

" گلیار کی شہزادی کو پیش کیا جائے۔"

چند لمحوں میں نقلی شہزادی فوزیہ سلطانہ، اُس کی اُدھیڑ عمر نگران۔ نقلی سیکرٹری حشمت سراج اور چند کنیزیں پہرے داروں کے محاصرے میں اندر لائی گئیں۔ نقلی شہزادی غالباً نہیں جانتی تھی کہ اس کا راز فاش ہو چکا ہے اس نے دربار میں بھی اپنا ناٹک جاری رکھا۔ والیٔ چاند نگر کو سلام کیا اور شکایت گزار ہوئی۔

" اعلیٰ حضرت! ابھی تھوڑی دیر پہلے ریاست کے سپاہیوں نے ہمیں گھیر لیا اور

"امی حضور! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں - یہ تلوار آج بھی آزادی کی حفاظت کرے گی۔"

دربار میں "سلطان چاند نگر ——— زندہ باد" کا نعرہ بلند ہوا۔

انتقالِ اختیارات کی رسم ادا ہونے کے ساتھ ہی مرزا شاہ رخ، بختیار مرزا، دیوان دُنی چند اور احمد شجاع نے "مبارک سلامت" کی آوازوں کے درمیان نئے حکمران کی خدمت میں نذرانے پیش کیے - وزیرِ سلطنت جعفر نے اُن کے بعد اپنا نذرانہ پیش کیا - اچانک مرہٹہ پیشوا کا سفیر آگے بڑھا اور اُس نے بھی سلطان قاسم کی خدمت میں تلوار ہی کا تحفہ پیش کیا - یہ اس امر کا اشارا تھا کہ مرہٹہ سرکار انگریز کے خلاف چاند نگر کی مدد کرے گی -

مرہٹہ سفیر کے بعد ایک فرانسیسی نے نذرانہ پیش کیا تو سلطان نے اسے اپنے مشیر کا تقرر نامہ عطا کیا جس پر انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ کے ضبط و تحمل کی آخری دیوار بھی دھڑام سے گر گئی اور وہ فوراً اعتراض کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"یوئر ہائی نس! فرانسیسی مشیر کا تقرر کمپنی گورنمنٹ کے ساتھ کیے گئے وعدہ کی خلاف ورزی ہے - نواب فرخ نے گورنر جنرل کو یقین دلایا تھا کہ چاند نگر کی ریاست کسی یورپین کو ملازم نہیں رکھے گی - آپ یہ خلاف ورزی کر کے کمپنی گورنمنٹ سے دشمنی مول لے رہے ہیں۔"

کرنل کلوٹ نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی - سب لوگ اس دخل اندازی پر حیران رہ گئے - سلطان قاسم نے جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو کرنل کلوٹ! ہم کمپنی سرکار کو اپنا دوست نہیں سمجھتے۔"

اس جواب نے انگریز ریذیڈیٹ کو اور مشتعل کر دیا۔

"یوئر ہائی نس! آپ سرِ دربار سرکارِ انگلشیہ کی توہین کر رہے ہیں - مَیں انگریز ریذیڈنٹ کی حیثیت میں احتجاج کرتا ہوں۔"

سمجھتا تھا کلکتہ ہیڈ کوارٹر قاسم کو بہت دیر سے محروم اقتدار کرنے کی سوچ رہا ہے اور اب اُس کا جواز پیدا ہو رہا ہے مگر اس کے جواب میں نئے حکمران نے جو کچھ کہا اُس نے کرنل کلوٹ کے ہوش اُڑا دیے -

"کرنل کلوٹ! ہم چاند نگر میں انگریز ریذیڈنسی کا قیام پسند نہیں کرتے اور اختیارات حکومت سنبھالنے کے بعد پہلا حکم یہ صادر کرتے ہیں کہ چاند نگر میں فرنگی ریذیڈنسی بند کی

عورت نے اس کی ہم شکل ہونے کا فائدہ اٹھا کر نقلی شہزادی کا ناٹک رچایا ہے۔ اُسے سخت سزا ملنی چاہیے۔ اُس نے کچھ شاہی ثبوت بھی پیش کیے۔

اصل شہزادی کو دیکھتے ہی نقلی شہزادی کا رنگ یک لخت پیلا پڑ گیا تھا مگر اس کے ثبوت دیکھ کر اس کی باتیں سن کر وہ کانپ اُٹھی۔ آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہیں فرش پر بیٹھ کر معافی کی طلب گار ہوئی۔

"اعلیٰ حضرت! میری خطا معاف کر دی جائے۔"

اُس کی بوڑھی نگران جھولی پھیلا کر آگے بڑھی اور روتی ہوئی بولی۔

"میری بچّی پر رحم کیا جائے سرکار!"

"تم کون ہو؟" اب کے سوال بختیار مرزا نے کیا۔

"مَیں اس لڑکی کی ماں ہوں سرکار! کرنل کلوٹ نے میری بچّی کو لالچ اور دھوکا دے کر شہزادی کا ناٹک کھیلنے پر مجبور کیا تھا۔"

پھر وہ بتانے لگی۔

"مَیں آگرہ کی طوائف زہرہ جان ہوں۔ سلطانہ میری بیٹی ہے۔ چار مہینے ہوئے اسے مجرا کے لیے کلکتہ بلایا گیا۔ قلعے میں ایک بڑے صاحب کے سامنے ہم دونوں ماں بیٹی کو پیش کیا گیا۔ وہاں کرنل کلوٹ بھی موجود تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ ایک بے ضرر سے کام کے لیے سلطانہ کو ریاست گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ بن کر چاند نگر جانا ہوگا۔ وہ بے ضرر سا کام جعفر کو دھوکا دینا تھا کہ ریاست کے ولی عہد اُسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ کام کا معاوضہ ایک لاکھ روپے مقرر ہُوا۔ معاوضہ بے شک بڑا تھا لیکن یہ سوچ کر کہ کہیں اس چکر میں میری بیٹی کی جان ضائع نہ ہو جائے مَیں نے انکار کر دیا جس پر ہمیں دھمکی دی گئی کہ انکار کی صورت میں تمہیں دریائے ہگلی میں غرق کر دیا جائے گا۔ جان کے ڈر سے ہم نے یہ ناٹک کھیلنا قبول کر لیا۔"

اس کے ساتھ ہی زہرہ جان فرشِ دربار پر گر کے جان بخشی کی التجائیں کرنے لگی۔

بیٹی نے جو شہزادی فوزیہ سلطانہ کا کردار ادا کر رہی تھی ایک انگشتری بختیار مرزا کی طرف بڑھائی اور کہا۔

"ولی عہد ذی شان کی یہ مہر مجھے کرنل کلوٹ نے مہیا کی تھی۔ اس جعلی خط پر جو وزیرِ سلطنت کو دکھایا گیا یہی مہر لگائی گئی تھی۔"

یہاں لے آئے ۔ یہ ایک پرنسز کی توہین ہے ۔ کیا چاند نگر میں مہمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے؟"

قاسم کے جواب نے اُسے دہلا دیا ۔

"تم مہمان کی بجائے مجرمہ کی حیثیت میں یہاں لائی گئی ہو ۔ اگر ہمارے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گی تو شاید تمہیں معاف کر دیا جائے ۔ بتاؤ تمہارا اصل نام کیا ہے؟"

نقلی شہزادی پر بجلی سی گری ۔ مری ہوئی آواز میں بولی ۔

"فوزیہ سلطانہ ہے نام ۔"

"ریاست گلیار سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں ..... میں گلیار کے نواب کی بیٹی ہوں ۔"

"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟" اشارا نقلی سیکرٹری کی طرف تھا ۔

"میرا سیکرٹری حشمت سراج ۔"

"چاند نگر میں کس نے بلایا تھا؟"

"اپنی مرضی سے آئی ہوں ۔"

"مقصد ——— ؟"

"سیر و تفریح ۔"

"تم نے معافی کا ہر دروازہ خود بند کر لیا ۔" یہ کہہ کر قاسم نے حکم دیا ——— "اب ریاست گلیار کی اصل شہزادی عکیا بانو فوزیہ سلطانہ اور ان کے اصل سیکرٹری حشمت سراج کو پیش کیا جائے ۔"

یہ حکم سُن کر کرنل کلوٹ چونک اُٹھا ۔ لوگ حیران رہ گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد گلیار کی شہزادی شاہی پوشاک زیب تن کیے اپنے سیکرٹری حشمت سراج کے ساتھ دربار میں آئی اور لوگ اپنی آنکھیں جھپکنا بھول گئے کیونکہ اُن کے سامنے ایک ہی شکل وصورت کی دو لڑکیاں ، دو شہزادیاں کھڑی تھیں البتہ نئی آنے والی فوزیہ سلطانہ چال ڈھال اور لب ولہجہ سے عالی مرتبت معلوم ہوتی تھی ۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنی ریاست سے چند انگریز شکاریوں کے ہمراہ جُگنا بن میں ہاتھیوں کا شکار کھیلنے آئی اور وہاں شکاری کیمپ میں محبوس کر دی گئی ، کیونکہ وہ شکاری دراصل انگریز فوجی تھے جو ریاست چاند نگر کے خلاف کسی سازش میں مصروف تھے ۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اعلیٰ حضرت والئ گلیار کی اکلوتی بیٹی ہے اور جس

رگھوناتھ کسی زمانے میں جعفر کا ساتھی رہ چکا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک انگریز بھی پیش کیا گیا جس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے تھے۔ لوگوں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا مگر کرنل کلوٹ پر ایک اور بجلی ٹوٹ پڑی۔ سُلطان قاسم نے کہا۔

" رگھوناتھ! اہلِ دربار کو اپنی کہانی سناؤ۔"

وہ بیان کرنے لگا۔

" مدار المہام جعفر نے مجھے اپنی مدد کے لیے بلایا مگر میں ولی عہد ذی شان کے حکم پر ریذیڈنسی اور کرنل کلوٹ کی نگرانی کر رہا تھا جو جعفر کو نواب بنانے کا لالچ دے کر چاند نگر کے خلاف سازش میں مصروف تھا۔ اُسے کلکتہ سے ہدایات کا انتظار تھا۔ کل رات کمپنی سرکار کا قاصد چاند نگر پہنچا مگر وہ ریذیڈنسی کی عمارت تک نہ پہنچ سکا۔ اُسے میں نے گرفتار کر لیا انگریز قاصد کلکتہ سے جو مراسلہ لے کر آیا وہ پیش کرتا ہوں۔

رگھوناتھ نے ایک مراسلہ بختیار مرزا کی طرف بڑھایا اور قاسم کی ہدایت پر اُسی نے انگریزی مراسلہ پڑھا پھر اُس کا ترجمہ سنایا۔ کمپنی سرکار نے اپنے ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ کے نام ذیل کی ہدایات ارسال کی تھیں۔

" تمہاری سفارش پر اودھ سے دو فوجیں میجر جنرل ونڈسر کی کمان میں روانہ کر دی گئی ہیں جو یکم جنوری کو ریاست کی سرحد پر پہنچ جائیں گی۔ اُن میں سے ایک فوج قلعہ شکوہ کی طرف نکل جائے گی جو کرنل ونگ کی کمان میں شمال سے حملہ کرے گی۔ ان فوجوں کے پیچھے پیچھے توپ خانہ بھی بھیجا جا رہا ہے۔ اگر پرنس قاسم تمہاری کوشش کے باوجود اپنے انجام کو نہ پہنچ سکے تو ضرورت کے مطابق اس کے جشنِ جلوس میں شرکت کرو اور حالات سے اطلاع دو۔ انگریزی فوجیں اُس کی تخت نشینی کے ۴۸ گھنٹے کے بعد چاند نگر میں پہنچ جائیں گی۔ زہرہ جان اور اس کی بیٹی کو واپس بھیج دو۔ جعفر کو اپنے ہاتھ میں رکھو مگر زیادہ توقعات نہ دلاؤ۔ اُسے صرف دو سال کے لیے عبوری نواب بنایا جائے گا۔ دو سال کے بعد کمپنی گورنمنٹ کا چاند نگر پر مکمل قبضہ و اختیار ہونا چاہیے۔"

جب خط پڑھ کر سنایا گیا۔ لوگ کمپنی اور اس کے ریذیڈنٹ کی شرمناک سازش پر دم بخود رہ گئے۔ یہ مراسلہ کرنل کلوٹ کے جرم کا آخری اور ناقابلِ تردید ثبوت تھا۔ قاسم ایک مرتبہ پھر کھڑا ہوا اور اُس کی آواز دربار میں گونجنے لگی۔

بختیار مرزانے نقلی مہر سلطان قاسم کی طرف بڑھادی ۔ ماں بیٹی کا بیان بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا ۔ ریاست کے خلاف انگریز ریذیڈنٹ کی سازش کا مکمل ثبوت مل گیا جس نے مدارالمہام جعفر کو بھی حیران و پریشان کر دیا ۔ اب قاسم ریذیڈنٹ سے مخاطب ہوا ۔

"کرنل کلوٹ ! کیا تم اپنے جرم سے انکار کر سکتے ہو ؟"

ریذیڈنٹ کا کھیل بگڑ گیا مگر کمپنی سرکار کا نمائندہ تھا ۔ بیزاری سے بولا ۔

"مَیں آپ کو جواب دینے کا پابند نہیں یور ہائی نس !"

"اس لیے کہ تمہارے پاس جواب دینے کے لیے کچھ ہے نہیں مگر اپنے آپ کو گرفتار سمجھو ۔"

کرنل کلوٹ یوں اُچھلا جیسے بچھو نے کاٹ لیا ہو ۔ "آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے ۔"

"مت بھولو ۔ تم اس وقت ریذیڈنٹ نہیں ایک مجرم ہو اور تمہارے جرم کا ثبوت سامنے موجود ہے ۔"

فوراً ہی دو ریاستی سپاہی لمبی نال کی بندوقیں سنبھالے کرنل کلوٹ کے عقب میں پہنچ گئے ۔ اب وہ حراست میں تھا ۔ مدارالمہام جعفر کو جو کمپنی سرکار کا آلۂ کار بنا ۔ منہ چھپانے کو جگہ نہیں مل رہی تھی مگر غصے میں کرنل کلوٹ کی طرف دیکھا ۔

"دغا باز ! تُو نے گلیار کی شہزادی کا ناٹک کھیل کر مجھے دھوکا دیا ۔ ولی عہد کے خلاف اُکسایا اور ایڈگر بلیک کا دام بچھایا ۔"

قاسم نے فوراً مداخلت کی ۔ "جعفر ! آج سے تم بھی ہمارے مدارالمہام نہیں ۔ تم پر جو اعتماد کیا گیا وہ ٹوٹ چکا ہے ۔"

جعفر نے فوراً اپنی گردن جھکادی ۔ "مَیں اپنے جرم کا اقبال کرتا اور خود کو قانون کے حوالے کرتا ہوں ۔ کرنل کلوٹ نے مجھے اپنی سازش میں پھانس لیا ۔ میری وفاداری کے قدم ڈگمگا گئے ۔"

"کمپنی سرکار کی سازش میں شریک ہونے کے علاوہ تم سردار جگو کے قاتل بھی ہو ۔"

جعفر کے سر سے مدارالمہام کا کلاہ و عمامہ اُتار کر ہاتھوں میں زنجیر پہنا دی گئی ۔ زہرہ جان اور اُس کی بیٹی سلطانہ کو بھی اس وقت تک حراست میں رکھنے کا حکم دیا گیا ۔ جب تک کرنل کلوٹ کے مقدمے کا فیصلہ نہ سُنا دیا جائے ۔ ریاست گلیار کی شہزادی کو دربار میں ایک نمایاں جگہ دی گئی ۔ اس کارروائی کے بعد میرِ دربار مرزا شاہ رُخ نے رگوناتھ کی حاضری کا حکم دیا ۔

"کل تم صاحبِ عالم تھے آج چاند نگر کے سلطان ہو اور تمہارا کوئی فیصلہ غلط نہیں۔ میں نے ریاست کی آزادی کا جو خواب دیکھا وہ تمہاری شکل میں پورا ہوا۔"

اس کے ساتھ ہی دربار برخاست ہوا۔

قاسم دربار سے محل میں پہنچا تو بھیل سردار منصور کا کا اُس کا منتظر تھا۔ جس نے حاضری کا حکم ملتے ہی یہ دل خراش خبر سنائی کہ وہ سردار جگو کی بیٹی کو واپس نہیں لا سکا۔ خانہ بدوشوں کو تلاش نہیں کر سکا۔

خبر سنتے ہی قاسم نڈھال ہو گیا۔ خیال تو یہ تھا۔ بھیل سردار خانہ بدوشوں کو ساتھ لے کر لوٹے گا۔ وہ جنگل کی شہزادی کو چاند نگر کے محلوں کا مہمان بنائے گا اور ملکہ بیگم کو اپنی پسند سے آگاہ کر دے گا لیکن منصور کا کا اُس گلِ بہاراں تک نہ پہنچ سکا جس کی خوشبو سے دِل کا شہر مہک رہا تھا۔ شہزادی کو مہمان بنانے، قریب لانے اور دِل کے ساتھ محل میں بسانے کی حسرت پوری نہ ہو سکی۔ تڑپ کے پوچھا۔

"خانہ بدوش آخر چلے کہاں گئے؟"

"کا کھبر سرکار! ہم بیس بیس کوس تک ڈھونڈت رہے پر بنجاروں کا کوئی کھوج ناہیں ملت۔ نجانے ان کو جمین کھا گیو یا آسمان نگل گیو۔"

"منصور کا کا! بختیار مرزا تمہارے حیدری چاچا کو جگنا بن سے ڈھونڈ لایا۔ تم سردار جگو کی بیٹی کو چاند نگر کے راستوں پہ تلاش نہیں کر سکے"۔

"ہمار جوان نگر نگر پھرت، ڈگر ڈگر ڈھونڈت۔ پہ چاند نگر کے راستوں پہ کوئی دھول بھی ناہیں اڑت، سرکار! لوگ کہن، کوئی بنجارہ اِدھر سے لوٹ کے ناہیں گیو"۔

قاسم بھی حیران تھا اگر خانہ بدوش لوٹ کے نہیں گئے تو اچانک کہاں غائب ہو گئے۔

"ہو سکتا ہے وہ کسی دوسرے راستے جنگل کو نکل گئے ہوں"۔

"اب ہم جگنا بن جات رہے سرکار!"

"جگنا بن کا کونہ کونہ چھان مارو۔ گڑھی بہادر سین تک تلاش کرو۔ ہمیں جگو کی بیٹی ہر قیمت پر چاہیے"۔

"ہم لا کر دیو سرکار!"

"آج ہم چاند نگر کے زمین و آسمان سے اس دھرتی کے دریاؤں، کہساروں، میدانوں کھیتوں سے اور ریاست کے عوام سے عہد کرتے ہیں کہ چاند نگر کے ہر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور آزادی کی شمع روشن رکھیں گے۔ میر ولی اللہ اور حیدر جنگ انگریزی فوجوں کا مقابلہ کرنے سرحدوں پر پہنچ چکے ہیں اور کل کا سورج ہمیں بھی گھوڑے کی پیٹھ پر دیکھے گا۔ انگریز نے ہمیں کمزور سمجھ کر حملہ کی سازش کی ہے مگر ہم اُسے بتائیں گے کہ آزادی کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔ ہم آج سے چاند نگر میں انگریز ریذیڈنسی کو ختم کرتے ہیں اور ریاست میں انگریز کا داخلہ ممنوع قرار دیتے ہیں۔

آج کے مبارک دن ہم نے اپنے دربار میں قتل کے فیصلوں سے اجتناب کیا پھر بھی بعض مجرموں کی گرفتاری ضروری سمجھی ہے جن کے خلاف قانون اپنا فیصلہ جاری کرے گا۔ ہم ریذیڈنسی کی تمام املاک اور جعفر کی ساری جائیداد ریاست کے حق میں ضبط کرتے اور حکم دیتے ہیں کہ جعفر کو انگریزوں سے ملنے والا لاکھوں روپیہ سرکاری خزانے میں داخل کر دیا جائے۔

ہم جعفر کی جگہ میر ولی اللہ کو ریاست کا مدار المہام بناتے اور دیوان دُنی چند کو اُن کا نائب مقرر کرتے ہیں۔ میرِ دربار کا عہدہ مرزا شاہ رُخ کو عطا کیا جاتا ہے۔ حیدر جنگ، ہمارے وزیرِ حرب ہوں گے۔ رگھو ناتھ کی خدمات کے صلے میں جعفر کی حویلی اُس کے سپرد کی جاتی ہے بختیار مرزا آج سے ہمارے مشیرِ سیاست ہوں گے۔ ہم قلعہ شکوہ اُنہیں جاگیر میں دیتے ہیں۔ ہم نے دیوان دُنی چند کو یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کے وظیفے مقرر کرنے کا اختیار بھی دے دیا اور فرانسیسی افسروں کے تقرر کے علاوہ آلاتِ حرب کا کارخانہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم ریاستی عوام کے لیے امن اور انصاف مہیا کریں گے مگر اس وقت ہمیں اپنی آزادی کا معرکہ درپیش ہے اور ہم توقع رکھتے ہیں کہ چاند نگر کے بہادر باشندے جنگِ آزادی میں ہمارا ساتھ دیں گے ـــــــ"

تقریر ختم کر کے وہ ملکہ بیگم کے سامنے جُھک گیا اور بولا۔

"امی حضور! اگر ہم نے کوئی غلط فیصلہ کیا ہے، کوئی غلط قدم اُٹھایا ہے تو ہمیں ٹوک دیجئے۔ آپ کی ہدایات اور دُعاؤں کا سایہ ہمارے سر پر رہنا چاہیئے"۔

ملکہ بیگم کی آنکھوں میں جذبات کا پانی چمکا مگر اس نے بڑے ضبط و تحمّل سے اپنے آنسو روکے اور کہا۔

میں نہیں کرسکی تنہائی میں کرے گی۔ جو باتیں لوگوں کے سامنے نہیں کہہ سکی، علیحدگی میں کہے گی۔ فوراً مرجینا کے ساتھ چل دیا۔ آج ملکہ بیگم کو خوش و خرم دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر بیگم محل میں پہنچا تو وہاں مضمون ہی اور تھا۔ ملکہ بیگم تصویرِ غم بنی کھڑی تھی۔ بے چین ہو کر آگے بڑھا اور بے قرار ہو کے پوچھا۔

"امی حضور! آج کا دن آپ کی تمناؤں کی تکمیل کا دن ہے۔ آپ نے جس فرض کی ادائیگی کے لیے ہمیں پال پوس کر جوان کیا تھا وہ آج ہم نے سنبھال لیا ہے۔ اس خوشی کے موقع پر یہ اُداسی کیسی؟ کیا ہم سے کوئی بھول ہو گئی؟"

ادھر دل میں ایک ہی غم، ہونٹوں پہ ایک ہی سوال تھا۔

"کیا سردار جگو کی بیٹی چاند نگر لوٹ آئی؟"

اس موقع پر جب کہ ملکہ بیگم کو بیٹے کی تخت نشینی کے جشن پر مسرتوں اور خوشیوں کے اظہار کا کوئی پہلو نکالنا چاہیے تھا وہ خانہ بدوش لڑکی کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔ قاسم حیران تھا کہ کیا جواب دے۔ مگر جواب تو اُسے دینا تھا۔

"امی حضور! ہم نے بھیل سواروں کو خانہ بدوشوں کی تلاش میں بھیجا مگر منصور کاکا ناکام لوٹ آیا۔ کہتا ہے۔ بنجاروں کا کہیں کھوج نہیں مل سکا۔"

ملکہ بیگم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بند کر لیا ہو۔ بات ہی ایسی تھی۔ سردار جگو چاند نگر سے گیا تو بیس برس کے بعد لوٹا اور یہ بیس برس اس نے بیٹی کو ایک نظر دیکھنے کی حسرت میں تڑپ تڑپ کر گزار دیے۔ اب شہزادی نے چاند نگر کو چھوڑا ہے تو کیا خبر کبھی لوٹ کر آئے یا نہ آئے۔ اُسے کیا معلوم کہ چاند نگر کی محل سراؤں میں ایک بدنصیب ماں کے دِل پر کیا بیت رہی ہے۔ منصور کاکا کی ناکام واپسی کی اطلاع نے جیسے ممتا کے کلیجے میں بھالا سا مار دیا۔ دِل میں درد کی نہ رُکنے والی ٹیس اُٹھی۔ ساتھ ہی آنکھوں میں آنسو تیر گئے اور دُکھی آواز میں بولی۔

"صاحبِ عالم! آج تم سلطان بنے ہو۔ تم نے اقتدار اور اختیار کی دُنیا میں قدم رکھا ہے مگر وہ چھوٹی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکے جس کے ساتھ میری زندگی کی ڈور بندھی ہے۔"

قاسم ملکہ بیگم کا دُکھ نہ سمجھتا ہو مگر اپنے دِل کی دھڑکنیں تو گن سکتا تھا جن کی ہر ضرب شہزادی کا نام لے رہی تھی۔ اُس سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ کم از کم سردار جگو کے خونِ ناحق

منصور کا کاکو رخصت کرنے کے بعد اُس نے میر ولی اللہ کے قاصد کو طلب کر لیا جو پیغام لے کر آیا تھا کہ انگریزی فوج کو جنوبی سرحد پر روک لیا گیا اور پہلی جھڑپ میں اس پر ضرب لگائی گئی ہے۔ اب دشمن اپنے توپ خانے کا انتظار کر رہا ہے۔ اس اطلاع کے ساتھ میر ولی اللہ نے درخواست کی تھی کہ مدد روانہ کی جائے کیونکہ دشمن آگے بڑھنے کے جتن کر رہا ہے۔"

"میر ولی اللہ سے کہو۔ دشمن کو روکے رہیں ہم خود آ رہے ہیں۔"

اس جواب کے ساتھ قاصد کو لوٹایا تھا کہ اسی لمحے چوب دار نے مرجینا کی حاضری کے لیے اجازت طلب کی مگر مرجینا کا نام سنتے ہی خود لپک کر دروازے پر پہنچا اور سمجھا شاید وہ جلوسِ تخت نشینی کی مبارکباد دینے آئی ہے۔ مرجینا کو دیکھا تو کہا۔

"جیجی! آج تمہارا آنا ہمیں اچھا نہیں لگا۔"

مرجینا پریشان ہو گئی۔ "کیوں سرکار!"

"تمہیں خود یہاں آنے کی بجائے ہمیں اپنے پاس طلب کرنا چاہیے تھا۔"

"میری یہ مجال کہاں سلطان....."

قاسم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مرجینا جیجی! ہم دوسروں کے لیے سلطان ہوں گے مگر تمہارے لیے آج بھی وہی قاسم ہیں جسے تم اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔"

ان الفاظ نے کنیز اور آقا کے درمیان سارے فاصلے ختم کر کے جیسے ماں بیٹے کا رشتہ قائم کر دیا۔ مرجینا نے اُسے ماں ہی بن کر پالا تھا۔ اُس کے لیے راتوں کو جاگی تھی دنوں کو بھاگی تھی۔ اپنی آواز میں ممتا کا درد گھول کر بولی۔

"آپ کو ملکہ بیگم نے یاد فرمایا ہے۔"

"اوہ ـــــ ہم بھول گئے تھے کہ دربار کے بعد ہمیں سیدھا امی حضور کی خدمت میں حاضری دینا چاہیے تھے۔"

یہ ایک دستور بھی تھا، ایک رسم بھی تھی کہ اختیارات حکومت سنبھالنے کے بعد دعا اور برکت کی خاطر ماں کے قدموں میں پہنچنا ضروری تھا۔ پھر ملکہ بیگم تو نہ جانے اس مبارک تقریب کے لیے کب سے گھڑیاں اور دن گن رہی تھی۔ خیال آیا وہ جشن خوشی کا اظہار دربار

"جنگ میں ہار ہوتی ہے یا جیت اور کچھ نہیں ہوتا مگر جیت نہ ہوئی تو آپ ہمارا چہرہ نہیں دیکھ سکیں گی"۔

یہ ایسی بات تھی جو ملکہ بیگم کے ساتھ مرجینا کا دل بھی گھائل کر گئی اور وفادار کنیز تڑپ کے بولی۔

"ایسا نہ کہیئے سرکار!"

"جو کچھ کہنا چاہتا ہے اسے کہہ لینے دو مرجینا!" ملکہ بیگم کی آواز درد میں ڈوب رہی تھی "ہار جیت قسمت کا کھیل ہے اور اب یہی تو دیکھنا ہے قسمت ایک ماں کی قربانیوں کا کیا صلہ چکاتی ہے۔ چاند نگر کی آزادی کا پرچم زمین پر گرتا ہے یا آسمان پر اُڑتا ہے۔ اگر میرا بیٹا لوٹ کے نہ آیا تو میں قسمت کو، قدرت کو ماننے سے انکار کر دوں گی"۔

"قدرت اتنی ظالم نہیں ہو سکتی جو بیٹے کو ماں سے چھین لے"۔

یہ کہہ کر قاسم ملکہ بیگم کے قدموں میں جھک گیا۔ "امی حضور! آپ کی دعائیں میدانِ جنگ میں ہماری حفاظت کریں گی اور خدا نے چاہا تو ہم چاند نگر کی آزادی کا پرچم لہراتے ہوئے لوٹیں گے"۔

ملکہ بیگم نے جوان بیٹے کو بازوؤں سے پکڑ کے اوپر اُٹھایا پھر بے اختیار اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ سینے سے لگا لیا اور گلوگیر لہجے میں بولی۔

"قاسم! تم ماں کی آخری اُمید ہو۔ میں اپنا سب کچھ لٹا کر بھی تمہاری کامیابی چاہتی ہوں"۔

ماں کی دعائیں لینے کے بعد قاسم مرجینا کے قریب گیا۔

"جیجی! تم بھی ہمیں رخصت کر دو۔ شاید سویرے ہم کسی سے نہ مل سکیں"۔

اس سعادت مندی پر مرجینا کا دل بھر آیا۔ اُس نے قاسم کی بلائیں لیں۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا۔

"مجھے یقین ہے آپ فتح یاب لوٹیں گے"۔

"تو پھر امی حضور کو پریشان نہ ہونے دینا۔ واپسی پر ہم خود جگو کی بیٹی کو ڈھونڈ نکالیں گے"۔

یہ کہہ کر قاسم بڑی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلا۔ اُسے اپنی روانگی کے فوری

سے دِل میں جو نامعلوم سا درد اُٹھا - جو بے نام سی کسک جاگی اس کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن حالات کی صورت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ ماں کا دُکھ سمجھ سکا نہ جگو کی بیٹی کو روک کر اپنی بے چینیوں کا اظہار کر سکا۔ ملکہ بیگم کی حالت دیکھی تو بولا۔

"امی حضور! آپ سردار جگو کی مہربانیوں کا صلہ چکانا چاہتی ہیں وہ صلہ چکا دیا جائے گا۔ اس کی بیٹی سے ملنے کی آرزو رکھتی ہیں۔ یہ آرزو پوری کی جائے گی مگر ہمیں اتنی مہلت ضرور عنایت کر دیں کہ پہلے چاند نگر کی آزادی کے دشمنوں سے نمٹ سکیں۔ انگریزی فوج نے ریاست پر حملہ کر دیا ہے۔ میر ولی اللہ نے سرحد پر دشمن کا حملہ روک لیا اور ہم سے مدد طلب کی ہے۔ کل ہم خود محاذِ جنگ پر جا رہے ہیں۔ اور اگر زندہ لوٹ آئے تو وعدہ کرتے ہیں کہ سردار جگو کی بیٹی جہاں بھی ہو گی اسے آپ کے قدموں میں لا پھینکیں گے۔ بس ہماری مایوسی تک اپنے آنسوؤں کو پلکوں کی چلمن میں چھپائے رکھیے۔ ہمارے لوٹنے تک اپنی آرزو کی چنگاری کو صبر کی راکھ میں دبا دیجیے اور ہمیں اپنی دعاؤں کے سائے میں رخصت کیجیے۔"

ملکہ بیگم نے انگریز کے حملہ کی خبر سنی تو دنگ رہ گئی۔ بیٹے کے محاذِ جنگ پر جانے کی بات کان میں پڑی تو پورا جسم سنسنا اُٹھا۔ بے شک بیٹی کا غم دِل کو کچوکے دے رہا تھا مگر اُس چاند کو چاند نگر کی آزادی کے لیے قربان کیا تھا۔ اب انگریزی فوج اُسی آزادی کو لوٹنے کے لیے ریاست پر حملہ آور ہوئی تو ضروری تھا کہ ایک بار پھر اپنی ممتا کا گلا گھونٹ کر فرض کی ضد پوری کرے اور بیٹے کی راہ سے ہٹ جائے جسے اسی مقصد کے لیے گود لیا تھا کہ وہ چاند نگر کی حفاظت کرے گا۔ اُس نے خود کو سنبھالا۔ آنسو پونچھ دیئے اور ایک نئے لہجے میں مخاطب ہوئی۔

"قاسم! تمہارا پہلا اور آخری فرض چاند نگر کی حفاظت ہے اور مجھے یہ سنکر خوشی ہوئی کہ تم نے ایک مجبور اور دکھی عورت کے دِل کی پکار تو سُنی مگر اپنے فرض کو اُس پر بالا رکھا ہے۔ میری خواہش پوری ہو یا نہ ہو، فرض بہر حال ادا ہونا چاہیے کیونکہ فرض ادا نہ ہوا۔ آزادی لُٹ گئی تو کچھ باقی نہیں رہے گا۔ چاند نگر کی حفاظت کے لیے نکلو گے تو ماں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"آپ کی دعائیں ساتھ ہوں گی تو انگریز کی طاقت ہمیں شکست نہیں دے سکے گی۔"

"اللہ کرے تم جیت کے آؤ۔"

﴿۱۵﴾

چاند نگر کے باشندوں نے کمپنی سرکار کی اس سازش کا پورا حال سُنا تھا جو ریاست کی آزادی کے خلاف بڑی چالاکی سے تیار کی گئی تھی۔ سلطان قاسم کو اختیاراتِ حکومت سنبھالتے ہی چار ہزار سواروں کی معیت میں سرحد کی طرف روانہ ہوتے دیکھا تھا۔ جہاں میر ولی اللہ انگریزی سپاہ کو روکے کھڑا تھا۔

کمپنی نے اپنے منصوبہ کے عین مطابق ٹھیک یکم جنوری ۱۸۰۱ء کو چاند نگر کی سرحد پر حملہ کیا لیکن اس کی توقع کے خلاف یہ حملہ روک لیا گیا۔ لوگوں نے انگریز کے حملہ کی خبر سنی تو پریشان ہو گئے۔ قاسم کو محاذِ جنگ کی طرف جاتے دیکھا تو ہاتھ اُٹھا اٹھا کے اس کی کامیابی کی دعائیں مانگتے رہے۔ انہیں اپنی آزادی سے پیار تھا اور آزادی کی خاطر لڑنے مرنے پر تیار تھے۔

قاسم نے یکم جنوری کی رات کو اقتدار سنبھالا۔ یہ جشن و مسرت کی رات تھی اور پروگرام کے مطابق پوری سات راتیں چراغاں، پورے سات دن جشن ہونا تھا مگر انگریزی حملہ نے ان مسرتوں پر غم کے سائے ڈال دیئے۔ یکم جنوری کی رات شاہی محل میں کچھ روشنیاں

انتظامات کرنا تھے۔

دوسرے دِن طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی چاند نگر کا نیا حکمران چار ہزار سوار دل کے ہمراہ شہر سے کُوچ کر رہا تھا اور بختیار مرزا کے علاوہ وہ فرانسیسی مشیر بھی پیچھے پیچھے تھا، جس کا تقرر کل ہی عمل میں آیا تھا۔

ملکہ بیگم مرجینا کے ساتھ دوسری منزل کے جھروکے میں کھڑی اُسے رخصت ہوتے دیکھ رہی تھی چاند نگر کا قومی پرچم آگے آگے لہراتا جا رہا تھا جس کا سایہ قاسم پر پڑ رہا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک اور شے بھی اس پر سایہ کناں تھی اور وہ ملکہ بیگم کی دُعا تھی۔

کا پل عبور کیا اور کب گھنے درختوں کے سایوں کی اوٹ لیتا قلعہ کی مشرقی فصیل کی طرف رینگ گیا۔

آدھی رات کے خوفناک اندھیرے اور سناٹے میں پوری دس پرچھائیاں قلعہ کی دیوار سے پرے پرے یک لخت جیل خانہ کے راستے پر ہولیں۔ اُن کے گھوڑوں کی ٹاپیں بڑی مدھم بلکہ بے آواز تھیں جیسے گھوڑے بے آواز چلنے کے لیے سدھائے گئے یا اُن کے سموں پر رُوئی کے لتے باندھ دیئے گئے ہوں۔ سواروں نے اپنے چہرے سیاہ پٹکوں میں چھپا رکھے تھے مگر آنکھیں چیتے کی مانند اندھیرے میں اپنا راستہ تلاش کر رہی تھیں۔

پُراسرار اور خوفناک سواروں کا یہ چھوٹا سا دستہ جیل خانہ کے قریب پہنچ کر رُک گیا پھر دو سواروں نے اُٹھارہ فٹ اُونچی فصیل پر کمند پھینکی اور اُوپر چڑھنے لگے۔ کمند کے ذریعے وہ داروغۂ زنداں کے حجرے کی چھت پر اُتر گئے۔ اِدھر چھ سوار جو بندوقوں اور کلہاڑیوں سے مسلح تھے۔ زنداں کے پھاٹک کی طرف بڑھے۔ پھاٹک کی ڈیوڑھی میں مشعل روشن تھی۔ اس کی روشنی میں دو ہی پہرے دار نظر آئے جو ناگہاں اپنے اِردگرد چھ بندوقوں کے دہانے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ پھر جیل خانے کا پھاٹک کھُلا اور چھ سیاہ پوش ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ سلاخ دار پھاٹک پھر بند کر دیا گیا۔ دونوں پہریداروں کو بغلی کوٹھڑی میں بند کر کے اُن کی جگہ دو نئے "پہریدار" متعین ہوئے جنہیں پہرے داروں کی وردی پہنا دی گئی تھی۔

داروغۂ زنداں آج رات شاید دارُو پی کر سویا تھا۔ وہ اُس وقت تک بیدار نہ ہُوا جب تک اُسے جھنجھوڑ کے کھڑا نہ کر دیا گیا۔ شمع کی روشنی میں اپنے اِردگرد ہیبت ناک شکلیں دیکھ کر اس کے منہ سے دبی دبی چیخ نکل گئی مگر فوراً ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ چیخنا چلّانا اور شور مچانا سب بیکار ہے۔ اُسے حکم دیا گیا۔

"جیل خانے کی چابیاں اُٹھاؤ اور چُپ چاپ ہمارے ساتھ چلو۔"

حکم کی تعمیل کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ داروغہ نے چابیاں اُٹھائیں اور اُن کے گھیرے میں باہر نکلا۔ طویل غلام گردش عبور کر کے وہ قیدیوں کے تاریک حجروں کی طرف ہو لیے۔ داروغہ کو بتایا گیا۔

ضرور ہوئیں مگر دوسرے دن نہ جشن منایا جا سکا نہ دوسری رات چراغاں ہو سکا۔ چاند نگر دن کو اُداسیوں اور رات کو اندھیروں میں ڈوب گیا۔

قاسم کی روانگی کے بعد مرزا شاہ رُخ اور دیوان دُنی چند کی درخواست پر ریاست کی آزادی کے لیے مسجدوں میں دعائیں۔ مندروں میں پرارتھنائیں ہونے لگیں۔ لوگ فکر و تشویش میں اُلجھ گئے۔ اٹھارہویں صدی کے ختم ہوتے ہی کمپنی سرکار ہئیتِ حاکمہ کی زبان میں گفتگو کرنے لگی۔ اس کی طاقت کئی آزاد ریاستوں کو اپنا غلام بنا چکی تھی۔ لوگ نہیں جانتے تھے۔ چاند نگر کا نیا حکمران انگریزی طاقت کا کس طرح مقابلہ کر سکیگا۔

۲ جنوری ۱۸۰۱ء کو بازار سرِ شام ہی سنسان نظر آنے لگے۔

شہر پہ اُداسی کی پرچھائیاں چھا گئیں۔

جنگی خطروں کے پیشِ نظر نہ گھروں میں روشنی تھی نہ سرکاری عمارتوں میں کہیں اُجالا نظر آتا تھا۔

بازاروں میں روشن ہونے والی قندیلیں بھی آج رات سیہ پوش تھیں۔ کہیں بھی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔ جُوں جُوں وقت گزرنے لگا۔ پورا شہر تاریکیوں کے غلاف میں لپٹتا چلا گیا۔ ان تاریکیوں میں صرف گھوڑ سوار گشت کر رہے تھے اور ٹاپوں کی آواز کسی نئے خوف کا اعلان کر رہی تھی مگر چاند نگر کے لوگ جانتے تھے۔ ان کے محافظ جاگ رہے ہیں۔ وہ اپنے بستروں میں دبک کر سو گئے۔

یہ ایک تاریک اور سرد رات تھی۔ شمال کی برفانی ہوائیں جسموں پر کوڑے لگاتی اور سنسناتی گزر رہی تھیں۔ چاند نگر کی تاریخ میں ایسی خوفناک اور بھیانک رات سالہا سال کے بعد آئی اور ہولے ہولے جوان ہو رہی تھی۔ اس رات کے بلاخیز جاڑے میں طلایہ گرد سوار بھی قلعہ کے دروازے کی طرف سمٹنے لگے جہاں بھیل سپاہیوں نے الاؤ روشن کر رکھا تھا۔

شاید بُرجوں پر پہرہ دینے والے محافظوں پر بھی آدھی رات کا خواب آور جادو چل گیا تھا اور وہ بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگے تھے یا اندھیروں میں اُن کی نیند سے بھری ہوئی آنکھیں زیادہ دُور تک دیکھنے کے قابل نہ رہی تھیں کیونکہ اُنہیں پتہ ہی نہ چل سکا کہ چند پُراسرار سواروں کا ایک دستہ کب پہاڑیوں سے اُترا۔ کب اُس نے تیلم ندی

کا اشارہ کیا پھر پلٹ کر ایک کلہاڑی زنداں کے پھاٹک پر پھینکی جس کا پھل ایک انگل تک چوبی دہلیز میں کھب گیا۔

اس سیاہ پوش کے سوار ہوتے ہی پُر اسرار سواروں کا قافلہ اُسی راستے پر ہولیا جدھر سے آیا تھا اور فوراً ہی زمستان کی اس سرد رات کے اندھیروں میں گھل مل گیا۔ بھیانک رات کے تاریک سناٹوں میں ٹاپوں کی مدھم آواز بھی شاید کسی کو سنائی نہ دے سکی۔

درّہ نما پہاڑی گلیاں گکروندے کی جھاڑیوں کی مانند پنجوں میں پنجے ڈالے بھول بھلیوں کی طرح دُور تک چلی گئی تھیں۔ اندھیرے میں مشعل کی روشنی اُنہی پہاڑی گلیوں، دراڑوں، کگاروں اور مُڑے تُڑے راستوں پر لپکتی، اُچھلتی رہی۔ گھوڑے ان پہاڑی گلیوں اور پُر پیچ راستوں سے آگاہ معلوم ہوتے تھے۔ وہ اپنے راہنما کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

جعفر اور گیجی دونوں حیران تھے کہ اُن کے پُر اسرار محافظ جو اُنہیں موت کی کوٹھڑیوں سے نکال لائے اب کہاں لیے جاتے ہیں۔ وہ سرحد کی طرف کیوں نہیں گئے جہاں سے انگریزی عملداری میں داخل ہو سکتے تھے۔ شاید جنگ کی وجہ سے سرحد کی طرف جانا خطرناک ہو۔ وہ چُپ چاپ سفر کرتے رہے۔ سیاہ پوش سوار پیچ در پیچ راستے عبور کرتے یک لخت ایک خطرناک نشیب میں اُترنے لگے۔ اب ان کا رُخ ایک ایسی گہری وادی کی جانب تھا جو سینکڑوں فٹ نیچے پہاڑ کی ترائی تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ گھوڑے آگے پیچھے ایک پتلی سی پگ ڈنڈی پر چلتے آخر گہری وادی میں اُتر گئے۔

اُس وادی کی ایک جانب مشعل کی روشنی پہاڑی کگاروں اور غاروں پر تھرتھرائی جن کے سامنے ایک کھلے میدان میں خانہ بدوشوں کے مخصوص جھونپڑے اور خیمے دیکھ کر جعفر کے بدن پر خوف کی شدید سنسنی طاری ہوئی اور ایک سرد لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرسراتی چلی گئی۔

چند لمحوں بعد وہ ایک وسیع و عریض غار کے سامنے گھوڑوں سے اُترے۔ جعفر اور گیجی کو غار کے مُنہ میں دھکیل دیا گیا۔ ان کے پیچھے پیچھے وہی سیاہ پوش گپھا میں داخل ہوا جس کی پُر کشش آنکھیں جعفر کو دیکھی بھالی لگی تھیں اور جو سفر کے دوران موت کی طرح ان کے سر پر مسلّط رہا تھا۔ گپھا کافی طویل تھی۔ اس کے پرلے تاریک گوشے میں دو ٹکٹکیاں بھی نظر آئیں۔ جنہیں دیکھتے ہی جعفر زنداں سے اپنی رہائی کا مطلب سمجھ گیا۔

"ہم مدارالمہام جعفر سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں"۔

جعفر کا نام سُن کر وہ سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھا اور حکم دینے والے سیاہ پوش کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا۔

"مدارالمہام جعفر خانہ بدوشوں کے سردار جگو کو قتل کرنے کے جرم میں قید ہے اگر وہ جیل سے نکل گیا تو اس کی جگہ مجھے پھانسی ہو گی۔ میری بیوی بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے۔ مجھ پر رحم کیا جائے"۔

مگر کسی قسم کے رحم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ منت سماجت بیکار تھی۔ اسے بہر طور حکم کی تعمیل کرنا تھی۔ داروغہ لرزتا، کانپتا اُنہیں ساتھ لے کر تہ خانہ کے دروازے پر آیا پھر زینے کا بھاری قفل کھلا اور مشعل کی روشنی میں خمدار زینہ اُتر کر وہ تہ خانے میں پہنچے یہاں چار کمرے تھے جن میں خطرناک ترین سازشی اور حکومت کے باغی نظر بند کیے جاتے جعفر اور اس کا نائب گیجی یہیں الگ الگ کمروں میں بند تھے۔ دو کمروں کے دروازے باری باری کھلے، پہلے جعفر کو باہر گھسیٹ لیا گیا پھر گیجی کو کال کوٹھڑی سے نکالا گیا۔ داروغہ کو ایک مرتبہ پھر فریاد کی سوجھی۔

"اگر مجھ پر نہیں تو میرے بیوی بچوں پر رحم کیا جائے۔ قیدیوں کی رہائی میری موت بن جائے گی"۔

جواب میں داروغہ کے سر پر کلہاڑی کا دستہ پڑا اور وہ وہیں چکرا کے بے ہوش ہو گیا——— جعفر اور گیجی دونوں حیران تھے۔ اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ کوئی پُراسرار طاقت اُنہیں اس طرح جیل خانے سے نکال لے گی۔ جعفر سوچ رہا تھا بھلا کمپنی سرکار کے علاوہ ایسی طاقت اور کون سی ہو سکتی ہے جو موت کی کال کوٹھری کا دروازہ اس جرأت سے کھول سکے۔

یہ احساس بہرحال بڑا مسرت انگیز تھا کہ اُسے اور گیجی کو موت کے منہ سے نکال لیا گیا ہے۔ مشعل کی لرزتی، تھرتھراتی روشنی میں جعفر نے اپنے سامنے ایک ایسے سیاہ پوش کی آنکھیں دیکھیں جنہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا مگر یاد نہیں آ رہا تھا کہ یہ پُرکشش آنکھیں کہاں دیکھی تھیں۔

زنداں کے پھاٹک سے نکل کر اُسی سیاہ پوش نے جعفر کو گھوڑے پر سوار ہونے

"اسے ٹکٹکی پر کس دو اور جب تک بولتا نہیں جان نہیں نکلنی چاہیے"۔

کاشو نے دو آدمیوں کے ساتھ فوراً جعفر کو پکڑ کے ٹکٹکی پر کس دیا اُس کے ساتھ ہی دوسری ٹکٹکی پر گیجی جکڑا گیا۔ شہزادی نے ایک اور اشارہ کیا۔

"کاشو! اب تم جعفر کی زبان کھلواؤ گے"۔

فوراً ہی کاشو نے چرمی کوڑا سنبھال لیا اور اس کی خوفناک سرسراہٹ کے ساتھ ہی جعفر کی چیخ کسی بدروح کی طرح گپھا میں گونج گئی۔ چرمی کوڑا اس کے جسم کی کھال ادھیڑنے لگا۔ چیخیں پے در پے بلند ہوئیں۔ کاشو اپنے سردار کا انتقام لے رہا تھا۔ جعفر کا بدن لہو لہان ہو گیا اور غش کھاتے ہی سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ بالی نے اس کے منہ پر ٹھنڈے پانی کا ڈول انڈیل دیا۔ جعفر نے جھرجھری لے کر آنکھیں کھول دیں۔ کاشو کا کوڑا پھر حرکت میں آیا۔ کھال پھر اُدھڑی۔ چیخیں پھر گونجیں۔ جعفر پھر بے ہوش ہو گیا۔ بالی نے پھر پانی پھینکا مگر اب کے ہوش نہیں آیا۔

شہزادی کے حکم پر بالی نے وہی کوڑا سنبھالا اور اب گیجی کی مزاج پرسی ہونے لگی جو ٹکٹکی پر تڑپتا، کسمساتا اور چلاتا رہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا"۔

"مگر سردار جگو کو کوڑے تو نے مارے تھے۔ اس کی جان تو نے لی تھی"۔

گیجی کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں تھا۔ اُسے ٹکٹکی پر جان دینا تھی اور یہ جگو کی بیٹی کا اٹل فیصلہ تھا۔ جعفر کی طرح گیجی بھی لہو لہان ہوا اور تھوڑی دیر میں اس کے ہوش بھی جاتے رہے۔

خانہ بدوشوں کا ہر فرد جانتا تھا کہ چاند نگر کا وزیرِ سلطنت سردار جگو کا قاتل ہے۔ وہ اپنے سردار سے والہانہ پیار کرتے اور اس کے ساتھ ہونے والے ظلم کا مکمل انتقام چاہتے تھے۔ وہ گپھا کے اندر، باہر، جھونپڑوں، خیموں میں کھڑے تھے۔ شہزادی کے ساتھ سردار سلیمان، کاشو، بالی، لالو، بونگی، زنگا وغیرہ اپنے مجرموں کو چاند نگر کی جیل سے نکال کر لائے اور اب جاننا چاہتے تھے کہ جعفر نے سردار جگو پر جھوٹے الزام کیوں لگائے۔ آج رات کوئی بھی نہیں سویا تھا۔

جب پو پھٹی، پہاڑوں میں صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ جعفر نے پھر آنکھیں

دونوں قیدیوں کو گپھا کی ٹیڑھی ترچھی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا اور وہی سیاہ پوش اپنے کولہوں پہ ہاتھ ٹکا کر اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا جس کی آنکھوں میں بجلیاں کوند رہی تھیں پھر اس کا بازو لہرایا اور ایک ہی جھٹکے میں اس کے سر سے چادر اور چہرے سے سیاہ پٹکا اُتر گیا جعفر کے سارے اندیشے درست ثابت ہوئے اب اُس کے سامنے خانہ بدوشوں کے سردار جگو کی وہ بہادر بیٹی کھڑی تھی جس نے جلوس تخت نشینی سے پہلے ولی عہد کے ساتھ مقابلہ کر کے لوگوں کو ششدر کر دیا تھا۔

جعفر کے ساتھ گیجی بھی بھونچکا سا رہ گیا مگر جعفر کی حالت زیادہ دگرگوں ہو رہی تھی۔ وہ صدمہ سے چکرا کر گر رہا تھا کہ شہزادی کے پاؤں کی ضرب مُنہ پر پڑی اور لڑکھڑا کے گپھا کی دیوار سے ٹکرایا پھر ایک آواز بجلی کی طرح کڑکی اور یہ آواز جگو کی بیٹی کی تھی۔

"کھڑا ہو جا۔"

ایک ہی ٹھوکر میں جعفر کے اوسان بحال ہو گئے۔ اس نے بے چون و چرا حکم کی تعمیل کی شہزادی قہر آلود لہجے میں بولی۔

"تو نے سردار جگو کی بیٹی کو پہچان لیا ہو گا۔ یہ سمجھ گیا ہو گا کہ خانہ بدوشوں کے مجرم زمین کی چھاتی سے بھی نکال لیے جاتے ہیں تو چاند نگر کا بعد میں پہلے میرا مجرم ہے اور میں تجھے جیل کی دیواروں سے اس لیے نکال لائی ہوں کہ ٹکٹکی پہ باندھ کر اُسی عذاب میں مبتلا کروں جس میں تو نے میرے باپ کو مبتلا کیا تھا۔"

جعفر کے ہوش اُڑنے لگے۔ گیجی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا شہزادی پھر گرجی۔

"بول تجھے سردار جگو سے کیا دشمنی تھی۔ تو نے اس پر ارادہ قتل اور چوری کا الزام کیوں لگایا؟"

جعفر خاموش رہا۔ اُس کے پاس سوال کا جواب نہیں تھا۔ شہزادی نے ایک پل انتظار کیا پھر بولی۔

"جعفر! تجھے بولنا ہو گا۔ جو کچھ پوچھتی ہوں بتانا پڑے گا۔"

جعفر کی زبان نہیں کھلی۔ شہزادی نے حکم دیا۔

جعفر کی چیخ پہاڑی سناٹے کا جگر چیرتی اُبھری اور خاموشیوں میں ڈوب گئی۔ کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ جعفر کا بے ہودہ الزام درست ہو سکتا ہے۔ شہزادی بڑی تیزی سے پلٹی اور گپھا سے باہر نکل گئی۔ باہر دن چڑھ آیا تھا۔

ملکہ بیگم کی اُمیدوں کے نقشے بن بن کر بگڑے تھے۔ ختم نہ ہونے والی اُداسیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ سردار جگو کے قتل، چاند نگر سے خانہ بدوشوں کی روانگی اور شہزادی کی واپسی کے ساتھ ہی بیٹی سے ملاقات کی آخری اُمید بھی رخصت ہو گئی اور اب وہ بستر سے آ لگی تھی۔ ایک کمزور عورت اتنے حادثات کا کہاں تک مقابلہ کر سکتی۔ آخر اپنی ممتا کا گلا گھونٹ کر بیٹھ گئی۔ رات اُس نے بڑی بے چینی سے گزاری کیونکہ اس کی ایک اُمید خانہ بدوشوں کے ساتھ پھر جنگلوں کو لوٹ گئی اور دوسری اُمید سرحد پر انگریز کے خلاف نبرد آزما تھی مگر طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی مرزا شاہرخ ایک افسوس ناک خبر لے کر آیا۔ اُس نے بتایا۔

"رات کچھ لوگ جعفر اور اس کے نائب گیجی کو جیل سے چھڑا کر لے گئے"۔

ملکہ بیگم کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ سوچا شاید میدان خالی دیکھ کر جمیل رائے کے لٹیرے قیدیوں کو چھڑا کر لے گئے۔ عجب نہیں کہ انگریز کے اشارے پر بدامنی بھی پھیلائیں مگر میرزا شاہرخ نے اس خیال کی تردید کر دی۔

"رگوناتھ نے بتایا ہے کہ جمیل رائے اور اُس کے آدمی کوسوں دُور بیٹھے ہیں"۔

پھر شاہ رُخ نے وہ کلہاڑی پیش کی جو شہزادی بطورِ نشان جیل کے پھاٹک پر چھوڑ گئی تھی۔

"جعفر کو جیل سے نکال کر لے جانے والے یہ کلہاڑی چھوڑ گئے ہیں اور اس قسم کی کلہاڑیاں صرف خانہ بدوشوں کے پاس ہوتی ہیں"۔

خانہ بدوشوں کا نام سن کر ملکہ بیگم کا بیمار دل پھر دھڑکنے لگا۔ یاد آیا کہ ایک بار اُس نے سردار جگو کی کمر میں بھی بالکل اسی قسم کی کلہاڑی دیکھی تھی اور اس کی اپنی بیٹی بھی تو انہی کلہاڑیوں کی چھاؤں میں پل کر جوان ہوئی ہے۔ اس تصوّر نے ملکہ بیگم کے خیالوں میں ہلچل سی مچا دی۔ بیٹی کا پتہ صرف خانہ بدوشوں سے مل سکتا تھا۔ تڑپ کے بولی۔

"میرزا شاہ رخ! پہرہ سخت کر دو، اگر کوئی خانہ بدوش نظر آئے تو اُسے

کھول دیں اور شہزادی کا سوال پھر ننگی تلوار کی طرح اس کے سر پہ لٹک رہا تھا

"بول ـــــ تجھے سردار سے کیا دشمنی تھی۔"

جعفر کی قوتِ برداشت ختم ہو چکی تھی۔ اُسے زبان کھولنا پڑی۔ رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کے بولنے لگا۔

"بیس برس پہلے ولی عہد قاسم کے جشنِ پیدائش پر بھی سردار جگو شاہی محل میں آیا تھا۔ محل کی خاص کنیز مرجینا اُسے "قصرِ سفید" میں لے گئی تھی کیونکہ وہ ملکہ بیگم اور سردار جگو کے راز سے آشنا تھی۔ میں نے یہ راز معلوم کرنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ شہزادہ قاسم کے جشنِ جلوس پر بیس برس کے بعد سردار جگو ایک رات پھر شاہی محل میں داخل ہوا اور اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر ولی عہد کو بچا لیا جو ایڈگر بلیک کا نشانہ بننے والا تھا۔ میں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ ملکہ بیگم نے میرے پاس جگو کی رہائی کا پروانہ بھیجا۔ میں نے قبول نہیں کیا کیونکہ سردار جگو اور ملکہ بیگم کا راز جاننا چاہتا تھا مگر سردار نے زبان نہیں کھولی اور موت کو گلے لگا لیا ـــــ"

جعفر کی زبان سے یہ حیرت انگیز انکشاف سن کر خانہ بدوش دنگ رہ گئے کہ سردار جگو ولی عہد کے جشنِ ولادت پر بھی شاہی محل میں داخل ہوا اور مرجینا نے اُسے خفیہ طور پر ملکہ بیگم سے ملوایا تھا۔ بیس برس بعد وہ اس کے جشنِ جلوس پر بھی محل میں بلایا گیا۔ اس نے ولی عہد کی جان بچائی۔ جعفر کے قہر و غضب کا نشانہ بنا مگر اپنے اور ملکہ بیگم کے تعلق کا راز نہیں کھولا۔

شہزادی ایک طرف چُپ چاپ کھڑی تھی۔ اچانک سردار سلیمان آگے بڑھا اور جعفر سے پوچھنے لگا۔

"تم کیا سمجھتے تھے ملکہ بیگم نے شہزادہ قاسم کے جشنِ ولادت اور جشنِ جلوس پر سردار جگو کو شاہی محل میں کیوں بلایا تھا؟"

"میرا خیال ہے ملکہ بیگم کے بیٹے کا باپ نواب فرخ نہیں سردار جگو ہے۔"

ان الفاظ نے ایک اور سنسنی پیدا کر دی اور اس کے ساتھ ہی کاشو کا سنسناتا ہوا کوڑا جعفر کے منہ پر پڑا۔

"بے غیرت! سردار کی آبرو پر الزام لگاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی طرح نیک تھا۔"

"نہیں ـــــــ" پہریدار نے جو دراصل کاشو تھا۔ اُسی لہجے میں جواب دیا۔
"دونوں پہرے دار صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آئیں گے۔ مال ۱۳ نمبر کے کمرا میں ہے"۔

پھر سیاہ پوش جو شہزادی تھی۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمارت کے تاریک گوشوں میں غائب ہو گئی۔ لوہے کا جنگلہ اور برنجی دروازہ دونوں بند کر دیئے گئے۔ کاشو اور اس کا ساتھی پہرے پر مستعد ہو گئے۔

۱۳ نمبر کا کمرا تلاش کرنے میں دِقّت نہیں ہوئی۔ مال نکالا گیا مگر جب اُسے دروازے کی طرف لایا جا رہا تھا طلایہ گرد رسالہ کے گھوڑوں کی ٹاپیں ابھریں۔ مال لانے والے پرے ہٹ گئے۔ کاشو چوکنا ہو گیا۔ پہرے دار رسالہ خزانہ کی فصیل کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اچانک برنجی دروازے پر چوٹ پڑی اور افسر کی آواز گونجی۔

"پہرے دار! کیا سو گئے۔ دروازہ کھولو۔"

اس آواز نے ایک سنسنی پیدا کر دی۔ شہزادی کاشو کے ساتھ ڈیوڑھی میں کھڑی تھی۔ اُس نے کاشو کو برنجی دروازہ کی کھڑکی کھولنے کا اشارہ کیا۔ اس نے کھڑکی کا ایک پٹ کھول کر باہر جھانکا۔ طلایہ گرد افسر کو اندھیرے میں کھڑے دیکھا اور پوچھا۔

"کیا ہے؟"

"تمہیں علم نہیں باہر کی قندیل بجھ گئی، شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس دروازے پر اندھیرا نہیں ہونا چاہئیے"۔

"چوکیدار دوسری قندیل لینے گیا ہے"۔

"روشنی کر دو ــــــ ہوشیار رہو"۔

یہ کہہ کر طلایہ گرد افسر نے گھوڑا موڑا اور لوٹ گیا۔ اندھیرے میں کئی سوار اس کے پیچھے پیچھے گزرنے لگے، شہزادی اور کاشو نے اطمینان کا سانس لیا۔ رسالہ کے گزرتے ہی کاشو نے برنجی دروازہ کھولا۔ اندھیرے میں روشنی کا اشارہ دیا اور چند سوار نجانے کہاں سے نکل کر آ گئے۔ فوراً ہی سارا مال گھوڑوں پر لادا گیا اور ایک چھوٹا سا قافلہ شمال کو ہو لیا۔ اس قافلے کو خطرے کی وہ لکیر عبور کرنا تھی جو قلعہ کی فصیل اور نیلم ندی کے درمیان واقع تھی۔ شہزادی سوچ سمجھ کر شہر میں داخل ہوئی تھی۔ جونہی قافلہ اس لکیر کی طرف بڑھا قلعہ کے عقب میں جعفر کی حویلی دھڑا دھڑ جلنے لگی اور آگ کے شعلے

گرفتار کر لو اور میرے پاس لاؤ"۔

دوسری رات پہرہ سخت کر دیا گیا۔ سپاہی اہم مقامات کی نگرانی کرنے لگے۔ گشت کا انتظام بھی پہلے سے بہتر تھا مگر رات کی دوسری نوبت کے ساتھ ہی چند پُراسرار سائے اندھیرے سے نکل کر دیوان دُنی چند کی حویلی کے پاس نمودار ہوئے۔ پھر دروازہ اندر سے کھُلا اور سائے حویلی میں داخل ہوئے۔

دیوان دُنی چند گہری نیند سونے کا عادی نہیں تھا۔ کھٹکے کی آواز سُن کر فوراً جاگا مگر آنکھ کھُلی تو یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا کہ تین آدمی منہ لپیٹے، کلہاڑیاں تھامے اِرد گرد کھڑے تھے اور ایک سیاہ پوش سرہانے کی تجوری کھول رہا تھا جس میں چند ضروری دستاویزات اور شاہی خزانے کی چابیاں تھیں۔ ہڑبڑا کے اُٹھا، گھبرا کے بولا۔

"کون ہو تم ——— یہاں کیا کر رہے ہو؟"

اچانک بائیں سمت کے تاریک گوشہ سے آواز آئی۔

"دیوان دُنی چند! ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں صِرف خزانے کی چابیاں چاہئیں"۔

دُنی چند نے بائیں گوشے کی طرف رُخ موڑا۔ ایک سیاہ پوش کلہاڑی زمین پر ٹکے اطمینان سے کھڑا تھا۔ بوڑھے دیوان کی سماعت دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔ اس نے سیاہ پوش کی جو آواز سنی وہ اپنے بھاری اور پُرتحکم لہجے کے باوجود نسوانی تھی۔ دُنی چند دم بخود رہ گیا۔ ٹھہر کے بولا۔

"شاہی خزانے سے تمہیں کچھ نہ مِل سکے گا"۔

وہی نسوانی آواز پھر مردانہ لہجے میں بلند ہوئی۔

"ہمیں خزانے سے کوئی مطلب نہیں، صِرف جعفر اور کرنل کلوٹ کے اُس مال کی ضرورت ہے جو کل ہی خزانے میں داخل کیا گیا ہے"۔

چابیاں حاصل کر لینے کے بعد صرف دو سیاہ پوش دُنی چند کے سَر پر مسلّط رہے باقی نکل گئے۔ چند لمحوں بعد وہی سیاہ پوش جس نے دیوان سے گفتگو کی تھی شاہی خزانے کے محراب دار برنجی دروازے پر کھڑا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی دونوں پہرے دار بندوقیں اُٹھائے پیچھے ہٹ گئے۔ سیاہ پوش نے آگے بڑھ کے سرگوشی کی۔

"کوئی گڑبڑ تو نہیں کاشو!"

پہریدار مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر اِدھر اُدھر بکھر گئے ۔ جگہ جگہ الاؤ روشن کر دیے گئے ۔ تاکہ کوئی اجنبی اُن کی نظر سے بچ کر شہر میں داخل ہو سکے نہ شہر سے نکل سکے ۔

رات اپنے دوسرے پہر سے گزر رہی تھی مگر ملکہ محل کی دوسری منزل پر قندیلیں ابھی تک روشن تھیں ۔ دوسری نوبت بجتے ہی محل کی کنیز شگفتہ دستور کے مطابق شمعیں گل کرنے آئی تھی مگر ملکہ بیگم نے اسے لوٹا دیا اور کہا تھا ۔

"آج شمعیں گل نہیں ہوں گی"

بہت بے چین اور مضطرب نظر آتی تھی ۔ آنکھوں میں نیند کی بجائے بیٹی کا تصوّر بسا ہوا تھا اور آج مسہری اس کے لیے کانٹوں کی سیج بن گئی تھی ۔ کسی بے قرار رُوح کی طرح کمرے میں پھرنے لگی ۔ مرجینا نے دوبارہ توجہ دلائی ۔

"ملکہ حضور! رات بہت بیت گئی ۔ آرام فرمائیے !"

مگر آرام ملکہ بیگم کی قسمت میں کہاں تھا ۔ اپنے پیٹ کی جنی بیٹی کو کھو چکی تھی اور اس کے بدلے میں جو "سروِ بہاراں" حاصل کیا وہ خطرے کی سرحد پر دشمن سے نمٹنے گیا تھا ۔ بدنصیب ملکہ بیگم کی دونوں آرزوئیں داؤ پر لگی تھیں ۔ اسے ایک پل قرار نہیں تھا ۔ کبھی تصوّر بیٹی کے تعاقب میں بھاگ نکلتا ۔ کبھی خیال قاسم کا پیچھا کرتا جس کی زندگی پر چاند نگر کی زندگی کا انحصار تھا ۔ سوچ رہی تھی ۔ کل اُسے خود فوجی لباس زیب تن کر کے محاذِ جنگ کی طرف کوچ کرنا چاہیے ۔ چاند نگر کی آزادی کے لیے خود کو قربان کر دینے کے لیے تیار تھی ۔

کنیزیں اپنے حجروں میں جا چکی تھیں ۔ ساؤ نچلی منزل کی راہداری میں گھوم رہا تھا ۔ رات کے سنّاٹے میں اس کے قدموں کی مانوس چاپ سنائی دے رہی تھی ۔ ملکہ بیگم مختلف خیالوں کے ہجوم میں گھری ہولے ہولے کمرے میں پھر رہی تھی کہ اچانک کھٹکا سُن کر چونکی اور جب مڑی تو مارے تعجب کے ایک لرزتی ، سسکتی چیخ حلق کے اندر ہی دب کے رہ گئی ۔

خانہ بدوش جگو کی بیٹی کلہاڑی تھامے دہلیز میں کھڑی تھی اور آنکھیں شیرنی کی طرح چمک رہی تھیں ۔ اُسے دیکھ کر ملکہ بیگم جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی ۔ یقیناً وہ کمند کے ذریعے بے آواز دوسری منزل پر پہنچی تھی ورنہ ساؤ کی تلوار اس کا راستہ کاٹتی ۔ اس نے ملکہ بیگم کی طرف دیکھا اور تیز کاٹتے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی ۔

"ملکہ بیگم ! آپ نے خانہ بدوشوں کے سردار کی گرفتاری کے لیے بیس ہزار روپے

آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ طلایہ گرد سواروں نے گھبرا کر گھوڑوں کی باگیں حویلی کی طرف موڑ لیں۔ خانہ بدوشوں کے لیے راستہ صاف تھا۔ اُنھوں نے بڑی سرعت کے ساتھ خطرے کی لکیر عبور کی اور نیلم ندی کے اس پار اُتر گئے۔

دوسرے دن کا سورج کئی خبروں کے ساتھ طلوع ہوا۔ چوڑے پھل کی کلہاڑیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک کلہاڑی دیوان دُنی چند کی حویلی، دوسری شاہی خزانہ کی دہلیز اور تیسری سابق وزیرِ سلطنت جعفر کی حویلی کے نیم سوختہ دروازے میں پیوست تھی۔

خانہ بدوش چاند نگر سے سردار جگو کی موت کا انتقام لے رہے تھے۔

ملکہ بیگم نے رات کے واقعات کی خبریں تشویش سے سُنیں اور حیرت کی نظروں سے کلہاڑیوں کو دیکھا —— ایک ہی لوہے، ایک ہی ساخت، ایک ہی سائز کی کلہاڑیاں ایک ہی قبیلے کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ مرزا شاہرخ اور دیوان دُنی چند دونوں سر نہوڑائے کھڑے تھے۔ دُنی چند نے بتایا۔

"شاہی خزانہ سے کرنل کلوٹ، انگریز ریذیڈنسی اور جعفر کے ضبط شدہ مال کے علاوہ ایک پائی کا نقصان نہیں ہوا۔"

دُنی چند کا دوسرا انکشاف مزید حیرت انگیز تھا۔

"رات جس سیاہ پوش خانہ بدوش سے بات ہوئی اُس کا لہجہ بھاری مگر آواز نسوانی تھی ——"

ملکہ بیگم کے دل میں ایک نئی کرن تڑپنے لگی۔ شاید وہ سردار جگو کی بیٹی ہو —— شہزادی ہو —— اُس کی اپنی نورِ نظر ہو اور اس کا مطلب یہ ہے خانہ بدوش چاند نگر سے گئے نہیں۔ اُس کے جگر کا ٹکڑا یہیں موجود ہے۔ ملکہ بیگم نے حکم جاری کیا:۔

"اگر وہ خانہ بدوش ہیں تو اُنھیں گرفتار کرو، میرے پاس لاؤ۔ اُن کے سردار کی گرفتاری کے لیے بیس ہزار روپے کے انعام کا اشتہار دے دو۔"

سمجھتی تھی کوئی خانہ بدوش گرفتار ہو گیا تو اس سے شہزادی کا پتہ پوچھ سکے گی۔ شہر میں خانہ بدوشوں کے خلاف ڈھنڈی پیٹ دی گئی۔ سردار کی گرفتاری کے لیے بیس ہزار روپے کے انعام کا اعلان کر دیا گیا۔ اس منادی نے لوگوں میں ایک عجیب سی سنسنی پھیلا دی اور اس سنسنی کے درمیان رات نے چاند نگر پر اپنی کالی زلفیں کھول دیں۔

جاگ کر تجھ سے ملنے کے خواب دیکھے ہیں - آگے بڑھ اور اپنی بدنصیب ماں کے سینے سے لگ جا"۔

ماں کی ممتا کے سامنے کچھ پوچھنے اور سوال کرنے کی ساری طاقتیں زائل ہو گئیں - شہزادی نے محسوس کیا کہ ماں کی محبت نے آسمان کی بلندی سے اُتر کر ملکہ بیگم کا روپ دھار لیا ہے - قبائلی گہوارہ میں پرورش پانے والا مضبوط دِل کانپ اُٹھا پھر کلہاڑی پھینک کر آگے بڑھی اور ماں نے ممتا کے پورے جوش کے ساتھ بیٹی کو سینے سے لگا لیا - چمٹا لیا - اُس کے پھڑکتے تڑپتے ہونٹ شہزادی کے چہرے پر، آنکھوں پر، ماتھے پر، گردن پر، بالوں پر محبت کی مہریں ثبت کرتے چلے گئے اور اس لازوال اور بے پایاں محبت نے جو صرف ماں کے دِل میں پیدا ہوتی ہے، شہزادی کا دِل گداز کر دیا اور وہ بھی خودرفتگی کی حالت میں ملکہ بیگم کے بازوؤں میں لپٹی رہی -

ماں بیٹی کے اِس جگر گداز ملاپ کا منظر صرف مرجینا نے دیکھا جو آہٹ کی آواز سُنکر نرم قدموں سے چلی آئی اور چپ چاپ ایک گوشے میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی اچانک ملکہ بیگم کی نظر اُس پر پڑی اور تڑپ کے بولی -

"مرجینا! دیکھو میری بیٹی آگئی ——— میری شہزادی آگئی - جاؤ شاہی محل میں چراغاں کر دو - قاسم کو پیغام بھیجو کہ جنگ سے لوٹ آئے اور پہلے اپنی دُلہن کو دیکھ لے"۔

شہزادی فوراً ملکہ بیگم سے الگ ہوئی اور پلٹ کر مرجینا کو دیکھنے لگی جس نے شاہی آداب کے مطابق پہلے شہزادی کو کورنش ادا کی پھر ملکہ بیگم سے بولی -

"حضور! شہزادی کی آمد کا اعلان ایسے نہیں ہوگا"۔

"پھر کیسے ہوگا؟ اب میں اپنی بیٹی کو جُدا نہیں ہونے دوں گی"۔

"آپ بیس برس شہزادی کی جُدائی میں تڑپی ہیں صرف چند روز اور صبر کیجئے پھر ہوگا وہی جو آپ چاہتی ہیں"۔

مرجینا کی آواز بھی اس کے آنسوؤں میں بھیگ رہی تھی کیوں کہ واقعہ کی صورت ہی کچھ ایسی تھی جس کے سامنے وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی - شہزادی حیرت پاش نظروں سے کبھی ملکہ بیگم کو، کبھی مرجینا کو دیکھتی رہی - آخر اس نے کنیز کو کندھوں سے پکڑ لیا اور اُسے جھنجھوڑ کو بولی -

"مرجینا! مجھے بتاؤ یہ سب کچھ کیا ہے - ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی"۔

کا اعلان کیا۔ مَیں ہوں جگو کی بیٹی خانہ بدوشوں کی سردار۔ آپ میں ہمت ہے تو مجھے گرفتار کر لیں مگر میری گرفتاری کے ساتھ ہی پورا چاند نگر پھونک دیا جائے گا۔"

ملکہ بیگم پتھر کی مورتی کی طرح ساکت و صامت، گم صم کھڑی تھی جیسے اُسے شادیٔ مرگ یا سکتہ ہو گیا تھا۔ پھٹی پھٹی نظریں شہزادی کے چہرے پر مرتکز تھیں۔ جگو کی بیٹی نے اُسے دوسری بار مخاطب کیا۔

"آج مَیں نے اپنے آپ کو خطرے میں جھونکا ہے صرف یہ پوچھنے کے لیے کہ آپ کا سردار جگو سے کیا ناتا تھا ـــــ آپ نے میرے باپ کو محل میں کیوں بلایا اور بلایا تھا تو اس کی حفاظت کیوں نہ کر سکیں؟"

لہجہ اب بھی سرگوشیانہ تھا تاکہ اُس کی آواز کوئی تیسرا نہ سُن سکے۔ مگر شہزادی نے جو کچھ پوچھا۔ ملکہ نے جو کچھ سُنا وہ ایک بجلی کا کڑکا تھا جس نے بوڑھی ملکہ کو لرزا دیا۔ اس کا بدن زور سے کانپا۔ ہونٹ پھڑپھڑائے، نتھنے پھڑکے، آنکھوں سے آنسوؤں کے سوتے پھوٹ نکلے۔ بانہیں پھیلا کر آگے بڑھی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میری بیٹی ـــــ میری شہزادی ـــــ"

خانہ بدوش لڑکی یہ عجیب منظر دیکھ کر، خطاب کے حیرت انگیز الفاظ سن کر مارے حیرت کے ایک قدم پیچھے ہٹی اور کلہاڑی آگے کرکے بولی۔

"ملکہ بیگم! آگے بڑھنے کی کوشش بے کار ہے۔ پہلے آپ کو میرے سوال کا جواب دینا ہوگا ـــــ سردار جگو سے آپ کا کیا ناتا تھا؟"

"سردار جگو میرا محسن تھا ـــــ چاند نگر کی آزادی کا محافظ تھا۔"

شہزادی نے ملکہ بیگم کے الفاظ تعجب سے سُنے پھر پوچھا۔

"آپ کو مجھے "بیٹی" کہنے کا حق کس نے دیا ہے؟"

ملکہ نے روتی آنکھوں اور بھیگی آواز میں جواب دیا۔

"تجھے بیٹی کہنے کا حق میری کوکھ نے دیا ہے جس سے تو نے جنم لیا۔"

یہ ایک ایسا لرزہ خیز انکشاف تھا جس نے شہزادی کو دم بخود کر دیا۔ حیرت پاش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ ملکہ بیگم کے آنسو رواں تھے۔ بولی۔

"مَیں بیس سال سے تجھے گلے لگانے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ مَیں نے راتوں کو جاگ

کی پوری شفقت دی اور اپنی تربیت سے جنگل کی شیرنی بنا دیا تھا۔ اُسے آج معلوم ہُوا۔ سردار جگو ایک عظیم انسان تھا جس پر چاند نگر کی تاریخ فخر کر سکتی ہے۔ اس نے اپنے گھر کے چراغ سے ریاست کو روشنی بخشی۔ ملکہ بیگم کی امانت سینے سے لگا کے رکھی۔ اپنے ہونٹ سی لیے اور عہد و پیمان کا حق ادا کر دیا۔ جان دے دی مگر زبان نہیں کھولی، اب شہزادی کو فخر محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اتنے عظیم انسان کی گود میں پل کر جوان ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی سردار جگو کے بچھڑ جانے کا غم اور بھی گہرا ہو گیا۔

دُوسری طرف وہ اپنی برگشتہ قسمت ماں کی عظمت اور آزادیٔ وطن کی خاطر دی جانے والی قربانی پر دنگ رہ گئی۔ جس نے اپنی بیٹی کے لیے بیس برس کی طویل مدتِ فراق تڑپ تڑپ کے گزار دی لیکن ابھی تک چاند نگر کی آزادی کو بچائے رکھا تھا۔ یقیناً وہ قابلِ احترام تھی۔ لائقِ پرستش تھی۔ شہزادی مسند سے اُٹھی اور بے اختیار ماں کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"ماں! تو کتنی بڑی عورت ہے جس نے ریاست کی آزادی کے لیے اتنے دُکھ جھیلے مگر اب کوئی لٹیرا چاند نگر کی آزادی غصب نہیں کر سکتا۔ میں قاسم کے ساتھ وطن کی حفاظت کروں گی —— وہ سردار جگو کا خون ہے —— میں سردار جگو کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہوں۔ تیری اور سردار جگو کی قربانیاں رائیگاں نہیں جا سکتیں۔"

ملکہ بیگم کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا۔ شہزادی کو اُٹھا کر اپنے پاس بٹھایا اور کانپتی، تھرتھراتی آواز میں کہنے لگی۔

"یاد رکھ بیٹی! قاسم اب چاند نگر کا سلطان ہے اور سلطان ہی رہے گا۔ سردار جگو کو جو قول دیا تھا۔ وہ اپنی جان کے ساتھ نبھاؤں گی۔ میں نے قاسم کو بیٹا ضرور بنایا مگر اُسے اپنا دُودھ نہیں پلایا تھا۔ اس طرح چاند نگر کی ملکہ کا عہدہ تیرے لیے خالی رکھا تھا۔ وہ جنگ سے لوٹ آئے تو تجھے دُلہن بنا کر اس کے ساتھ ریاست کے تخت پر بٹھاؤں گی۔"

شہزادی عجیب سے خیالوں میں کھو گئی۔ دِل میں بہادر کی یاد نے انگڑائی لی لیکن فوراً سوچنے لگی۔ چاند نگر کے لیے۔ ماں کے لیے شاید اُسے بھی اپنی محبت قربان کر کے سلطان قاسم کی دُلہن بننا پڑے۔ وہ ماں کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ بہادری کے مقابلوں میں قاسم کی شجاعت و مردانگی اور سپاہیانہ مہارت کو بہ نفسِ نفیس آزما چکی تھی پھر وہ

"آپ ملکہ بیگم اور نواب فرخ مرحوم کی بیٹی ہیں۔ جنہیں پیدا ہوتے ہی سردار جگو کی گود میں ڈال دیا گیا —— اور وفا شعار جگو نے، محسن اور مہربان جگو نے آپ کو اپنی بیٹی بنا کر پالا —— میں ہی وہ بدنصیب کنیز ہوں جو بیس برس پہلے آپ کو اپنے ہاتھوں سے سردار جگو کی گود میں ڈال آئی تھی۔"

اس انکشاف پر شہزادی کے ہوش و حواس پر بجلیاں سی گریں۔ چہرے پر ایک ساتھ بیسیوں سوال اُبھر آئے اور کپکپاتی آواز میں پوچھنے لگی۔

"ایسا کیوں ہوا؟"

مرجینا نے جواب دیا۔

"اس لیے کہ ہمیں چاند نگر کی آزادی کے لیے ایک چاند کی ضرورت تھی اور وہ چاند سردار جگو کے گھر پیدا ہوا تھا جس کو جنم دیتے ہی جگو کی بیوی زینو مر گئی۔ میں آپ کے بدلے جنگل کا پھول محل میں لے آئی اور اس نے ولی عہد قاسم کے روپ میں ہماری آزادی کو بچائے رکھا ——"

شہزادی ابھی تک حیران و ششدر تھی۔ ملکہ بیگم نے اسے ایک بار پھر اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور گلوگیر آواز میں بولی۔

"ہماری بدنصیبیوں کی داستان بہت لمبی ہے بیٹی! ہم پر جو گزری وہ میں تجھے سناؤں گی —— آ میرے پاس بیٹھ جا ——"

مرجینا دروازے میں کھڑی ہو گئی اور ملکہ بیگم بیٹی کو لے کر مسند پر بیٹھ گئی، پھر اس نے بیس برس پہلے کی کہانی چھیڑ دی اور بتایا۔

"اُس رات آسمان پر گھنگھور بادل چھائے تھے۔ طوفانِ ابر و باد نے چاند نگر کو اپنے کالے پنجوں میں دبوچ لیا تھا جب شہر سے دُور —— نیلم ندی کے ویرانے میں ایک چراغ جھلملایا تھا ...."

شہزادی غور سے سنتی رہی جب ملکہ بیگم نے اپنی کہانی ختم کی چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا اور شہزادی بھی سسکیاں لے رہی تھی۔ اُس نے چاند نگر کی ضرورت، ماں کی قربانی اور اپنی بدنصیبی کی روداد سن لی اور چاند نگر کی آزادی پر آنسوؤں کا خراج ادا کیا جن کی خاطر اُس کی قربانی دی گئی۔ وہ آج تک سردار جگو ہی کو اپنا باپ سمجھتی رہی تھی جس نے اُسے باپ

اس کے غائب ہوتے ہی ملکہ بیگم کمرے میں لوٹ آئی اور مسہری پر لیٹ گئی۔
اب وہی مسہری راحت و آرام کی سیج تھی۔

کا بیٹا تھا ـــــ جگو کا خون تھا ـــــ شہزادی اُس کے ساتھ ایک عجیب سا تعلق محسوس کرنے لگی۔

اچانک رات کی تیسری نوبت نے اُنہیں چونکا دیا۔ ستارۂ سحری نمودار ہو چکا تھا۔ شہزادی نے ماں سے رخصت طلب کی اور بتایا کہ غدّار جعفر اور گیجی اپنے انجام کو پہنچ گئے اور ایک دو دن کے بعد وہ شمالی جنگلوں میں بکھرے ہوئے خانہ بدوشوں کو لے کر جنہیں سردار جگو نے باقاعدہ جنگ کی تربیت دی تھی۔ محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو جائے گی ـــــ بولی۔

"ماں! مَیں قاسم کے کندھے سے کندھا مِلا کر انگریز کا مقابلہ کروں گی اور اب چاند نگر میں اُسی وقت لوٹوں گی جب آزادی کا چاند گہن سے نکل آئے گا۔"

وہ ملکہ بیگم سے گلے مِل کر رخصت ہونے لگی تو مرجینا نے آگے بڑھ کر ایک عجیب بات کہی۔

"شہزادی حضور! اس بات کو کبھی نہ بھولیے گا کہ آپ سردار جگو کی بیٹی ہیں اور سردار جگو کی بیٹی رہیں گی۔ قاسم ملکہ بیگم کا بیٹا ہے اور ملکہ بیگم کا بیٹا رہے گا۔ یہی وہ عہد ہے جس پر ملکہ بیگم، مَیں اور سردار جگو قائم رہے اور اب آپ بھی اس راز میں شریک ہو چکی ہیں۔ شاید ہم سلطان قاسم کو بھی اس بارے میں کچھ نہ بتا سکیں۔"

شہزادی نے ایک پل مرجینا کی بات پر غور کیا۔ معاملے کی نوعیت سمجھی اور کہا۔

"میرے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ سردار جگو کی بیٹی کہلاؤں۔"

یہ کہہ کر کلہاڑی اپنی کمر کی پیٹی میں اُڑسی اور اس کنگورے کی طرف بڑھی جس میں ابھی تک کمند کا پھندا اٹکا ہوا تھا پھر کمند پکڑ کے جھول گئی اور کوندے کی طرح لپکتی جھپکتی ملکہ محل کے عقب میں اُتر گئی۔

ملکہ بیگم اور مرجینا چاند نگر کی شہزادی کو اس دلیری اور مہارت کے ساتھ کمند کے ذریعے نیچے اُترتے اور اندھیرے میں غائب ہوتے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ سردار جگو کی تربیت نے اُس کے جسم میں بجلیاں بھر دی تھیں۔ کسی طرف سے کوئی شور نہیں اُٹھا۔ کوئی فائر نہیں ہُوا۔ کوئی ہنگامہ نہیں مچا۔ شہزادی چُپ چاپ آئی تھی۔ چُپ چاپ نکل گئی۔

جسے میر ولی اللہ نے روک لیا تھا۔ دوسرا حملہ شمالی قلعہ شکوہ پر متوقع تھا۔ جس کے لیے کرنل ڈنگ نے جگنا بن میں پہلے سے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ پہلا انگریزی ڈویژن احمد پور میں رُکے بغیر شمال کی طرف بڑھ گیا جسے قلعہ شکوہ کو سر کر کے پورے شمالی علاقہ پر قبضہ کرنا تھا۔ کرنل سمتھ کی کمان میں کمپنی کا بھاری توپ خانہ پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ جس کا اب میجر جنرل ونڈسر کو بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ کیونکہ میر ولی اللہ کی کمان میں لڑنے والے دستوں نے انگریزی توقعات کے برعکس حیرت انگیز مدافعت کا مظاہرہ کیا تھا اور ونڈسر محسوس کر رہا تھا۔ توپ خانہ کی مدد کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔

سلطان قاسم نے دارالحکومت سے نکلتے ہی بہت سی خبریں معلوم کر لی تھیں۔ میر ولی اللہ کی طرف اپنی آمد کا پیغام روانہ کر دیا تھا۔ قلعہ شکوہ کے کماندار حیدر جنگ کو اطلاع بھجوائی تھی کہ شب سے پہلے جگنا بن میں انگریز شکاریوں کا کیمپ تباہ کرے، میرزا شاہرخ اور دیوان دُنی چند سے مدد طلب کرے اور ہمیں بھی دُور نہ سمجھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے قلعے، گڑھیاں، بستیاں ایک طرف چھوڑیں اور بڑی تیزی سے جنوبی سرحد کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ میر ولی اللہ اور میجر جنرل ونڈسر کے محاذ جنگ کو بھی چھوڑتا ہوا ایک جانب نکلتا چلا گیا۔ اسے دراصل انگریزی توپ خانہ کی تلاش تھی جسے وہ کہیں رستہ ہی میں جالینا چاہتا تھا کیونکہ انگریزی سپاہ کی اصل طاقت یہی توپ خانہ تھا۔

رستے میں اس نے مختصر پڑاؤ کیے اور سفر کی رفتار تیز رکھی۔ آخری پڑاؤ ایک جنگل میں کیا تھا کہ خبررساں انگریزی توپ خانے کے بارے میں اہم معلومات لے کر پہنچ گئے۔ یہ توپ خانہ کرنل سمتھ کی کمان میں صرف چار پانچ کوس کے فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں آرام کر رہا تھا۔ اس کا رُخ احمد پور کی جانب تھا جہاں جنرل ونڈسر کو اس کی ضرورت تھی۔

قاسم نے اپنے چار ہزار سواروں کو تین حصوں میں تقسیم کر کے توپ خانے پر دھاوا بول دیا اور کرنل سمتھ کو تین اطراف سے گھیر لیا۔ حملہ اس قدر اچانک اور خلافِ توقع تھا کہ کمپنی کی انگریزی اور دیسی فوج کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ قاسم نے حملے کے لیے وقت بھی ایسا منتخب کیا تھا۔ جب انگریزی سپاہ آرام کر رہی تھی۔ ساری کشمکش دو تین گھنٹے میں ختم ہو گئی۔ کرنل سمتھ اپنے تین نائٹوں سمیت ہلاک ہوا۔ ایک ہزار گورے اور دیسی سپاہی مارے گئے۔ چار پانچ سو گرفتار ہوئے۔ باقی فرار ہو گئے مگر اس بات کا خاص خیال رکھا گیا

(۱۶)

کمپنی سرکار نے چاند نگر پر قبضہ کرنے کے لیے ایک طرف تو کرنل کلوٹ اور مدار المہام جعفر کے ذریعے سازش کے دام پھیلائے دوسری جانب ریاست پر حملہ کر دیا چاند نگر کی مختصر سی دفاعی طاقت کے مقابلے میں انگریز کی قوت حد و حساب سے باہر تھی۔ مگر جنگ میں کبھی کبھی ایک چھوٹی طاقت کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ دشمن کی توقعات کے بالکل برعکس کارروائی کرے اور اپنی اصل طاقت ظاہر نہ ہونے دے۔

چاند نگر کی ریاست جن حالات سے گزری تھی۔ انہوں نے قاسم کو انگریزی چالیں سمجھنے اور انہیں مات دینے کا شعور ضرور بخشا تھا۔ چنانچہ اس نے خفیہ ہی خفیہ فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ کر لیا جس سے مدار المہام جعفر تک کو بے خبر رکھا گیا۔ اسی طرح انگریز ریذیڈنٹ کرنل کلوٹ بھی معاملے کی اصل صورت سے آگاہ نہ ہو سکا۔ قاسم نے دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے معاملات کو زیادہ سے زیادہ چھپائے رکھا۔

پہلا انگریزی حملہ میجر جنرل ونڈسر کی کمان میں قلعہ احمد پور کی سرحد کے قریب ہوا

میدانِ جنگ کی بجائے صرف انگریزی کیمپ پر ہو رہی تھی۔ کئی کرنل، میجر اور کیپٹن بھی ہلاک ہو گئے۔ تباہ کن گولہ باری نے انگریزی فوج کی صفیں اُلٹ دیں۔ انگریزی کیمپ تباہ و برباد کر دیا اور اب میدان میں بچے کھچے انگریزی سپاہی راہِ فرار اختیار کر رہے تھے۔

شام سے پہلے پہلے جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ کم و بیش دو اڑھائی ہزار گورے اور دیسی سپاہیوں کی لاشیں دُور دُور تک بکھری تھیں۔ باقی سپاہی بھاگ گئے اور اس کوشش میں بہت سے گرفتار ہوئے۔ بچے کھچے انگریزی کیمپ کو لُوٹ لیا گیا۔

سلطان قاسم فتح کے پرچم لہراتا قلعے میں داخل ہوا جہاں میر ولی اللہ نے اس کا استقبال کیا اور کامیابی پر مبارک باد دی۔ قاسم نے یہ جنگ طاقت کی بجائے تدبیر سے جیتی تھی۔ اُس نے صرف ایک رات قلعہ میں قیام کیا۔ دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا تو وہ اپنے خاص رسالہ کے ساتھ شمالی قلعہ شکوہ کی طرف اُڑا جا رہا تھا اور بختیار مرزا اس کے ہراول دستہ کی کمان کر رہا تھا۔

قلعہ شکوہ ریاست کی شمالی سرحد پر ایک پُرانا قلعہ تھا جہاں رسمی طور پر سو ڈیڑھ سو سپاہی رہتے۔ اُن کے قیام کا مقصد بھی زیادہ تر غیر ملکی اور ہندوستانی شکاریوں کی راہنمائی کرنا تھا جو ریاست کا اجازت نامہ لے کر جنگل بن میں شکار کھیلنے آتے۔ یہ علاقہ پہاڑوں، جنگلوں، ندی نالوں کی کثرت سے ناقابلِ عبور سمجھا جاتا تھا۔ عموماً پاسی، کاچھی، گوند، بھیل اور خانہ بدوش قبیلے رہتے تھے جو تہذیب و تمدّن سے کوسوں دُور تھے۔ اُن کی بستیاں، گڑھیاں، آبادیاں بھی کئی کئی کوس کے فاصلے پر واقع تھیں مگر نئے حالات کے پیشِ نظر قلعہ شکوہ میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ سپاہ میں حیرت انگیز اضافہ کر دیا گیا تھا اور اس کی کمان حیدر جنگ کے سپرد کی گئی تھی جو فرخ نگر کی چھاؤنی سے مزید دستے لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔

چاند نگر کی پوری مہم کے کمانڈر میجر جنرل ونڈسر کا خیال تھا۔ انگریزی فوج کو ریاست پر قبضہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کی معلومات کے مطابق آٹھ دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل چاند نگر کی دفاعی طاقت انگریزی حملے کا مقابلہ نہ کر سکے گی اور شمال کی طرف سے ریاست میں داخل ہونا مزید آسان ہو گا۔ کرنل ونگ نے بہت

کہ کمپنی کی سپاہ کا کوئی فرد احمد پور کی طرف نہ بھاگ سکے تاکہ جنرل ونڈسر کو انگریزی توپ خانے پر گذر جانے والی قیامت کا علم نہ ہو سکے۔

قاسم نے توپ خانے پر قبضہ کیا۔ خاک پر گرا ہوا یونین جیک اٹھایا اور سنبھال لیا پھر قیدیوں کو ہانکتا ہوا تیزی کے ساتھ احمد پور کی طرف بڑھا۔

دوسرے دن کا سورج احمد پور سے صرف سات آٹھ کوس کی مسافت پر طلوع ہوا۔ جنرل ونڈسر احمد پور کو گھیرے پڑا تھا۔ قاسم اس کے عقب میں خیمہ زن ہوا اور یونین جیک لہرا دیا۔ وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ کرنل سمتھ کا توپ خانہ پہنچ گیا ہے۔ دُور بینوں نے اپنے عقب میں یونین جیک کو لہراتے دیکھا تو انگریزی سپاہ مطمئن ہو گئی۔ جنرل ونڈسر نے میر ولی کو پیغام بھیجا کہ ہتھیار پھینک کر قلعہ اس کے سپرد کر دے۔

میر ولی اللہ کو قاسم کا پیغام مل چکا تھا کہ وہ اس وقت انگریزی فوج کے عقب میں ہے چاند نگر کی محصور سپاہ کے حوصلے بڑھ گئے۔ سہ پہر سے پہلے ہی قلعہ کا دروازہ کھلا اور میر ولی اللہ میدانِ جنگ میں اُترا۔ ونڈسر اس کی "حماقت" پر مسکرا دیا۔ انگریزی توپ خانہ پہنچ جانے کے بعد اس قسم کی جرأت یقیناً احمقانہ تھی۔ وہ بھی انگریزی فوج لے کر نکلا اور توپ خانہ کی طرف جو سات آٹھ کوس پیچھے تھا۔ آدمی دوڑایا۔ گولہ باری کا حکم دیا۔

حکم کے مطابق گولہ باری ہونے لگی لیکن گولے احمد پور کے قلعہ یا چاند نگر کی سپاہ پر پھٹنے کی بجائے انگریزی فوج پر انگریزی کیمپ پر پھٹ رہے تھے اور اس گولہ باری کی چھاؤں میں خود قاسم آگے بڑھ رہا تھا۔

میجر جنرل ونڈسر "کرنل سمتھ" کی احمقانہ کارروائی پر تلملا اُٹھا کیونکہ گولہ باری سے انگریزی فوج کے پرخچے اُڑ رہے تھے۔ ونڈسر نے کرنل سمتھ کی طرف کئی قاصد دوڑائے کہ گولہ باری بند کرے مگر کوئی بھی قاصد سمتھ تک نہ پہنچ سکا کیونکہ وہ تو پہلے ہی موت کی سرحد عبور کر چکا تھا۔ اسی اثنا میں ایک گولہ عین میجر جنرل ونڈسر کے قریب آ کر پھٹا اور اس کا جسم کئی ٹکڑوں میں کٹ کر اچھل گیا۔ انگریزی پرچم خاک پر آ گرا۔ کمپنی کے گورے اور دیسی سپاہی اس تباہ کن صورتِ حال سے بدحواس ہو گئے۔

سامنے میر ولی اللہ چاند نگر کے بہادروں کو لیے کمپنی کے دستوں پر جھپٹ رہا تھا۔ پیچھے سلطان قاسم کی قیادت میں لڑنے والے جانباز پیغامِ اجل لے کر بڑھے۔ اب گولہ باری

دستے بڑی افراتفری میں پیچھے ہٹ رہے تھے۔

سردار جگو کی بیٹی نے آن کی آن میں جنگ کا نقشہ بدل دیا۔

حیدر جنگ کی ہرتی ہوئی بازی پلٹ گئی ۔

تین چار ہزار خانہ بدوش بلائے ناگہانی بن کر افرنگی فوج پر ٹوٹ پڑے تھے۔

پہلے تو کرنل ونگ یہی سمجھا کہ وہ اس غیر تربیت یافتہ ہجوم کو بہ آسانی منتشر کر دے گا ۔اُس نے گوری پلٹن کو خانہ بدوشوں کا حملہ روکنے کا حکم دیا مگر یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا، کہ خانہ بدوش تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح مزاحمت کا ہر حلقہ توڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی کمانڈر ایک لڑکی تھی جو گھوڑے پر سوار پوری جنگی مہارت کے ساتھ انہیں آگے بڑھاتی اور افرنگیوں کو کاٹ دینے کا حکم جاری کرتی تھی ۔ خانہ بدوش اس کی ہر ہدایت کو سمجھتے ہر آواز پر لپکتے، ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے ۔انہوں نے افرنگی عقب میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا، اور بندوقیں داغتے، نیزے بھونکتے، کلہاڑیاں مارتے آگے بڑھ رہے تھے ۔

اس بلائے ناگہانی کے مقابلے میں کرنل ونگ کو تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹنا پڑا ۔

حیدر جنگ نے یہ سب کچھ انتہائی حیرت و دلچسپی سے دیکھا اور اپنی سپاہ کو لے کر قلعہ سے نکل آیا کیونکہ افرنگی فوج پر ضرب لگانے کا یہی موقع تھا۔

کرنل ونگ نے بریگیڈیر کو پیغام بھیجا کہ بقیہ فوج کو بھی حملے کا حکم دے دے ۔وہ دو اطراف سے گھر گیا تھا ۔ایک طرف حیدر جنگ اپنے حصار سے نکل کر دوسری جانب شہزادی خانہ بدوشوں کے ساتھ دھاوے کر رہی تھی ۔ خانہ بدوش تین ٹکڑیوں میں بٹے جن کی قیادت سردار سلیمان ، کاشو اور بالی کر رہے تھے انگریزی فوج کے لیے موت کا پیغام بن گئے تھے۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر بریگیڈیر نے بقیہ فوج بھی جنگ کی بھٹی میں جھونک دی ۔فریقین میں زبردست مقابلہ ہونے لگا ۔چاند نگر کی سپاہ اور خانہ بدوشوں میں رابطہ قائم ہو گیا اور شہزادی اپنی گھوڑا کداتی حیدر جنگ سے آ ملی ۔ ناگہاں جنوب کی طرف سے ٹاپوں کی دھمک اُٹھی پھر سواروں کے غول نمودار ہوئے جن کے آگے آگے چاند نگر کا شاہی پرچم لہرا رہا تھا ۔حیدر جنگ خوشی سے چلا اُٹھا ۔

" سلطان قاسم آ گئے "

ان الفاظ میں جادو تھا ۔ چاند نگر کے سپاہی اور خانہ بدوش یہ مژدہ سن کر تازہ دم

سی معلومات فراہم کر دی تھیں کہ قلعہ شکوہ پر کسی مزاحمت کے بغیر ہی قبضہ ہو سکتا ہے۔ انگریزی فوج کو جگنا بن میں کرنل ونگ کے شکاری کیمپ ہی کو جنگی کیمپ میں بدل دینا تھا۔

حیدر جنگ نے قلعہ شکوہ کی کمان سنبھالتے ہی سب سے پہلے انگریز شکاریوں کے کیمپ پر چھاپہ مارا۔ کیمپ کو تباہ کر دیا مگر کرنل ونگ نکل گیا۔ جب انگریزی فوج کا دوسرا ڈویژن ایک بریگیڈیر کی کمان میں جگنا بن کی طرف بڑھا تو کرنل ونگ اس کے ساتھ تھا۔ انگریزی فوج نے تباہ شدہ شکاری کیمپ سے بہت پیچھے پڑاؤ ڈالا اور کرنل ونگ کی کمان میں قلعہ شکوہ پر کئی حملے کیے لیکن حیدر جنگ نے ہر حملہ ناکام بنا دیا۔

انگریز بریگیڈیر اور کرنل ونگ دونوں حیران تھے کہ قلعہ میں ایکا ایکی اتنی فوج کہاں سے آ گئی جب کہ چاند نگر کی ساری طاقت میجر جنرل ونڈسر کے مقابلے میں جنوبی سرحد پر مصروفِ عمل ہونی چاہیے ——— قلعہ شکوہ پر ہلکی توپوں سے گولہ باری ہونے لگی۔ قلعہ سے بھی جوابی گولہ باری کی گئی۔

انگریزی فوج کے مقابلے میں حیدر جنگ کی کمان میں دفاع کرنے والی ریاستی سپاہ تعداد میں، قوت میں کم تھی اور کرنل ونگ چاہتا تھا۔ پوری طاقت استعمال کر کے قلعہ کو سَر کر لے۔ جنرل ونڈسر اس پر بہت زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ انگریزی فوج کا کمانڈر بے شک بریگیڈیر تھا لیکن اصل کمان کرنل ونگ ہی کر رہا تھا۔

تیسرے دن قلعے پر پورا دھاوا بول دیا گیا۔ کمپنی کے گورے اور دیسی دستے ہلکی گولہ باری کی آڑ میں آگے بڑھے۔ اُنہوں نے قلعہ پر قیامتیں لہرا دیں۔ شمالی بُرج ایک خوفناک دھماکے سے پیوندِ زمین ہو گیا اور پندرہ بیس محافظ ملبہ میں دفن ہو گئے۔ کرنل ونگ نے حملے کا سارا زور اسی شکستہ حصے پر ڈال دیا اور سافرنگی دفاعی حصار توڑتے ہوئے اندر گھس آئے حیدر جنگ حیران تھا کیونکہ قلعہ شکوہ کی شکست کوئی دم کی بات تھی مگر ناگہاں باہر قیامت آفرین غلغلہ بلند ہوا۔ افرنگی گھبرا کے پلٹے اور قلعہ سے نکل کر اپنے نئے دشمن سے نبرد آزما ہوئے جس نے عقب سے حملہ کر کے اُن کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے تھے۔

حیدر جنگ اس تائیدِ غیبی پر حیران تھا۔ سمجھا چاند نگر سے مدد آ گئی لیکن یہ خبر مزید حیران کر دینے والی تھی کہ سردار جگو کی بیٹی شمالی علاقہ کے خانہ بدوشوں کا لشکر لے کر انگریزی فوج پر عقب سے حملہ آور ہوتی ہے اور اس نے آتے ہی دشمن کو کاٹ دیا ہے۔ افرنگی

تھا اور اب، اس نے شہزادی سے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دونوں کی نظریں ایک ساتھ ملیں۔ یہ ملاقات غیر متوقع بھی تھی اور حیرت انگیز بھی شہزادی سمجھ گئی کہ سپہگری کے مقابلے میں ولی عہد نے اپنا چہرا کیوں ڈھانپ رکھا تھا۔ اُس نے جنگل میں اپنی شاہی حیثیت چھپائی اور خود کو ایک سپاہی ظاہر کیا تھا۔ قاسم بھی اسے نگاہِ شوق سے دیکھتا رہا پھر شہزادی نے آگے بڑھ کر کرنل ونگ کا سر اس کے قدموں میں ڈال دیا، اور بولی "چاند نگر کے سلطان کی خدمت میں سردار جگو کی بیٹی کا تحفہ"۔

یہ ایک عجیب وغریب تحفہ تھا۔ ایک عجیب وغریب ملاقات تھی۔ ایک ہی حیثیت کی دو شخصیتیں آمنے سامنے کھڑی تھیں اور دونوں کے دِل دھڑک رہے تھے قاسم نے کہا۔

"ہم سردار جگو کی بیٹی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے چاند نگر کی آزادی کو بچالیا"۔

"یہ میرا فرض تھا"۔ شہزادی نے جواب دیا۔ "اور فرض اس لیے تھا کہ بابا کو چاند نگر کی آزادی پیاری تھی۔ اُس نے چاند نگر کے لیے لڑنے مرنے کا حلف اُٹھایا تھا"۔

یہ الفاظ قاسم کا دِل کاٹتے چلے گئے۔ سردار جگو کے ذِکر پر بڑا بے چین ہو گیا۔ جیسے کسی نے کلیجے کو پکڑ لیا ہو۔ غم زدہ لہجے میں بولا۔

"سردار جگو ہمارا محسن تھا۔ اُس نے باپ کی طرح ہماری حفاظت کی مگر ہم اُس کی حفاظت نہ کر سکے۔ ہم تم سے شرمندہ ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی قاسم کی آواز شدتِ غم سے گلوگیر ہوگئی اور تڑپ کے بولا۔

"یقین رکھو شہزادی! ہم تمہارے باپ کے قاتلوں کو ایسی عبرت ناک سزا دیں گے کہ زمین کانپ اُٹھے گی"۔

مگر شہزادی نے، کاشوتے، بالی نے پہلی بار محسوس کیا کہ جواں سال قاسم کے روپ میں اُن کے سامنے سردار جگو کی جوانی کھڑی ہے۔ قاسم کی آواز بھی جگو سے ملتی جلتی تھی اور صرف شہزادی جانتی تھی ان میں اتنی مشابہت کیوں ہے کیونکہ سردار جگو کا بیٹا اس سے ہم کلام تھا۔

قاسم نے ایک بار پھر خانہ بدوشوں کی وطن پرستی اور چاند نگر کی آزادی کیلئے

ہو گئے اور سردار جگو کی بیٹی اپنی کلہاڑی لہرا کر بولی۔

"حیدر جنگ! تمہارے سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کیلیے مجھے کرنل ونگ کا سر چاہیے۔"

یہ کہہ کر شہزادی نے کاشو اور بالی کو اشارہ کیا۔ دونوں چیتوں کی طرح لپکتے جھپکتے اس کے پاس پہنچ گئے اور شہزادی انہیں دائیں بائیں لے کر افرنگی فوج کے قلب پر حملہ آور ہوئی جہاں کرنل ونگ فوج کی کمان کر رہا تھا۔ شہزادی کو قلب کی طرف بڑھتے دیکھ کر خانہ بدوشوں اور ریاستی سپاہیوں نے شدید دباؤ ڈالا۔ ادھر رنگا اور بونگی نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ انگریزی کیمپ میں گھس کر آگ لگا دی۔ آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

کرنل ونگ حیران و ششدر سا کھڑا کیمپ کو جلتے دیکھنے لگا اور یہی وہ قیامت کا لمحہ تھا جب شہزادی کی بندوق سے شعلہ نکلا اور کرنل ونگ گھوڑے کی پیٹھ سے لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ اس کے گرتے ہی افرنگی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ کاشو اور بالی شہزادی کے پیچھے تڑپتے، دم توڑتے کرنل ونگ کے سر پر پہنچ گئے۔ جگو کی بیٹی نے گھوڑے سے اتر کر کلہاڑی سے اس کی گردن کاٹ دی۔ دوسرے لمحے کرنل ونگ کا سر کاشو کے نیزے پر دکھائی دیا۔

ریاستی سپاہی اور خانہ بدوش کمپنی کے گورے اور دیسی سپاہیوں کا تعاقب کر رہے تھے جنہیں جنوب کی طرف سے سلطان قاسم کے سواروں نے گھیر لیا تھا۔

قاسم قلعہ شکوہ کے سامنے آ کر رک گیا۔ اس کے آتے ہی جنگ جیت لی گئی تھی۔ حیدر جنگ نے آگے بڑھ کر فتح کی مبارکباد پیش کی اور بتایا۔

"ہماری ہاری ہوئی جنگ سردار جگو کی بیٹی اور خانہ بدوشوں نے جیتی ہے۔"

قاسم حیران و ششدر رہ گیا۔ "سردار جگو کی بیٹی؟"

حیدر جنگ کرنل ونگ کے حملہ اور خانہ بدوشوں کی اچانک آمد کے حالات سنانے لگا۔ اس کے اردگرد محافظ سپاہیوں کا جمگھٹا تھا۔ اسی اثنا میں شہزادی، کاشو اور بالی کرنل ونگ کا سر نیزے پر چڑھائے آ پہنچے۔ جگو کی بیٹی یہی تحفہ سلطان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی تھی مگر جونہی ہجوم کو چیرتی آگے بڑھی ٹھٹک کے اپنے پیروں پر رک گئی۔ چاند نگر کے نئے سلطان قاسم کے روپ میں اس کا بہادر جنگی لباس پہنے سامنے کھڑا

ہے اور قاسم کو اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ قاسم نے یہ آنسو دیکھے تو تڑپ کے پوچھا۔

"امی حضور! آج یہ آنسو کیسے۔ ہم نے تو آپ کی ہر خواہش پوری کر دی ہے۔"

"یہ خوشی کے آنسو ہیں قاسم! اب میرے مُسکرانے کے دن آگئے۔ اب تم ہمیشہ مجھے مسکراتے دیکھو گے۔"

ماں کو چھوڑ کر قاسم نے اپنی بھتیجی مرجینا بیگم کے سامنے بھی سر جھکا دیا اور چاند نگر کے اُمراء کو پہلی بار مرجینا کے مرتبہ و منصب کا علم ہوا۔ اسی لمحے دیوان دُنی چند کی بہن پاروتی آگے بڑھی اور اس نے فاتح سلطان کی آرتی اُتاری۔ قاسم نے حکم دیا۔

"ہماری بہن کو سونے میں تول کر سونا اس کے حوالے کر دیا جائے۔"

اس نوازشِ بے پایاں پر دیوان دُنی چند کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ قاسم سب سے مل چکا تو ملکہ بیگم نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور شاہی محل کے راستے پر چلتے چلتے بولی۔

"جشنِ فتح کے ساتھ اپنی شادی کے جشن کی تیاریاں بھی کرو۔ میں نے تمہارے لیے چاند بی بی ڈھونڈ لی ہے۔"

قاسم گھبرا کے بولا۔

"امی حضور! آپ ہماری پسند نہیں جانتیں۔ ہم تو......"

وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ ملکہ بیگم اُسے قصرِ سفید کی طرف کھینچتی ہوئی کہنے لگی۔

"پہلے میری پسند کو دیکھ لو۔۔۔"

غلام گردش کے زینے میں راجپوت محافظ ساؤ نے سلامی دی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے دوسری منزل پر آگئے۔ مرجینا بھی اُن کے پیچھے پیچھے تھی۔ ملکہ بیگم بیٹے کو کھینچتی اپنے کمرۂ خاص میں لائی اور عقبی کمرے میں پہنچی تو سردار جگو کی بیٹی لباس فاخرہ پہنے کھڑی تھی اور اس لباس میں اس کا حسن بہاروں کو شرما رہا تھا۔ قاسم شہزادی کو ملکہ بیگم کے کمرے میں دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔

"یہ ہے میری چاند بی بی۔۔۔ چاند نگر کی ہونے والی ملکہ۔۔۔"

قاسم ایک دو پل نقشِ حیرت سا بنا رہا پھر اُس کے ہونٹ پھڑ پھڑائے۔

"امی حضور! آپ کو ہماری پسند کا علم کیونکر ہوا؟"

جنگ لڑنے کا شکریہ ادا کیا اور شہزادی کو اپنے ساتھ قلعہ شکوہ میں چلنے کی دعوت دی مگر اُس نے جواب دیا۔

"اب آپ سے ملاقات چاند نگر میں ہو گی ——"

یہ کہہ کر پلٹی، گھوڑے پر سوار ہوئی اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس ہجوم سے نکل گئی۔ قاسم تصویرِ حیرت بنا دیکھتا رہا اور سوچتا ہی رہ گیا کہ کیا کہہ گئی ہے۔ اس کے ساتھ حیدر جنگ، بختیار مرزا اور دوسرے لوگ بھی شہزادی کے ناقابلِ فہم رویے پر حیران تھے۔

کچھ دیر بعد شہزادی خانہ بدوشوں کے ہمراہ میدانِ جنگ سے رخصت ہو رہی تھی جو اُسی نے جیتا تھا۔

چاند نگر کو فتح کرنے کی افرنگی مہم مکمّل طور سے ناکام ہو گئی۔ کمپنی سرکار کی گورا اور دیسی فوجیں ایک چھوٹی سی کمزور ریاست کے جذبۂ حرّیت کو شکست نہ دے سکیں بلکہ خود بھاری جانی اور مالی نقصان اُٹھا کر جنوب کی طرف فرار ہو گئیں۔ کلکتہ کے فورٹ ولیم کے لیے شکست کی خبر انتہائی الم انگیز تھی۔ اب اُسے چاند نگر کے بارے میں اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑی۔

سلطان قاسم مکمّل فتح کے بعد دارالحکومت میں لوٹ آیا اور اس کا ایسا پرجوش اور والہانہ استقبال کیا گیا کہ چاند نگر کی تاریخ میں اُس کی مثال نہ ملتی تھی۔ تمام راستے سجا دیئے گئے شہر کو دُلہن کی طرح آراستہ کر دیا گیا اور لوگ اپنی آزادی کی حفاظت کرنے والے بہادر حکمران کو دیکھنے کے لیے دیوانہ وار ٹوٹ پڑے۔ جوان بوڑھے، لڑکے بالے راستوں پر اور عورتیں، بچّے مکانوں کی چھتوں اور منڈیروں پر اُمڈ آئے تھے۔ قاسم اس ہجومِ استقبال سے گزرتا شاہی محل کے دروازے پر پہنچا جہاں ملکہ بیگم، میرزا شاہ رخ، دیوان دُنی چند، میر منشی احمد شجاع، محاسبِ اعلیٰ جسونت راؤ، افسرِ خاص نادر بیگ، رگھو ناتھ اور بھیل سواروں کے سردار حیدری چاچا، منصور کاکا اور دوسرے لوگ پیشوائی کے لیے موجود تھے۔

توپوں کی گھن گرج، طبل و کوس کی صداؤں اور نعروں کے شور میں قاسم گھوڑے سے اُترا تو "مبارک سلامت" کی آوازیں بلند ہوئیں اور انہی آوازوں کے درمیان قاسم آگے بڑھ کر ملکہ بیگم کے قدموں سے لپٹ گیا۔ بوڑھی ملکہ نے سوچا۔ سردار جگو کا خون کتنا وفاشعار

کو بڑے انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ دربار کے بعد جب قاسم اور شہزادی ہاتھی کے ہودے میں بیٹھے اور جلوس شاہی محل کی طرف روانہ ہوا تو بھیل پہرے داروں کے سردار منصور کاکا نے کہا۔

"ہمار سرکار سیر کا سکار کرت ہیں تو " جنگل کی سیرنی "سے بیاہ رچات رہیے ۔"

حیدری چاچا ہاتھی کی سواری کے آگے آگے اشرفیاں اور چاندی کے روپے لٹا تا جا رہا تھا اور ملکہ بیگم مرجینا کے ساتھ ایک برجی میں کھڑی یہ حیات افروز منظر دیکھ کر بے خود ہوئی جا رہی تھی۔

ملکہ بیگم مسکرا دی ـــــــ "مائیں اپنی اولاد کے دلوں کا بھید جانتی ہیں"۔
یہ کہہ کر اس نے شہزادی اور قاسم کو اپنے بازوؤں میں لے کر ان کی پیشانیوں کو بوسے دیئے اور چاند نگر میں ایک نئے جشن کی تیاریاں ہونے لگیں۔

قاسم کے ساتھ شہزادی کا نکاح سردار جگو کی بیٹی کی حیثیت میں ہوا اور یہ راز کھولنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ وہ نواب فرخ کی بیٹی اور وارثِ تخت وتاج ہے خود قاسم کو بھی زندگی بھر معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی نبضوں میں سردار جگو کا خون دوڑ رہا ہے۔ وہ وفا شعار جگو کا بیٹا ہے۔ چاند نگر کے عوام شہزادی کی بہادری کو بچشمِ خود دیکھ چکے تھے اور قلعہ شکوہ پر حملے کے دوران اُس کی جنگی شجاعت کا حال سُن بیٹھے تھے۔ وہ اُسے چاند نگر کی چاند بی بی بنا کر بے حد خوش ہوئے۔

اُسی دن ریاست گلیار کی شہزادی فوزیہ سلطانہ اور بختیار مرزا کی شادی بھی ہوئی اور بختیار مرزا نے سلطان قاسم سے شکایت کی کہ اُس کی عدم موجودگی میں جگو کی بیٹی نے جعفر کی وہ حویلی پھونک ڈالی تھی جو سلطان نے اُسے بطورِ انعام دی تھی لہذا اُسے حویلی کی مرمت کا "خرچہ" دیا جائے اور "ہرجانے" کے طور پر سلطان قاسم اور شہزادی اُن کی دعوت قبول کریں۔

شادی کے دوسرے دن چاند نگر میں ایک عظیم الشان دربار لگا۔ شہزادی چاند بی بی بن کر ریاست کے تخت پر قاسم کے پہلو بہ پہلو بیٹھی۔ ملکہ بیگم اپنی بیٹی کو باپ کے تخت پر بیٹھی دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ مرجینا بھی بے حد خوش اور مطمئن نظر آتی تھی مگر اس ہجوم میں ایک نوجوان ایسا بھی تھا جس کا دل احساسِ محرومی سے ٹوٹ پھوٹ گیا اور وہ خانہ بدوش جندو کا بیٹا کاشو تھا۔

شہزادی نے کاشو کو مسند کے قریب بلایا اور بولی۔
"کاشو! سردار جگو کی بیٹی کی قسمت میں یہی لکھا تھا جو تم دیکھ رہے ہو۔ آج سے میں تمہیں خانہ بدوشوں کا سردار مقرر کرتی اور اُمید رکھتی ہوں جس طرح سردار جگو ہمیشہ چاند نگر کا وفادار رہا اُسی طرح تم بھی رہو گے"۔
کاشو نے اظہارِ اطاعت میں گردن جھکا دی اور سلطان قاسم نے خانہ بدوشوں

Urdu F
Ajnalvi, Qamar
Wali Ehad
Historical novel 2021 £ 21.00
Lahore al Quraish Publications
ISBN: 9789693800388

NEWHAM LIBRARIES
90800000171476

KR-173-073

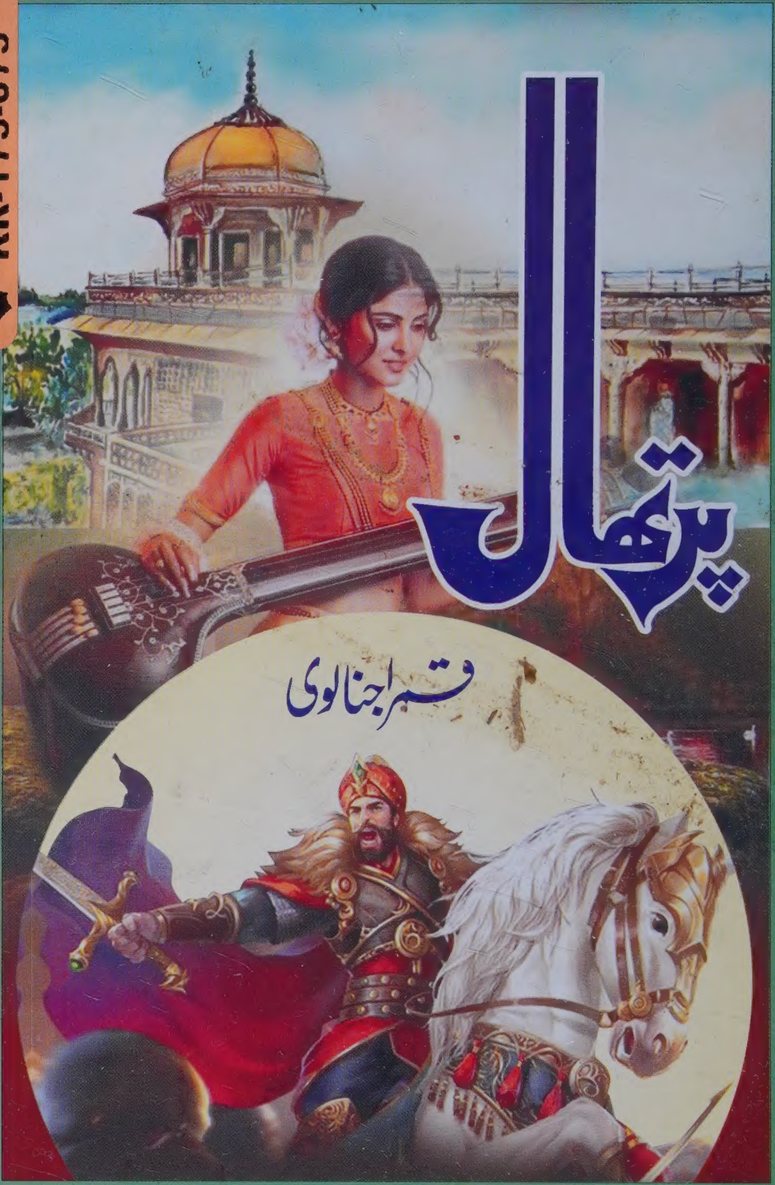

ALQURAISH PUBLICATIONS
Urdu Bazar (Pakistan)
03004183997
www.alquraish.com
info@alquraish.com
alquraishpublications

مکتبہ القریش
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37668958
042-37652546

ISBN:9789693800388
9 789693 800388